مجموعة الفتاویٰ
افادات
حضرت مولانا سید محمد امین حسنی محدث نصیرآبادی
(المولود ۱۲۷۵ھ - المتوفی ۱۳۴۹ھ)
تحقیق و تعلیق
محمد نجم الدین ندوی
سید احمد شہید اکیڈمی
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

مجموعۃ الفتاویٰ

افادات

حضرت مولانا سید محمد امین حسنی محدث نصیر آبادیؒ

(المولود ۱۲۷۵ھ - المتوفی ۱۳۴۹ھ)

تحقیق و تعلیق

محمد نجم الدین ندوی

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

طبع اول

ربیع الاول ۱۴۳۸ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۶ء

سید احمد شہیدؒ اکیڈمی

دارِ عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی

نام کتاب	:	مجموعة الفتاویٰ
مصنف	:	حضرت مولانا سید محمد امین حسنی محدث نصیر آبادیؒ
تحقیق و تعلیق	:	محمد نجم الدین ندوی
تعداد اشاعت	:	۵۰۰
صفحات	:	۴۰۸

ملنے کے پتے :

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء

☆ مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب العلمیۃ، ندوہ روڈ لکھنؤ

باہتمام: محمد نفیس خاں ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

حضرت مولانا سید محمد امین حسنی محدث نصیر آبادیؒ

احوال وآثار، خدمات وتصانیف، خاندان، اساتذہ اور تلامذہ

کتاب العقائد والبدعات

کتاب الطہارۃ

کتاب الصلاۃ وأحکامہا

کتاب الزکوٰۃ

کتاب الصوم

کتاب الحج

کتاب النکاح

کتاب الرضاعۃ

کتاب الطلاق والرجعۃ

کتاب العنین

کتاب الظہار

کتاب العدۃ

کتاب الحضانۃ

کتاب المیراث

متفرقات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

حضرت مولانا محمد امین صاحب نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ چودھویں صدی ہجری کے ان مشائخ میں سے ہیں، جن کی اصلاحی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، وہ خاندان علم اللہی کے چشم و چراغ تھے، ان کی روشنی سے مشرقی یوپی کے بہت سے اضلاع روشن ہوئے، لوگوں کو ہدایت ملی، شرک وبدعت سے نفرت پیدا ہوئی، اور سنت کا شوق لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا، تقریباً ایک صدی گذرنے پر بھی اس کے اثرات ان علاقوں میں محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

مولانا سید محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ کے خاص شاگردوں میں تھے، مولانا فرماتے تھے کہ حضرۃ الاستاذ کے کتب خانہ کو میں نے پی لیا ہے، ہزاروں حدیثیں مولانا کو یاد تھیں، اور مختلف مواقع پر مولانا ان سے استشہاد کرتے اور سند کے ساتھ حدیثیں پیش کردیتے۔

سلوک کی تعلیم انہوں نے اپنے خاندانی بزرگ حضرت شاہ ضیاء النبی علیہ الرحمہ سے حاصل کی تھی، جو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے نانا اور اپنے وقت کے بڑے مشائخ میں سے تھے، مولانا عبدالحی صاحبؒ نے ان کو "برکۃ الدنیا" کہا ہے۔

علم وعمل کی اس یکجائی نے ان کے اندر ایک ایسی شان پیدا کردی تھی کہ اس نے ان کو ایک ممتاز مقام عطا کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا رعب عطا کیا تھا کہ انکار منکر

بالید پران کا عمل تھا، اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے خلاف کر سکے۔

باطنی صفات اور علمی کمالات کے ساتھ اللہ نے حسن ظاہر سے بھی آراستہ کیا تھا، اس پر ایمانی نور ایسا کہ ان کو دیکھ کر دل بدل جاتے تھے۔

حضرت مولانا امین صاحب نصیر آبادیؒ کو اللہ تعالیٰ نے مجتہدانہ صلاحیت عطا فرمائی تھی، حدیث وفقہ پر دقیق اور وسیع نگاہ تھی، رائے بریلی، پرتاب گڑھ سے لے کر جونپور اور اعظم گڑھ تک جو ان کی اصلاحی ودعوتی کوششوں کا مرکز تھا، ان علاقوں میں خاص طور پر مولانا ہی کے فتاوی پر عمل تھا، اور ان میں مولانا نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے طرز فکر کو اختیار کیا تھا، مولانا اگر چہ حنفی تھے، مگر مسائل بتانے میں براہ راست احادیث سے اعتناء تھا، مولانا نے یہ بات کہیں تحریر فرمائی ہے کہ معتبر احادیث کو بنیاد بنا کر میں گرچہ توسع اختیار کرتا ہوں، مگر ائمہ اربعہ کے مسلک سے نہیں ہٹتا۔

یہ فتاوی محفوظ نہ رہ سکے جو رہ گئے وہ مولانا کی مجتہدانہ شان کا مظہر ہیں، مولانا نجم الدین اصلاحی صاحبؒ نے جو "یادگار سلف" کے مصنف ہیں، اور انہوں نے بڑی محنت سے مولانا کی سوانح قلم بند کی ہے، یہ فتاوی جمع کیے جو ان کے پاس محفوظ تھے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے ایک ملاقات میں وہ انہوں نے حضرت کے سپرد کیے، سالوں پہلے برادر مخدوم مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی ہدایت پر محب مکرم مولوی مطیع الرحمٰن عوف ندوی نے اس پر کچھ کام بھی کیا، لیکن وہ اشاعت کے قابل نہ ہوسکا، پھر ایک سال قبل یہ کام عزیز القدر مولوی محمد نجم الدین ندوی کے سپرد کیا گیا، انہوں نے بڑی عرق ریزی سے اس کو اشاعت کے قابل بنایا، اور اس دوران انہوں نے حضرت مولانا نصیر آبادیؒ کے حالات بھی قلمبند کرنے شروع کیے جو انشاء اللہ مستقل شائع کیے جائیں گے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

امید ہے کہ یہ فتاوی محققین کے لیے خاص طور پر مفید ثابت ہوں گے، اور ایک علمی امانت شائقین علم کے ہاتھوں میں آئے گی۔

بلال عبدالحی حسنی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ، تکیہ کلاں (رائے بریلی)

۷/صفر ۱۴۳۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی
(ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد!

اسلام اور مسلمانوں کی مختلف ملکوں میں آمد اور مصلحین کی اصلاحی ودعوتی خدمات اور علماء کی دین وشریعت کی مختلف طریقوں سے خدمت کا اگر جائزہ لیا جائے تو ابتدائی ادوار کو چھوڑ کر ہندوستان کا حصہ اس میں بہت نمایاں نظر آئے گا، خاص طور پر اس آخر دور میں جو حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ (م ۱۰۵۲ھ) امام مجدد الف ثانیؒ (۹۷۱-۱۰۳۴ھ) اور حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے شروع ہوتا ہے، اسلام اور دین وشریعت کی جس طرح دین اسلام کے مزاج کی صحیح اور مکمل رعایت رکھتے ہوئے خدمت کی گئی ہے، دوسری جگہ اس جامعیت اور تنوع کے ساتھ اس کی مثال ملتی کم نظر آئے گی، جب کہ شروع کے ادوار میں خراسان وماوراء النہر میں حدیث و تفسیر اور فقہ کی اور اسی طرح مغرب، اندلس، مراکش وغیرہ اور افریقی عربی ملکوں میں مصر کی خدمات ناقابل فراموش ہی نہیں بلکہ ایک عمارت کے لیے بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں۔

ہندوستان کی ان مایہ ناز شخصیات میں جنہوں نے چودھویں صدی ہجری میں

دین اور علم دین کی علمی، دعوتی اور اصلاحی طریقے سے نمایاں خدمت انجام دی، ایک ممتاز شخصیت حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۴۹ھ-۱۹۳۱ء) کی بھی ہے، جن کا تعلق امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے خاندانی طور پر رشتہ داری کا اور روحانی طور پر ان کے سلسلہ کے بزرگوں سے استفادے اور خاندان ولی اللّٰہی سے علمی انتساب کا تھا، اپنی دعوتی مصروفیات کے ذریعہ بدعات کو مٹانے اور سنت کو عام کرنے کے لیے گاؤں گاؤں جاکر اسفار کے ساتھ علمی وتحقیقی کام کے حوالہ سے خدمت انجام دی۔

راقم سطور کی عمر دو سال رہی ہوگی کہ یہ آفتاب علم ودعوت غروب ہوگیا، ان کو اپنے عہد کی ممتاز اہل فضل وکمال فقہاء ومحدثین سے لکھنؤ اور سہارنپور میں ان کے دروس میں شریک ہوکر استفادے کا شرف حاصل ہوا تھا، مثلاً: لکھنؤ میں مولانا ابو الحسنات عبدالحی فرنگی محلی اور سہارنپور میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہما سے استفادہ کیا تھا، اور یہ صلاحیت پیدا کرلی تھی اور قرآن فہمی اور حدیث کے مزاج سے وہ واقفیت حاصل کرلی تھی کہ دین کے اسرار کو سمجھنے کے ساتھ ملت کے مفاد اور حالات کے تغیرات پر نظر رکھتے ہوئے، حدیث وسنت کی روشنی میں استفتاءات پر ایسے فتوے دیتے جو اپنی نوعیت میں انفرادیت کے حامل ہیں۔

مولانا محمد امین صاحب نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا دائرۂ اصلاح ودعوت لکھنؤ کا مشرقی علاقہ نصیر آباد (رائے بریلی) پرتاب گڑھ، سلطان پور، جونپور، اعظم گڑھ اور مئو وغیرہ تھا جہاں علماء ومشائخ ان کے ان احسانات کو آج بھی یاد کرتے ہیں، اور ان علاقوں میں جو توحید وسنت کو فروغ ہوا اور ایمان کی بادِ بہاری چلی، اس کا سہرا ان کے سر باندھتے ہیں، ان سے پہلے اس رخ پر محنت کرنے والوں میں ان کے سلسلہ اور خاندان کے ہی بزرگوں میں حضرت مولانا شاہ ضیاء النبی حسنیؒ (نانا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ) جو حضرت مولانا محمد امین نصیر آبادی کے شیخ ومرشد تھے، اور ان

کے شیخ حضرت خواجہ احمد نصیر آبادی کا نام لینا کافی ہے۔

حضرت مولانا صرف ایک مصلح اور داعی اور واعظ و خطیب ہی نہ تھے، وہ مجتہدانہ شان رکھنے والے عالم دین، فقیہ، محدث اور محقق و مصنف بھی تھے، ان کے فتاوی کے جمع کرنے کا کام عزیز گرامی مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی مرحوم نے پہلے شروع کرایا تھا جو مکمل نہ ہوسکا تھا، پھر اسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے عزیز القدر مولوی سید بلال عبدالحی حسنی ندوی نے یہ خدمت ''مرکز الشیخ أبي الحسن الندوي''، دار عرفات، رائے بریلی کے اپنے رفقاء میں بعض کے سپرد کی اور عزیزی مولوی محمد نجم الدین ندوی منی پوری نے اچھی محنت و تحقیق سے اس کام کو مرتب کر کے پیش کیا تو وہ ایک بڑے لائق قدر کام اور ایک اہم علمی انکشاف کے طور پر سامنے آیا جو انشاء اللہ علم میں اہم اضافے کا باعث اور شریعت کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوگا۔ وما ذلك على الله بعزيز

محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۴۳۸/۲/۱ھ
۲۰۱۶/۱۱/۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ
(جنرل سکریٹری اسلامی فقہ اکیڈمی، الہند)

امت مسلمہ کا ایک اہم فریضہ امر بالمعروف یعنی نیکیوں کی طرف دعوت دینا اور نہی عن المنکر یعنی برائیوں سے روکنا ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

معروف کی طرف دعوت دینے اور برائیوں سے روکنے کا ایک ہی طریقہ متعین نہیں، بلکہ اس میں تنوع ہے، یہ تنوع مخاطب کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے جیسے عالم اور جاہل یا حاکم اور رعایا کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے الگ الگ انداز ہوسکتے ہیں، اور یہ تنوع کام کرنے والوں کے لحاظ سے بھی، اس لحاظ سے بہ حیثیت مجموعی اس کے تین درجات کئے جاسکتے ہیں:

الف: عام مسلمان:

ان کے لیے بھلائی کی طرف دعوت دینے اور برائی سے روکنے کا طریقہ یہی ہے کہ وہ زبان کا استعمال کریں اور اگر کوئی ان کے زیر ولایت ہو تو شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے سختی بھی اختیار کرسکتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ (التوبة: ۷۱)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده ومن لم یستطع فبلسانه ومن لم یستطع فبقلبه"(۱)

(تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے تو چاہیے کہ اپنے ہاتھ (قوت) سے روکے، جس کو اس کی طاقت نہ ہو تو وہ زبان سے روکے اور جس میں اس کی بھی طاقت نہ ہو تو وہ دل سے روکے (یعنی دل سے برا سمجھے اور ارادہ رکھے کہ جب وہ روکنے کے موقف میں آجائے گا تو قوت سے روکے گا)

اس میں تغییر بالید کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کوئی بھی انسان کسی گناہ کے مرتکب شخص پر ہاتھ اٹھالے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ماں باپ اپنے بال بچوں کی، شوہر اپنی بیوی کی، اور استاذ اپنے شاگرد کی تنبیہ کرے، نیز "ید" کا لفظ عربی زبان میں قوت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اور قوت صرف ہاتھ اور ہتھیار ہی کی نہیں ہوتی، اخلاقی وسماجی دباؤ کی بھی ہوتی ہے، یعنی اصلاح میں اخلاقی وسماجی دباؤ کا استعمال بھی طاقت ہی کا استعمال ہے۔

ب: حکومت:

حکومت کے ذریعہ امر بالمعروف کے تین ذرائع ہیں: شعبۂ قضاء یعنی عدلیہ، جو مظلوموں کی فریادرسی کرتی ہے اور ظالموں کو ان کے جرم کی سزا دیتی ہے، دوسرے: شعبۂ احتساب، جو عوام میں عمومی طور پر نہی عن المنکر کا کام کرتی ہے، تیسرے: شعبۂ دفع مظالم، جو حقوق العباد کے سلسلہ میں ہونے والی کوتاہیوں کا تدارک کرتی ہے، اس کے اختیارات عدلیہ سے کم اور شعبۂ احتساب سے زیادہ ہوتے ہیں، غرض کہ حکومت وقت کے استعمال کے ذریعہ بھی معروف کو قائم اور منکر سے روک سکتی ہے۔

---

(۱)صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۷۸

ج:: علماء ومشائخ:

علماء ومشائخ کے امر بالمعروف کا ایک طریقہ تو عمومی ہے، جس کو اصلاح وارشاد کہا جا سکتا ہے، یعنی خطبات، شخصی تربیت، اصلاحی مضامین وغیرہ کے ذریعہ، یہ خدمت ہر عالم بلکہ ہر صاحب شعور انجام دے سکتا ہے، اور اہل صلاح ہمیشہ اس طریقہ کے ذریعہ فریضہ اصلاح انجام دیتے رہے ہیں۔

دوسرا طریقہ ہے: افتاء (یعنی شرعی رہنمائی) کہ جو لوگ حلال وحرام اور زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق شرعی رہنمائی کے محتاج ہوں، ان میں ان کی مدد کی جائے، یہ بڑی اہم ذمہ داری ہے، امر بالمعروف کی بقیہ صورتوں میں معروف کو انجام دینے اور منکر سے بچنے کی ترغیب دی جاتی ہے، یا اس کی خلاف ورزی پر سزا دی جاتی ہے، لیکن فتوی کے ذریعہ لوگوں کو دن ورات پیش آنے والے واقعات میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ معروف کیا ہے اور منکر کیا ہے؟ کون سی باتیں حلال کے دائرہ میں آتی ہیں اور کون سی باتیں حرام ہیں؟ اس لیے امر بالمعروف جیسے فریضہ کی ادائیگی میں فتاوی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

لیکن یہ کام ان راسخ العلم علماء ربانیین کا ہے، جو قرآن وحدیث اور سلف صالحین کی اجتہادات سے بھی واقف ہوں، اپنے زمانہ کے احوال پر بھی ان کی نظر ہو اور ورع وتقوی میں بھی امتیازی شان رکھتے ہوں، کیونکہ یہ عام کام بہت نازک اور دوررس اثر کا حامل ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتوی کی نسبت اپنے آپ کی طرف کی ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾ (النساء: ۱۲۷)

ایک اور موقع پر ارشاد ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ (النساء: ۱۷۶)

گویا اللہ تعالیٰ کی ذات خود مفتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے منشاء کی تشریح وتوضیح

اپنے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حوالہ کی:

﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل: ٤٤)

یہ بیان ووضاحت کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر عہد کے علماء وارباب افتاء کے حصہ میں آتی رہی، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مفتی گویا خود شارع کا نائب ہے، اور شارع ہی کی طرف سے احکام شرعیہ میں لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، اسی لیے علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ مفتی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ فتوی دینے میں وہ کس کا قائم مقام ہے:

"ولیعلم المفتی عمن ینوب فی فتواہ" (۱)

اور امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ مفتی اللہ ہی کی جانب سے رائے کا اظہار کرتا ہے:

"المفتی موقع عن اللہ تعالی" (۲)

اسی لیے فتوی دینے میں بہت احتیاط کرنی چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

(تم میں جو شخص فتوی دینے میں جری ہو، وہ دراصل دوزخ پر جری ہے) (۳)

ابن ابی لیلیٰ سے منقول ہے کہ میں نے ایک سو بیس انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ ان میں سے ایک سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ دوسرے کا، اور دوسرا تیسرے کا حوالہ دیتا اور اسی طرح ایک دوسرے سے رجوع کرنے کی تلقین کرتا، یہاں تک کہ یہ سوال پھر پہلے شخص کی طرف لوٹ آتا، (۴) ان ہی سے منقول ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا حال یہ تھا کہ اگر انہیں کوئی حدیث یاد ہوتی تو ان کی خواہش ہوتی کہ ان کے بجائے ان کا بھائی اس روایت کو نقل کردے، اور کسی سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ چاہتا کہ اس کے بجائے اس کا بھائی بتادے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جو شخص ہر سوال کا جواب دے وہ مجنون ہے، امام ابو حنیفہ کہا

---

(۱) اعلام الموقعین: ۱/۱۱ (۲) شرح مہذب: ۱/۴۰، مقدمۃ
(۳) سنن الدارمی: ۱/۵۷ (۴) شرح مہذب: ۱/۱۴۰

کرتے تھے کہ اگر علم ضائع ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو فتویٰ نہ دیتا، امام مالکؒ کا حال یہ تھا کہ اڑتالیس مسائل پوچھے گئے تو بتیس کے بارے میں کہہ دیا کہ مجھے اس کا علم نہیں، ایک مسئلہ کے جواب کے بارے میں فرمایا: مجھے معلوم نہیں، عرض کیا گیا: یہ تو آسان اور معمولی مسئلہ ہے، تو آپ غصہ ہو گئے اور فرمایا: علم کی کوئی بات معمولی نہیں، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ فتویٰ کی جو صلاحیت اور مطلوبہ استعداد سفیان بن عیینہ میں تھی، میں نے کسی میں نہیں دیکھی، لیکن میں نے ان کو فتویٰ سے جتنا زیادہ بچتے ہوئے دیکھا کسی کو نہیں دیکھا، اثرم ناقل ہیں کہ میں نے امام احمد کو بہت سارے مسائل میں یہ کہتے ہوئے دیکھا ہے: مجھے معلوم نہیں، سفیان ابن عیینہ اور سحنون کہتے ہیں کہ فتویٰ دینے میں جری وہی ہو سکتا ہے، جو کم علم ہو، عطاء بن سائب تابعی ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا تو گفتگو کرتے ہوئے ان پر لرزہ طاری ہو جاتا، (۱) اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سلف صالحین افتاء کے سلسلہ میں کس قدر احتیاط برتتے تھے۔

نبوت محمدی کا ایک اعجازی پہلو یہ ہے کہ اس امت نے اجتماعی حیثیت میں کبھی دین و شریعت کو خیر آباد نہیں کہا، جیسا کہ دوسرے مذاہب کے متبعین نے کیا، اس لیے بہت سی کوتاہیوں اور اعتقادی و عملی کمزوریوں کے باوجود شریعت سے ان کا رشتہ قائم ہے، مسلمان نہ صرف ایمانیات و عبادات میں اپنے دین کے احکام کو واجب العمل سمجھتا ہے، بلکہ معاشرت، معیشت، باہمی تعلقات، خاندانی زندگی ہر شعبۂ حیات میں اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ قانون شریعت پر عمل کرنے اور اسوۂ محمدی کے متبع رہنے ہی میں اس کی بھلائی ہے، اس لیے وہ قدم قدم پر علماء سے رجوع کرتے ہیں، اور بعض اوقات زندگی کے جن واقعات کو اپنے ماں باپ اور بال بچوں، نیز شوہر اور بیوی کے سامنے بھی بیان کرنا نہیں چاہتے ان کو بھی مفتی کے سامنے پیش کر دیتے ہیں، اور رضا کارانہ طور پر اللہ و رسول کے فیصلہ کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں۔

---

(۱) ملخص از: شرح مہذب: ۱/ ۴۰-۴۱

اسی بنیاد پر فتاوی کے ذریعہ رہنمائی کا شعبہ مسلم سماج میں ایک فعال شعبہ رہا ہے، اور اس میں تسلسل اور استمرار پایا جاتا ہے، عالم اسلام کے مختلف علاقوں کی طرح برصغیر میں بھی فتاوی کی ایک روشن تاریخ رہی ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو جیسے عوام تک قرآن کا پیغام پہنچانا اور حدیث سے ان کا رشتہ جوڑنے میں امتیازی مقام حاصل ہے، اسی طرح فقہ وفتاوی کے باب میں بھی خانوادۂ علم اللّٰہی کے چشم و چراغ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (متوفی: ۱۱۵۹ھ) کے فتاوی کا مجموعہ ''فتاوی عزیزیہ'' کو موجودہ کتب فتاوی میں اولیت حاصل ہے، یہ فتاوی اصلاً فارسی زبان میں ہیں، لیکن اس کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے، اسی سلسلۂ ولی اللّٰہی کی ایک عبقری شخصیت سید احمد شہیدؒ ہیں، جو ایک طرف ایسے مربی اور مزکی تھے کہ ان کی چند دنوں کی صحبت سے دلوں کی کایا پلٹ جاتی تھی، تو دوسری طرف بڑے بڑے علماء وفقہاء ان کے دامن تربیت سے وابستہ تھے، اور ان کے فیض سے اپنی تشنہ کامی دور کیا کرتے تھے، اسی سلسلہ کے اگلے بزرگوں میں حدیث نبوی کے رمز شناس اور فقہ اسلامی کے غواص حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ ہوئے، جن کو ایک طرف عظیم فقیہ مولانا عبد الحی فرنگی محلیؒ، دوسری طرف ممتاز حنفی محدث حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ اور تیسری طرف جماعت اہل حدیث کے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ سے کسب فیض کا موقع ملا، اللہ نے ان کو جامعیت کی شان عطا کی تھی، انہوں نے مسند تدریس بھی بچھائی، بزم احسان وسلوک بھی سجائی، تبلیغ دین اور اصلاح امت کو اپنا خاص مشن بنایا، ان کے ساتھ ساتھ تفقہ سے بھی حظ وافر سے نوازا گیا۔

اس زمانہ میں آج کل کی طرح اداروں کی سہولت نہیں تھی، نہ علمی افادات کو محفوظ کرنے کے لیے آسان وسائل مہیا تھے، اس لیے غالب گمان یہی ہے کہ بہت سے فتاوی محفوظ نہیں رہ سکے، لیکن ''ما لا یدرک کله لا یترک کله'' کے تحت یہ بہت اچھی بات ہوئی کہ فتاوی کا جو کچھ سرمایہ مل گیا، اسے دفینہ سے سفینہ تک منتقل کرنے کی سعی مشکور کی گئی، اور اس طرح یہ علمی امانت آج ہم لوگوں کے لیے قابل استفادہ بن رہی ہے۔

مجھ جیسوں کے لیے ان فتاوی پر کچھ اظہار خیال، چھوٹا منھ بڑی بات کے مصداق ہے، تاہم اس حقیر کی نظر میں اس مجموعہ کی جو امتیازی حیثیت ہے، اس کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے:

☆ عام طور پر فتاوی میں فقہی عبارتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے، لیکن صاحب فتاوی کو مزاج ولی اللّٰہی کے مطابق نصوص سے خاص اعتناء ہے، اس لیے جو مسائل منصوص ہیں، ان میں زیادہ تر آیات واحادیث اور آثار صحابہ کو بھی ذکر کرنے کا اہتمام فرمایا ہے۔

☆ عقائد وایمانیات سے متعلق رد بدعت پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے، اور مبتدعین کے بارے میں سخت لب ولہجہ اختیار کیا گیا ہے۔

☆ ائمہ اربعہ کے متبعین نے عام طور پر عقیدۂ ایمان میں اشاعرہ وماتریدیہ کے مسلک کو اختیار کیا ہے، لیکن صفات باری تعالیٰ، استواء علی العرش وغیرہ سے متعلق آپ کا رجحان حنابلہ اور علماء حدیث کی طرف ہے، چنانچہ آپ تاویل کی بجائے تفویض کو ترجیح دیتے ہیں۔

☆ مسائل فقہیہ میں آپ فقہ حنفی کے متبع ہیں، فتاوی سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فقہ حنفی کے مراجع اور جزئیات پر گہری نظر تھی، لیکن تقلید میں بھی آپ کا رنگ فکر ولی اللّٰہی کا پرتو ہے اور یقیناً اس میں آپ کے استاد حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کی فقہی بصیرت کی گہری چھاپ بھی شامل ہے، مثلاً: کنوئیں کے پاکی اور ناپاکی کے سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ کی اس رائے کو اختیار کیا گیا ہے کہ اگر پانی قلتین سے زائد ہو تو ائمہ ثلاثہ کی اس رائے پر عمل کرنے کی گنجائش ہے کہ جب تک پانی کے اوصاف میں تغیر نہ ہو پانی پاک ہے، آپ نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے، اور ان اثار کا جائزہ بھی لیا ہے، جو حنفیہ کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں، پھر اخیر میں لکھتے ہیں:

"پس مسئلہ ہذا میں باعتبار روایت احادیث مذاہب ثلاثہ قوی ہیں، اس میں شک نہیں، من شاء فلیرجع الی کتب الحدیث واللّٰہ

أعلم وعلمه أحكم"

اسی طرح قرأت فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں اپنی رائے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

''صورت مسئولہ بالا میں جب کہ دلیلیں فریقین کی قوی ہیں، اس میں اقوی اور اولی بعد تامل کے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا سری نماز میں پڑھنا ہے اور جہری نماز میں اگر سکتات امام دو آیتوں کے درمیان کا وقفہ کو پاوے، بہر کیف پڑھنا بہتر ہے نہ پڑھنے سے، اس طور پر کہ امام کی قرأت کو پریشان نہ کرے''۔

آگے آپ نے اپنے اس نقطہ نظر پر وضاحت کے ساتھ دلائل پیش کیے ہیں، اور فریقین کے دلائل کا موازنہ بھی کیا ہے۔

مقلدین اور غیر مقلدین ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کی بعض مشہور عبارتوں سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہر ایک مقلد و غیر مقلد سے، مقتدی ہونا اور ایک دوسرے کی اقتداء کرنا درست و جائز اور ثابت ہے، اور جاحد و جاہد بناء تعصب سے خالی نہیں، یا ماخذ واصل مدعا سے واقف نہیں، یا آیت وسنت سے استدلال کرنے کو عرفان نہیں، بلکہ عاری ہے اور انصاف جاری نہیں اور اعتساف ساری ہے۔ الا ما شاء اللّٰہ فهو على نور و كتاب من ربه"

اسی کی ایک مثال دیہات میں نماز جمعہ کا مسئلہ ہے، مولانا ''جمعہ فی القریٰ'' کے قائل بھی تھے اور اس پر عامل بھی، چنانچہ اس مسئلہ کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"نماز جمعہ مثل پنج گانہ کے فرض ہے، جو شرطیں ان میں ہیں وہ اس میں ہیں، فقط دو خطبوں کی زیادتی ہے، شہر ہو یا دیہات، ہر جگہ بلا شرط شہر و بادشاہ یا اس کے نائب صحیح ہے"۔

یہ فتاوی حضرت مولانا سید محمد امین محدث نصیر آبادیؒ (۱۲۷۵-۱۳۴۹ھ) کے ہیں، نصیر آباد رائے بریلی کا ایک مردم خیز قصبہ رہا ہے، اور مولانا نصیر آبادی اس خطۂ ایمان و عزیمت میں خانوادۂ حسنی کے گل سر سبز قرار دیئے جا سکتے ہیں، آپ کو مولانا سید احسن نصیر آبادیؒ، مولانا عبد القیوم محدث بڑھانویؒ، مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ، مفتی حرمین علامہ سید احمد دحلان اور مولانا عبد الحی فرنگی محلی جیسے اساطین علم و فن سے شرف تلمذ حاصل ہے، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ سے بھی کسب فیض کا تذکرہ ملتا ہے۔

مدرسہ نصیر آباد میں اپنی محدثانہ و فقیہانہ تدریس کے ذریعہ طالبان علوم نبوت کو مختلف علوم و فنون میں فیض پہنچایا، ان کے تلامذہ میں مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوریؒ خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، اسماعیل میرٹھی اور مولانا احمد مدراسی وغیرہ جیسے اصحاب فضل و کمال کے نام سے ملتے ہیں، آپ ایک صاحب تصانیف بزرگ تھے، آپ کی شخصیت فقہ ظاہر اور فقہ باطن کا حسین امتزاج تھی، اس کے ساتھ ساتھ عقائد و اعمال کی اصلاح کا بے نظیر کارنامہ آپ کے ذریعہ وجود میں آیا، جس پر مرشدی مولائی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کی تحریریں گواہ ہیں۔

مرتب فتاوی عزیز گرامی مولوی محمد نجم الدین رحیم الدین ندوی منی پوری "ریسرچ اسکالر مرکز الامام أبی الحسن الندوی، دار عرفات، رائے بریلی" نے یقیناً بڑی محنت، لیاقت اور حسن ذوق کے ساتھ اسے مرتب کیا ہے، قوسین کے ذریعہ فتوی کی زبان کو آسان کرنے اور قابل فہم بنانے میں بھی ان کی سعی قابل تشکر ہے، حوالہ جات کی تخریج کے ساتھ ساتھ وضاحتی حواشی نے کتاب کی اہمیت کو اور بڑھا دیا ہے، یہ حقیر

اس اہم علمی خزانہ کو منظر عام پر لانے اور اصحاب ذوق کی آنکھوں کا سرمہ بنانے کے سلسلہ میں فتاویٰ کے مرتب، اس کے ناشر کو مبارک باد پیش کرتا ہے اور ہم سب کے مخدوم و بزرگ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی متعنا اللہ بطول حیاتہ کا بھی شکر گذار ہے کہ ایسے تمام کاموں کے پیچھے انہیں کی نگاہ التفات کارفرما ہوتی ہے۔

وصلی اللہ علی خیر خلقه محمد وعلی آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم باحسان الی يوم الدين.

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد)

۱۴/ ذیقعدہ ۱۴۳۷ھ
۱۷/ اگست ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفے چند

مذہب اسلام روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا آخری دین ہے، اور قرآن مجید دنیائے انسانیت کی ہدایت ورشد کے لیے نازل ہونے والی آخری کتاب مقدس ہے، اور آخری نبی ورسول پر اتری ہے، اس طرح سے اسلام خاتم الادیان، رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الرسل والانبیاء اور کتاب ہدایت خاتم الکتب ہے۔ حدیث وسنت رسالت پناہی علیہ السلام قرآن کریم کی شارح ہے، اس بنا پر قرآن وحدیث اسلامی احکام کے اساسی سرچشمے ہیں، قرآن مجید اور احادیث شریفہ کے علاوہ جہاں تک اجتہاد اور اجماع کی بات ہے تو انہیں دونوں کے فروعی گوشے ہیں، اس طرح شریعت کے چار مآخذ ہوگئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منزل الیہ کی تبلیغ کا حکم ہے، اور آپ کی امت کا فرض منصبی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، اس کے مختلف اور متعدد شعبہ جات ہیں، جن میں ایک شعبہ ''افتاء'' کا ہے، اور یہ بھی تبلیغ دین، دعوت وارشاد اور اصلاح و تعمیر معاشرہ کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

اسلامی معاشرہ میں افتاء یعنی فتویٰ نویسی کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، اسی اہمیت کی خاطر افتاء کے اصول وقواعد کو باقاعدہ ایک مستقل فن کی حیثیت دی گئی، اور اس فن کو اصطلاحاً رسم المفتی، آداب المفتی کہتے ہیں۔ یہ سلسلہ دور نبوی علیہ السلام سے آج تک جاری ہے، اپنے اپنے وقت اور دور میں علماء وفقہاء اور اصحاب فقہ وافتاء نے اس ذمہ داری کو نبھایا ہے۔ فتاوی رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علامہ ابن قیم حنبلیؒ نے

زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں جمع کیا ہے، فتاویٰ محمدی مع شرح دیوبندی کے نام سے جمع وشرح مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ نے کیا ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب وخطبات کا ایک عظیم سرمایہ کتب حدیث میں موجود ہے، جن کی حیثیت ومقام کسی فتویٰ سے کم نہیں ہے، جن میں شرعی احکام وہدایات اور اسلامی فقہ کے اصول وکلیات بھی پائے جاتے ہیں، ان کی ترتیب وتدوین اور اردو میں ترجمے کا کام متعدد علماء کرام نے کیا ہے، جن میں مولانا عبد القیوم ندویؒ، مولانا سید محبوب رضویؒ (دیوبند) اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ وغیرہ حضرات قابل ذکر ہیں، اور صحابہ کرام کے فتاویٰ کے مجموعے معاجم کی صورت میں جمع وتدوین کا رجحان بڑھتا جارہا ہے، اور متعدد مجموعے اب تک سامنے آچکے ہیں۔ تابعین اور تبع تابعین میں بڑے بڑے اصحاب افتاء تھے، جنہوں نے قرآن کریم، احادیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کے فقہی آثار وافکار اور ان کے فتاویٰ کی روشنی میں تحریری وزبانی فتوے دیے، اور باقاعدہ فقہی مکاتب بھی وجود میں آئے، جن میں چار کو اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت دی، اب یہی چاروں مسالک حق کی پہچان ہیں، اور ائمہ کرام اور ان کے اتباع وانصار نے اپنے اپنے مسلک کے مطابق فتویٰ نویسی کا کام کیا، ہر دور میں فتویٰ نویسی کا یہ سلسلہ جاری رہا، اور فتاویٰ کو مجموعے کی شکل دینے کا سلسلہ بھی برابر چلتا رہا، اگر شمار کیا جائے تو پچاسوں مجموعے نکلیں گے۔

ہمارے برصغیر ہند وپاک کے اصحاب فقہ وافتاء کی کاوشوں پر روشنی ڈالی جائے تو اس کے لیے ہزاروں اوراق ناکافی ہوں گے، مولانا محمد اسحاق بھٹی مرحوم نے ''برصغیر پاک وہند میں علم فقہ'' کے علاوہ ''فقہائے ہند'' کو تیرہ جلدوں میں مرتب کیا ہے، لیکن یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہند متحدہ میں فتویٰ نویسی کا سلسلہ بہت پہلے غالباً چوتھی صدی ہجری سے شروع ہوچکا تھا، تاریخ میں یہاں تک آتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے ''التفرید فی الفروع'' نامی ایک فقہی کتاب تالیف کی، خود بانی سلطنت مغلیہ

بادشاہ ظہیرالدین محمد بابر نے فقہ پر ایک کتاب "المبین" نامی تصنیف کی، اور جب ہندوستان میں آزاد حکومتیں اور سلطنتیں قائم کی گئیں اور مختلف جگہوں پر مساجد و مدارس قائم ہوئے تو علماء کرام نے باقاعدہ افتاء کے فرائض انجام دیے، سلاطین اور امراء ہند کو اسلامی فقہ سے خاص دلی لگاؤ تھا، اس سلسلہ میں انہوں نے بھی اس لگاؤ کا اظہار اس طرح کیا کہ متعدد مجموعہ ہائے فتاویٰ ان امراء اور سلاطین کی طرف منسوب ہیں، مثلاً فتاویٰ فیروز شاہی، فوائد فیروز شاہی، فتاویٰ عادل شاہی، فتاویٰ ابراہیم شاہی، فتاویٰ تاتارخانی، فتاویٰ بابری اور فتاویٰ عالم گیری وغیرہ، اخیر شاہی دور میں فتاویٰ عالم گیری کتاب وجود میں آئی جس پر ہندوستان کی علمی وتمدنی تاریخ نازاں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں جیسے جیسے انگریزوں نے تسلط اور غلبہ حاصل کیا ویسے ویسے ہی فتویٰ کے رواج نے فروغ پایا، اور ان فتووں نے بعض بعض مرتبہ بڑا انقلابی کام کیا، جیسے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ اور اسی طرح ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ۔ ہمارے بہت سے فقہائے کرام ہیں جو فقہ وفتاویٰ کے عنوان سے مشہور ہوئے اور بہت سے تو وہ ہیں جنہوں نے افتاء کا کام کیا لیکن اس عنوان سے وہ مشہور نہیں ہوئے، ماضی قریب میں ہندوستان میں اس عنوان کے لیے بہت سے حضرات مشہور ہوئے، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ، حضرت شاہ اسحاق دہلوی "صاحب مأۃ مسائل ومسائل الاربعین"، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ (فرنگی محل)، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند) مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مفتی امجد علی رضوی، مولانا محمد شبلی فقیہ اعظمیؒ، مفتی محمد سعید ندوی مئویؒ وغیرہ کے نام نمونے کے طور پر ذکر کر دیے گئے ہیں ورنہ بہت سے حضرات ایسے ہیں جنہوں نے اپنے اپنے وقت اور دور میں فقہ وافتاء کے میدان میں بھی سرگرمی دکھائی، جن کی

افادیت کا انکار کرنا ان کی فقہی وافتائی خدمات کی ناقدری سے کم نہیں ہے۔

اسی طرح صاحب مجموعہ حضرت مولانا سید ابوالمحاسن محمد ابین محدث نصیر آبادیؒ کا شمار اپنے دور کے ربانی علماء میں ہوتا تھا، آپ نے دعوت واصلاح کے میدان میں نمایاں کردار ادا کیا، اور لوگوں کی ضرورت کی تکمیل کے لیے فقہی خدمات انجام دیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صاحب مجموعہ اس فن میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے، آپ کے فتاویٰ دیار شرقیہ میں خاص طور سے بڑی اہمیت کے حامل تھے، لیکن زندگی میں فتاویٰ کا کوئی بھی مجموعہ شائع نہیں ہوسکا، بلکہ افسوس کی بات یہ ہے کہ آپ کے بہت سے فتاویٰ ضائع ہوگئے یا ان کو محفوظ کرنے کی فکر نہیں کی گئی، اور متفرق اوراق کا ایک مجموعہ جو مولانا محمد نجم الدین اصلاحیؒ کے پاس تھا، وہی مجموعہ غالباً موجودہ کتاب کی صورت میں ہے۔

راقم سطور کے دل کی گہرائیوں میں استاد گرامی مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی دام ظلہ کے لیے ممنونیت کے جذبات ہیں کہ آپ نے اس کے جمع وترتیب اور تحقیق کا موقع عنایت کیا، آج اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے استاد گرامی کی نگرانی اور مشوروں سے یہ کام پائے تکمیل کو پہنچا اور اب طباعت کے مرحلہ سے گزرنے کے لیے تیار ہے۔ صاحب افادات کی وفات پر قریب قریب سو سال پورے ہونے میں تین چار سال ہی رہ گئے، افسوس اس بات پر ہے کہ دیر سے یہ مجموعہ سامنے آرہا ہے لیکن "كلّ أمرٍ مرهونٌ بأوقاته" خواب نہیں، امر واقعی ہے۔

یہاں یہ بات عرض کردینا مناسب ہے کہ پہلی بار یہ کتاب منظر عام پر آرہی ہے، اس لیے مجموعہ کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کی کوشش کی گئی ہے، اور امکان بھر احتیاط سے کام لیا ہے، مجموعہ کو اسی پہلی شکل میں پیش کرنا مفید نہیں تھا، بایں وجہ کئی طرح سے اس پر توجہ کی ضرورت کو پوری کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تفصیل حسب ذیل ہے:

(ا) سب سے پہلے اس پورے مجموعہ کو ابواب فقہ کی ترتیب پر مرتب کیا گیا، پہلے کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ.....الخ، اور سب سے اخیر میں متفرقات کا باب

رکھا گیا ہے، جس میں تقریباً دس گیارہ سوالات ہیں۔

(۲) فتاویٰ میں وارد قرآن کریم کی آیات کا تعین، سورہ اور آیات کی وضاحت کی گئی۔ اور ساتھ ہی ان آیات قرآنی کے ترجمے بھی دیے گئے تاکہ آیات کا مفہوم سمجھنا آسان ہو جائے۔ اس کے لیے مربع نشان [......] دیا گیا ہے۔

(۳) صاحب افادات کا معمول ہے کہ فتویٰ نویسی میں خاص طور پر ان احادیث کا ذکر کرتے ہیں جن سے فقہی مسئلہ کا استنباط کیا جاتا ہے، ان تمام احادیث شریفہ کی تخریج اور بعض پر تعلیق کر کے مزید وضاحت کی گئی ہے۔

(۴) فتاویٰ میں جن آیات اور احادیث اور فقہی اقتباسات کے ترجمے حضرت مولانا قدس سرہٗ کے قلم سے ہیں ان کو بعینہٖ باقی رکھ کر اگر مزید توضیح کی ضرورت محسوس کی گئی تو اس کو بھی اس افقی نشان (......) کے درمیان پورا کیا گیا ہے۔ اور احادیث اور فقہی عبارات کے ترجمے جو راقم کے ہیں اس کے لیے یہ نشان [......] ہے۔

(۵) جو فقہی اقتباسات یا عبارات مختلف کتابوں کے حوالہ سے درج ہیں، ان کی تحریر میں سہو ہو گیا ہے یا کچھ چھوٹ گیا ہے، یہ غالباً ناقلین فتاویٰ کی غلطیاں یا سہو ہے، اس لیے اصل کتابوں کی مدد سے درست کر دیا ہے۔ اگر کچھ چھوٹ گیا ہے تو پورا کرتے وقت عمودی نشان [......] بنایا گیا ہے، اور توضیحی مقامات پر بیضوی نشان (......) لگایا گیا ہے۔

(۶) تمام مصادر کی طرف براہ راست رجوع کیا گیا ہے، قدیم مطبوعہ نسخوں سے بھی مقابلہ کی ممکن بھر کوشش رہی ہے۔ اس سلسلہ میں مطبع مجتبائی دہلی اور مطبع منشی نول کشور لکھنؤ کی مطبوعات معاون ثابت ہوئے۔

(۷) بہت سے مقامات پر حواشی لکھے گئے تاکہ مسئلہ کی وضاحت اچھی طرح ہو جائے، نیز تمام عنوانات از آغاز تا انتہا راقم ہی کے ہیں۔

(۸) عصر حاضر کے ذوق کے مطابق املا میں تبدیلی کرنی پڑی، مثلاً ''اوس'' کو

اس، ''اون'' کوان، ''ضرور'' کوضروری وغیرہ، اور جملہ کوصحیح ساخت پر رکھنے کے لیے کلمات والفاظ میں تقدیم وتاخیر سے بھی کام لیا گیا ہے۔ فتاویٰ میں سطر بندیاں نہیں تھیں کہ عبارتوں کے آغاز واختتام کا پتہ چلتا، اس لیے سطر بندیاں کی گئیں تا کہ قاری کو پڑھنے اور مطالعہ کرنے میں کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔

(۹) صاحب افادات اور ان کے احوال وآثار پر ایک جامع اور مختصر تذکرہ کا اضافہ کیا گیا ہے، جس میں صاحب افادات کی علمی، دعوتی واصلاحی نیز فقہی وافتائی خدمات کوخوش اسلوبی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۱۰) فتاویٰ میں مذکور تمام اعلام خواہ وہ محدثین کے گروہ سے تعلق رکھتے ہوں یا فقہائے امت کے گروہ سے، حواشی میں یا اخیر میں نہایت مختصر اور جامع تعارف اور اسی طرح سے ان کتابوں کے مختصر تعارف کے شامل کرنے کا بھی ارادہ تھا جن سے احادیث مبارکہ اور شروح اور فقہی عبارات لی گئی ہیں، لیکن مجموعہ کی ضخامت کو دیکھ کر ارادہ ترک کرنا پڑا۔ واضح رہے کہ جو حوالے صاحب افادات کے ہیں ان کو متن سے نکال کر حاشیہ میں جگہ دی گئی تا کہ الجھن کا باعث نہ ہو، اس کو مثلاً اس طرح دیا گیا: شرح الوقایہ، کتاب الصلوٰۃ: ۱/ ۲۶، حوالہ از صاحب فتاویٰ۔

(۱۱) فتاویٰ کے اس سرمایہ کا نام غالباً مولانا نجم الدین اصلاحی مرحوم نے مجموعۃ الفتاویٰ رکھا تھا، اسی نام کو باقی رکھا گیا ہے۔

(۱۲) خوش قسمتی سے ایک فارسی مکتوب دستیاب ہوا، جس سے صاحب فتاویٰ کا مسلک نمایاں ہوتا ہے، کتاب کے اخیر میں اس کا اردو ترجمہ بھی شامل کرلیا گیا ہے۔

راقم سطور اس موقع پر خاص طور سے مخدوم ومکرم استاد گرامی قدر منبع علم وحکمت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی بارک اللہ فی عمرہ ودامت فیوضہ وبرکاتہ کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہے کہ آپ نے گوناگوں ذمہ داریوں اور مصروفیتوں کے باوجود گراں قدر تحریر عنایت فرمائی جو کتاب کی زینت اور راقم کے لیے باعث سعادت

ہے، اور برصغیر کے معروف عالم دین وفقیہ جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جنہوں نے راقم کی فرمائش پر ایک قیمتی مقدمہ عنایت کیا جو کہ کتاب کے لیے سند کی حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح اپنے تمام اساتذہ کرام بالخصوص اساتذہ فقہ وتدریب افتاء (مفتی سید مسعود حسن حسنی ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا عبدالسبحان ندوی مدنی اور مولانا قاری طٰہٰ اطہر خالدی ندوی) کے لیے راقم کا دل شکریہ کے جذبات سے معمور ہے، اسی طرح استاذ گرامی قدر مخدومی مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی بارک اللہ فیہ ونفع بہ الامۃ کا صمیم قلب سے ممنون ومشکور ہے، جنہوں نے یہ مکلومہ عنایت کر کے اسلاف شناسی کا جذبہ پیدا کیا، جزاہ اللہ أحسن الجزاء فی الدنیا والآخرۃ۔ اخیر میں والدین ماجدین بارک اللہ فی حیاتھما ومد ظلہما کی یاد آگئی جن کے احسانات اور مہربانیوں سے کبھی بھی سبک دوش نہیں ہوسکتا، اللھم ربّ ارحمھما کما ربّیانی صغیراً (اے اللہ! اے میرے پروردگار! میرے ماں باپ پر رحم وکرم کا معاملہ فرما، جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا، اور تربیت فرمائی) آمین۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ان تمام معاونین کا اعتراف نہ کیا جائے جنہوں نے اس کتاب کو منظر عام پر لانے میں اپنا گراں قدر تعاون کسی بھی شکل میں پیش کیا ہے، بالخصوص مولانا محمد نفیس خاں ندوی، مولانا محمد مکی حسنی ندوی اور برادرم مولوی محمد ارمغان ندوی کے تعاون کا شکریہ، اول الذکر کی طباعتی واشاعتی مرحلہ کے علاوہ بعض مقامات میں رہنمائی حاصل رہی اور ثانی الذکر جناب مکی صاحب نے کتاب کے لیے ایک دیدہ زیب سرورق اور آخری صفحہ تیار کیا، ارمغان سلمہ کا بھی بھرپور تعاون رہا۔ جزاہم اللہ أحسن الجزاء۔

راقم سطور کی یہ پہلی کاوش ہے، یہ انسانی کاوش اور محنت کا ثمرہ ہے، لیکن بہت ممکن ہے کہ اس میں کمی اور کوتاہی نظر آئے، کیونکہ انسان غلطی اور بھول چوک کا پیکر

مجسم ہے، اور یہ اس کی صفت لازمی ہے، اس لیے راقم دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اغلاط سے کتاب محفوظ ہو، البتہ قارئین اور اصحاب علم ومطالعہ کی خدمت سے امید ہے کہ کتاب میں کسی طرح کی کوئی فرگذاشت نظر آنے پر ضرور اطلاع دیں گے، یا پھر "والعفو عند كرام الناس مقبول" ایک صداقت اور حقیقت ہے۔ بارگاہ الٰہی میں سر بسجود ہوں کہ اس کو نافع اور مفید بنائے، صاحب افادات قدس سرہ کے لیے صدقہ جاریہ اور اس بندۂ عاجز وناتواں کے لیے ذخیرۂ آخرت۔ آمین

محمد نجم الدین رحیم الدین ندوی

۲۱/شوال المکرم ۱۴۲۷ھ　　دار عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[مدرسۂ نصیر آباد کے آخری صدر نشیں و روح رواں اور تحریک شہیدین کی آخری یادگار]

حضرت مولانا سید محمد امین حسنی محدث نصیر آبادیؒ

احوال و آثار، خدمات و تصانیف، خاندان، اساتذہ اور تلامذہ۔۔ایک مختصر تذکرہ

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ أمابعد!

ہندوستان میں آزادی کی عمومی پہلی لڑائی اٹھارہ سوستاون میں لڑی گئی، اور اس کا انجام اور نتیجہ تباہی و بربادی اور مظلومیت کی صورت میں رونما ہوا، اور اہل اسلام کے لیے استقبالی دور تاریک اور خوفناک نظر آنے لگا تھا، علمائے کرام اور مفتیان عظام کی ایک بہت بڑی تعداد بے جگری اور بے دردی کے ساتھ شہید کی گئی اور ایک بڑی تعداد کو پھانسی دی گئی، اور نسل تیمور کی جاہ وجلال اور قیادت و سیادت اب خاک و خون کی تن بے جان تھی، اور صلیب کے پجاریوں نے ظلم وستم اور بربریت کا ایک نہ ختم ہونے والے سلسلے کا آغاز کر دیا تھا، اہل اسلام کی عزت و آبرو اور مال و دولت انہی کے ہاتھوں سے نکل کر دوسرے کے قبضے میں تھی، اسی پر بس نہیں کیا بلکہ وہ دین وایمان کے درپے ہو گئے، اور ایک منصوبہ بند طریقہ پر ایمان و اسلام پر حملہ کرنے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکہ ڈالنے لگے، اور پورے ملک میں مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی تفریق کئے بغیر عیسائیت وصلیبیت کی دعوت و تبلیغ فرنگی حکومت کے سایے میں بہت ہی زور وشور سے تھی، اور اہل نصاریٰ کے لیے دین و مذہب اسلام سے دنیا کی حقیر چیزوں کے ذریعہ محروم کرنا نہایت آسان بن گیا۔ ایسے حالات تھے کہ خانوادۂ نبوت میں سادات حسنیہ کے گہوارہ نصیر آباد سے رشد و ہدایت کا ماہتاب دنیائے انسانیت کو منور کرنے کے

لیے طلوع ہوا، جن کے انوارِ ظاہری اور باطنی سے ایک عالم کو ہدایت ملی، اور پورے ملک میں بالخصوص مشرقی اضلاع میں آج بھی عمومی طور پر اثرات پائے جاتے ہیں۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ یہ وہ صحابی ہیں جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سترہ غزوات میں حصہ لیا، آپ سے ایک حدیث ایسی مروی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم ان کو مضبوطی سے تھامے رہو تو میرے بعد گمراہ نہ ہوگے، ایک اللہ کی کتاب ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی اللہ کی رسی ہے، اور دوسرے اہل بیت۔ (ترمذی)

حدیث شریف میں ہے کہ صحابہ کرام ستاروں کی طرح اور اہل بیت سفینۂ نوح کی مانند ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہدایت کے یہ ستارے دنیائے زمین میں ہدایت اسلام اور اصلاح امت کے لیے پھیل گئے، ان کی آل واولاد بھی اعلائے کلمۃ الحق اور اشاعت دین کے لیے مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں پھیل گئے، اور خاندان نبوت کا ایک بڑا حصہ ہندوستان وارد ہوا، اور مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادیؒ کے جد امجد جو سب سے پہلے ہندوستان وارد فرما ہوئے وہ امیر کبیر تھے۔

امیر کبیر سید قطب الدین محمد بن احمد المدنی کی برصغیر ہند آمد

امیر کبیر شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد بن احمد المدنی قدس سرہ نے رویائے صادقہ اور بشارت نبوی علیہ السلام سے ہندوستان کا رخ کیا تھا اور یہاں کے اہل کفر و شرک سے جہاد کیا تھا، شیخ الاسلام کا نسب عالی مقام نواسۂ رسول حضرت حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے ملتا ہے، ہند آکر آپ نے کڑہ (الہ آباد، مشرقی یوپی) میں طرح اقامت ڈالی، آپ کی وفات کڑہ میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ (۱)

---

(۱) تاریخ آئینہ اودھ از مولوی سید ابوالحسن مانک پوریؒ، ظہور قطبی، نزہۃ الخواطر، تذکرۂ شاہ علم اللہ، تاریخ فرشتہ، تاریخ فیروز شاہی جیسی کتابوں میں امیر کبیر کا تذکرہ ایجاز واطناب دونوں طرح سے موجود ہے، ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی مرحوم کی کتاب "سوانح شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد المدنی" بھی قابل مطالعہ ہے۔

آپ کے مزار میں سنگ مرمر کا ایک کتبہ لگا ہوا ہے جس کی پیشانی پر امیر کبیر کا اسم گرامی، سال ولادت اور سال وفات کندہ ہے اور اخیر میں چھ سو سال بعد آپ کی جانشینی کے فرائض انجام دینے والے فرزند ارجمند مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کی تاریخ وفات کندہ ہے تاکہ زائرین یہ پیغام لے کر جائیں کہ آج بھی ان کی تحریک کا سلسلہ قائم ہے، اب اس کی قیادت وسیادت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی بارک اللہ فی عمرہ فرما رہے ہیں۔ امیر کبیر کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت دی، اور مختلف مقامات میں جا بسیں، اور نصیر آباد اور جائس اور تکیہ کلاں میں آج تک بڑی تعداد میں سلسلہ جاری رہا، اور اب تکیہ کلاں ہی سادات حسنی کا سب سے بڑا مرکز ہے۔

امیر کبیر کی نسل میں قاضی سید احمد تھے جو پرگنہ نصیر آباد کے قاضی تھے، قاضی صاحب کے دو پوتے تھے ایک قاضی سید اسحاق اور دوسرے قاضی سید محمد فضیل۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کی اولاد میں بڑی برکت عطا فرمائی، قاضی سید معظمؒ بن قاضی سید احمدؒ کی نویں پشت میں حضرت مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادیؒ پیدا ہوئے، قاضی سید محمد اسحاق نصیر آبادیؒ کے بھائی قاضی سید محمد فضیل نصیر آبادیؒ کے صاحبزادۂ عالی مقام امام الاولیاء حضرت شاہ سید علم اللہ حسنی قدس سرہ تھے، آپ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے خلیفہ اجل حضرت سید آدم بنوری قدس سرہ کے سب سے بڑے خلیفہ تھے، آپ کے صاحبزادگان اور حضرت شاہ ابو سعید قدس سرہ اور مولانا سید محمد واضح محدث حسنیؒ اور مولانا سید قطب الہدیٰ محدث حسنیؒ اور ان سب سے بڑھ کر امیر المجاہدین امام سید احمد شہیدؒ ہیں، جن کی وجہ سے برصغیر ہند و پاک اور بنگالہ و برہما میں ایمان کی باد بہاری ایسی چلی کہ تاریخ نے اس کو ہمیشہ کے لیے اپنے سینے میں محفوظ کر لیا۔ اور اخیر زمانہ میں حضرت مولانا سید محمد ظاہر فقیہ قدس سرہ، حضرت شاہ ضیاء النبی رائے بریلویؒ، مولانا سید محمد عرفان ٹونکیؒ اور مولانا سید محمد طلحہ حسنیؒ تھے اور اب قافلہ سالار ملت استاد گرامی قدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی اور نامور

اسلامی مفکر مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی دام ظلہ ہیں۔

قاضی سید محمد اسحاق نصیر آبادیؒ کی اولاد میں بھی ایسے ایسے افراد پیدا ہوئے کہ جنہوں نے علم وفضل اور ادب، علوم ظاہری اور باطنی میں اپنا لوہا منوایا، اور اس کے ساتھ ساتھ اصلاح عقائد اور اصلاح اعمال اور دعوت وارشاد کا کام کیا، اور بعد میں اس تحریک کو بھی آگے بڑھایا جس کو امام سید احمد شہیدؒ نے عمومی طور پر پورے ہندوستان میں چلائی، ان میں حضرت مولانا سید خواجہ احمد دیوان قدس سرہ، علامہ سید عنایت اللہ خاں بہادر فیروز جنگ صدر الصدور امور مذہبی، وزیر اوقاف شاہجہانی، قطب الارشاد حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ، مولانا سید محمد یاسین نصیر آبادیؒ، میر سید عبد العلی نصیر آبادیؒ، حکیم سید فخر الدین خیالی، مولانا سید محمد حسین نصیر آبادیؒ، مورخ اسلام علامہ سید عبد الحی حسنیؒ، مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنیؒ، مفکر اسلام مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ اور فقید الاسلام مولانا سید محمد الحسنیؒ بانی ''البعث الاسلامی'' داعی اسلام مولانا سید عبد اللہ حسنی ندویؒ اور خود مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادی قدس سرہ تھے، اور اب استاد گرامی ومربی داعی احسان مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی بارک اللہ فی عمرہ ہیں۔

نصیر آباد میں سادات کی آمد اور قیام

سادات قطبیہ کی یہاں آمد سے پہلے غالباً سادات نجمیہ روافض بڑی تعداد میں آباد تھے، دوسری برادریاں بھی آباد تھیں، امیر کبیر کی نویں پشت میں قاضی سید قطب الدین محمد ثانی جو جائس کے قاضی تھے، قاضی سید محمودؒ عہد سلطان سکندر شاہ شرقی پرگنہ نصیر آباد کے قاضی مقرر ہوئے، جس محلہ میں رہتے تھے اس کا نام ہی قضیانہ پڑ گیا، آپ نے یہیں بود وباش اختیار کی اور وفات پائی اور باغِ قاضی میں مدفون ہوئے، قاضی سید محمودؒ کو اللہ تعالیٰ نے دو فرزند قاضی سید محمدؒ، قاضی سید احمدؒ عطا فرمائے، فرزند اول نے باپ کی جانشینی کی، اور ۲۷ رسال تک عہدۂ قضاء پر فائز رہے اور ۸۹۵ھ، میں وفات پائی، آپ کے بھائی قاضی سید احمد ۸۹۵ھ، میں ان کی وفات کے بعد مسند

قضاء وعدالت پر فائز ہوئے، آپ کمال تقویٰ واحتیاط، دینی حمیت اور ادب شریعت میں ممتاز مقام رکھتے تھے، ۹۳۵ھ، میں نصیرآباد میں ملأ اعلیٰ سے جا ملے، دونوں کی اولاد نصیرآباد میں رہی، اور بعد میں قاضی سید محمدؒ کی اولاد متفرق مقامات میں پھیل گئی، قاضی سید احمدؒ کے اولاد واخلاف میں سے ایک بڑا حصہ ۱۱رویں صدی میں رائے بریلی شہر اور تکیہ کلاں میں منتقل ہوگیا، اور مولانا سید محمد امین حسنی نصیرآبادیؒ کے بعد اب تکیہ کلاں ہی سادات حسنی کا سب سے اہم اور مرکزی مسکن ہے۔

قاضی احمدؒ کے دو پوتے قاضی سید اسحاقؒ اور قاضی سید فضیلؒ ہوئے، ثانی الذکر کے دولڑکے ہوئے ایک شاہ سید داؤد، اور شاہ داؤد کی اولاد خالص ہاٹ رائے بریلی میں قیام پذیر ہوئی، اور دوسرے شاہ علم اللہ خلیفہ حضرت سید آدم بنوریؒ، اور آپ کی اولاد نے تکیہ کلاں رائے بریلی میں سکونت اختیار کرلی، اور آج بھی تکیہ کلاں ہی میں آباد ہیں۔ قاضی سید اسحاق کے تین لڑکے تھے، (۱) حضرت خواجہ سید احمد دیوانؒ (۲) مولانا علامہ سید ہدایت اللہ (۳) سید تاج الدین۔ مولانا سید محمد امین حسنی نصیرآبادیؒ علامہ سید عنایت اللہ خاں کی آٹھویں پشت پر تھے۔

علامہ ہدایت اللہ خاں کے دو صاحبزادے (۱) مولوی سید امین اللہ، اور (۲) سید عبدالرحیم شہید تھے، ثانی الذکر کے فرزند مولوی سید محمد تقی کے پڑپوتے سید زین الدین احمد نصیرآبادیؒ کے دو لڑکے (۱) مولانا سید طہٰ (۲) مولوی سید عبدالغنی تھے، مولانا سید طہٰ (مقیم سرونج ریاست ٹونک)، مولانا سید محمد امین حسنی نصیرآبادی قدس سرہ کے والد بزرگوار ہیں۔ مولانا کے علاوہ آپ کے دو فرزند اور تھے، (۱) مولانا حکیم سید محمد متینؒ (۲) ڈپٹی حافظ سید عبدالستار نصیرآبادیؒ۔

ولادت اور تعلیم وتربیت

حامی سنت، ماحی بدعت، قطب الارشاد مولانا سید محمد امین نصیرآبادیؒ کی ولادت باسعادت دوشنبہ کے دن ۹؍ ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ کو گہوارۂ سادات نصیرآباد میں ہوئی، اور

عہد شیر خوارگی کے دو ماہ بھی نہیں گذرے تھے کہ شفقت پدری کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والد مولانا سید طہٰ نصیر آبادیؒ نے آپ کے علاوہ دو بھائی اور چھوڑے، ایک مولانا حکیم سید محمد متینؒ اور دوسرے حافظ سید عبد الستارؒ۔ مولانا امینؒ کی تعلیم و تربیت کا انتظام آپ کی والدہ محترمہ نے کیا، اور بڑے بھائی نے بھی تعلیم و تربیت میں حصہ لیا، مولانا کی پرورش ایسی ناز و نعمت کے ساتھ ہوئی کہ احساس یتیمی تک نہ ہو سکے، شروع ہی سے لکھنے پڑھنے کا فطری ذوق تھا، دوسرے بچوں کو لکھتے پڑھتے دیکھ کر خود بھی قلم کاغذ لے کر بیٹھ جاتے، اس فطری شوق و ذوق کو دیکھ کر ایک استاد مولانا کی تعلیم کے لیے مقرر کیا گیا، اور معمولی نوشت و خواند کے بعد حافظ جان محمد صاحبؒ سے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا اور ایک سال کی مدت میں ہی حفظ کی سعادت حاصل کر لی، محراب بھی سنایا، اور اس کے ساتھ ہی فارسی کی تعلیم جاری رکھی، اور جلد ہی فارسی زبان و ادب میں پوری صلاحیت اور قابلیت پیدا کر لی، علوم منقول و معقول کی تحصیل اساطین علم و ادب اور ماہرین علوم و فنون سے کی، آپ کے اساتذہ کرام میں حجۃ الاسلاف حضرت سید خواجہ احمد نصیر آبادی قدس سرہ، مولانا محمد عبد اللہ چھپرویؒ شاگرد علامہ مفتی محمد یوسفؒ، مولانا محمد شبلی جونپوری بن حضرت مولانا سخاوت علی جونپوریؒ مہاجر مکہ، حضرت مولانا سید احمد حسنؒ، فقیہ الہند علامہ عبد الحی لکھنویؒ جیسے نابغہ روزگار علمائے امت تھے، تکمیل کے بعد مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ سے تبرکاً صحاح ستہ کی چند کتابیں پڑھ کر اجازت حدیث حاصل فرمائی، اور ان حضرات اکابر کی خدمت میں حاضری دے کر اجازت حدیث اور سند علوم کو شہادات کو عالی بنایا، حضرت مولانا عبد القیوم محدث بھوپالیؒ خلف الصدق حجۃ الاسلام مولانا عبد الحی بڑہانویؒ، حضرت مولانا بشیر الدین بن مولانا محمد کریم الدین عثمانی قنوجیؒ اور حضرت شاہ محمد محدث مہاجر مکہ تلمیذ حضرت علامہ شاہ اسحاق محدث دہلویؒ، صاحب نزہۃ الخواطر علامہ سید عبد الحیؒ نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ سے بھی سند حدیث حاصل فرمائی۔ اور

حضرت شاہ ضیاء النبی رائے بریلوی قدس سرہ سے بیعت وسلوک کے تمام مراحل طے کیے، اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ مولانا سید محمد ثانی نے مولانا سید محمد امینؒ کے تذکرہ میں آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد احسن نصیر آبادیؒ کا ذکر کیا ہے، (۱) جب حجاز مقدس حج وزیارت کے گئے تو وہاں کے علماء ومشائخ سے استفادہ کیا بالخصوص شیخ الاسلام علامہ سید احمد دحلانؒ سے چند کتابیں پڑھیں، یادگار سلف میں مہر جہاں تاب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حکمت وطبابت کی تعلیم وتربیت استاد الاطباء حکیم مظفر حسین لکھنوی دروغہ شاہی شفاخانہ لکھنؤ سے پائی، مولانا سید محمد امینؒ نے بیس سال کی عمر میں سنہ ۱۲۹۶ھ، میں درسیات کی تکمیل کی، اور مزید چند سال اور مشہور اساتذہ سے علوم وفنون میں تبحر پیدا کیا، جبکہ آج کا حال یہ ہے کہ رسمی تکمیل کے بعد ماہر اساتذہ کی خدمت میں رہے اور تجربہ حاصل کیے بغیر درس وتدریس کی راہ میں قدم رکھتے ہیں، اور تعلیم وتربیت کی تدریب اگر حاصل کرلیں تو ایک خاص نقطہ نظر سے جس کا نتیجہ ثمر آور نہیں ہوتا، کاش تبحر علمی اور تعلیمی تربیت حاصل کرنے کے بعد درس وافادہ کے میدان میں آتے، اور اسلاف کے طریقہ پر گامزن ہوتے، تو آج بھی حقیقی معنیٰ میں ماہرین علوم اسلامی اور اساطین علوم وفنون پیدا ہوسکتے ہیں۔

تعلیم وتدریس

حضرت مولانا سید امین نصیر آبادی سند فراغت کے بعد اپنے وطن نصیر آباد آگئے تھے، اگر مولانا علیہ الرحمہ چاہتے بڑی بڑی جگہوں میں ملازمت اختیار کرسکتے تھے، بالخصوص ریاست ٹونک میں بڑے عہدہ پر فائز ہوکر رہ سکتے تھے، آپ کے والد ماجد مولانا سید محمد طہٰ نصیر آبادیؒ سروبخ ریاست ٹونک میں کسی بڑے عہدہ پر رہ چکے تھے، اور آپ کے برادر ڈپٹی حافظ سید عبد الستار حافظ نصیر آبادیؒ بڑے سرکاری عہدہ پر فائز تھے لیکن مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ نے اپنے لیے درس وتدریس کی راہ کو اختیار کیا، بلکہ

(۱) خانوادۂ علم اللہی: ۲۴۳، بار اول ۱۴۲۶ھ-۲۰۰۵م، سید احمد شہید اکیڈمی دار عرفات

صحیح بات یہ ہے کہ مولانا علیہ الرحمہ نے عہد طالب علمی سے درس اسباق شروع فرمادیا تھا(۱) اور مولانا علیہ الرحمہ نے عمر کا ایک بڑا حصہ درس وافادہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس زمانہ میں زیادہ تر مشاہیر علمائے اسلام اپنی اپنی جگہ پر مسند درس وافادہ کی زینت ہوا کرتے تھے، اور یہی اس عہد کے مدارس وجامعات تھے، حضرت سید نصیر آبادیؒ نے مدرسۂ نصیر آباد میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، آپ کی شہرت، علمی اور عملی مقام ومرتبہ کے بارے میں سن سن کر طالبان علوم نبوت دور دور سے آتے رہتے تھے، اور ان سب کو علم وعمل اور رشد وہدایت کی تعلیم دیتے تھے، علوم آلیہ ومتداولہ منطق وفلسفہ اور نحو وصرف، اور زبان وادب کی تدریس وتعلیم میں بڑی مہارت رکھتے تھے، آپ کو بالخصوص فن نحو اور صرف کی تعلیم کا خاص ملکہ تھا، زیادہ تر مشق وتمرین سے تمام مسائل نحویہ محفوظ کرانے کی سعی جاری رکھتے، مثالیں زیادہ تر قرآن پاک واحادیث واہل عرب کے بلیغ وفصیح کلام سے پیش فرمایا کرتے، منطق کے مسائل عام بول چال میں ذہن نشیں فرمادیتے، شرح جامی اور شرح تہذیب وفصول وغیرہ کتابیں آپ اس انداز میں پڑھاتے تھے کہ طلبہ کی نوک زبان رہتی تھیں، علم الکلام وعقائد اور اصول کے مسائل بالخصوص تفسیر وحدیث اور فقہ اسلامی میں آپ کو امتیازی مقام حاصل تھا جس کی نظیر مشکل سے مل سکتی ہے، آپ تمام اعتقادی وفقہی مسائل کو کتاب وسنت سے تطبیق دیا کرتے تھے، ہر چیز کو علم وتحقیق کی نظر سے دیکھتے تھے، وہ اس سلسلہ میں اپنے استاد عالی مقام علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ کے نقش قدم پر تھے۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ تعلیم وتدریس میں صرف کیا، آپ طلبہ کو نہایت عزیز رکھتے تھے، طلبہ کا اس قدر خیال فرماتے کہ راتوں کو طلبہ جب مطالعہ کرتے تو آپ برابر موجود رہتے اور جب تک مطالعہ یا اسباق

---

(۱) علامہ عبدالحی فرنگی محلی لکھنویؒ اگر کسی سفر پر ہوتے تو آپ کو اپنی جگہ بٹھا جاتے تھے، آپ اپنے استاد ذی مرتبت کی جگہ پر درس دیتے تھے، جیسا کہ مولانا اصلاحیؒ نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا ہے۔ دیکھیے یادگار سلف/۴۳، معارف پریس اعظم گڑھ

مکمل نہ ہوجاتے آپ سکون کی سانس نہ لیتے تھے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ علماء وفضلاء کی بھی ایک بڑی تعداد ہوگی، جنہوں نے آپ کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کیا ہوگا، یہی نہیں حفاظ کی بھی ایک بڑی تعداد رہی ہوگی، لیکن اس دور کے علمائے کرام کی طرح شاگردوں کی تفصیلات کم ہیں کہ آپ کے شاگردوں کی کیا تعداد ہے؟ اور کہاں کہاں کے تھے؟ کون کون سی کتاب حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ سے پڑھی؟ اس کو یقین کے ساتھ کہنا مشکل ہے، کیونکہ تلامذہ کے سلسلہ میں معلومات کمیاب ہیں، مولانا محمد نجم الدین اصلاحیؒ نے ایک مختصر فہرست آپ کے شاگردوں کی تیار فرمائی ہے، یہاں ان کے نام درج ہیں، اس فہرست سے معلوم ہوجائے گا کہ مولانا علیہ الرحمہ کس مقام بلند پر قائم تھے۔ اور مولانا نصیر آبادیؒ کی ذات عالی پر یہ مثل کس قدر سچ ہے کہ ''درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے'':

(۱) مولوی ناصر الدین مولوی فصیح الدین مرادآبادی (۲) مولوی خدا بخش چھپرویؒ (۳) مولانا عبد الخالق موحد رائے بریلویؒ [مرتب: گلزار احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم] (۴) مولانا عبد الکریم محدث جائسیؒ (۵) مولوی رشید احمد مدراسی (۶) مولوی ملا محمد بنگالی محمدی (۷) مولوی منصب کچھوچھوی (۸) مولانا محمد فاروق جون پوریؒ (۹) مولانا فرخ سیر صاحبؒ (۱۰) مولانا حافظ ابو بکر محمد شیث جون پوریؒ [نبیرۂ حضرت مولانا سخاوت علی جون پوریؒ مہاجر مکہ مکرمہ، وسابق ناظم دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ] (۱۱) مولانا حافظ احمد اللہ پرتاب گڑھیؒ [سابق محدث کبیر دار الحدیث رحمانیہ دہلی] (۱۲) مولانا شاہ عبد الغنی پھول پوریؒ [خلیفہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ] (۱۳) مولانا ریاست علی چھانویؒ [صاحب مفید الانام فی ذکر سید الانام] (۱۴) مولانا عبد الحی راجہ پور سکرور (۱۵) مولانا ہدایت اللہ پنجابی (۱۶) مولانا ملا عین الدین ولایتی افغانی (۱۷) مولانا ابو البرکات عبد العزیز دبیر انجمن اہل حدیث (۱۸) مولوی محمد فاروق سرکنڈی ضلع سلطان پور (۱۹) مولانا سید حسن بانس بریلی (۲۰) مولوی لطف اللہ ساکن

بہار موضع توڑا (۲۱) مولوی عبد اللطیف ملکی چک بہار (۲۲) مولانا محمد عمر [مؤلف دمغ الباطل علی ادبار اھل العاطر] (۲۳) مولانا محمود حسن غزنویؒ (۲۴) مولانا محمود الحسن ملکی چک (۲۵) جناب سید مہدی حسن (۲۶) مولانا اسماعیل میرٹھی [مشہور و معروف اردو ادیب، ماہر تعلیم و ادب اطفال کے ایک اہم ستون] (۲۷) مولانا عبد الکریم سہارن پوریؒ مہاجر مکہ مکرمہ (۲۸) مولوی احمد مندرراز (۲۹) مولانا محمد یوسف ضلع ہردوئی (۳۰) مولانا محمد یوسف انصاری فرنگی محلیؒ داماد و تلمیذ علامہ عبد الحی فرنگی محلیؒ (۳۱) مولانا حافظ محمد حسن سہسرامیؒ [نفحة الغمائم لكشف مافي نفحة الشمائم، تذكرة العمائم لاولى العزائم] (۳۲) مولانا عنایت اللہ سید ہا سلطان پور، اعظم گڑھ (۳۳) مولانا سید عبد المعبود نصیر آبادی (۳۴) مولانا محمد انور خواجہ شکار پور ضلع سہارن پور متعلقین مولانا احمد صاحب سہارن پوریؒ (۳۵) مولانا احمد مدراسی (۳۶) مولانا عبد العزیز پرور ضلع سلطان پور۔

اس مختصر سی فہرست میں ناموں کے اضافہ کی گنجائش ہے، جو اپنے عہد میں تعلیم و تدریس اور اصلاح امت کی فکر میں باہمہ تن و جان لگے رہے، اور آپ کی چلائی ہوئی اصلاحی و دعوتی تحریک کو بطور امانت اگلی نسل تک پہنچایا، جیسے مولانا منیر احمد پٹمائیؒ [بانی وایڈیٹر ''الفلاح'' پرتاب گڑھ] قاضی سید فضل الرحمن حسنی عرف مٹھن میاں مرحوم، اور مولانا محمد سعید نصیر آبادیؒ جنھوں نے حضرت نصیر آبادیؒ کی تحریک دعوت و اصلاح اور تربیت کو آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد آگے بڑھایا، مولانا محمد شفیع سرائے میریؒ بانی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اور مولانا شاہ محمد احمد پھول پوریؒ بھی حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ سے خصوصی استفادہ کرنے والوں میں سے تھے۔

بیعت و سلوک اور اجازت

صغر سنی سے ہی حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ کو بزرگان دین اور اولیائے

عظام سے محبت ولگاؤ تھا، کیوں نہ ہو آپ کا پورا خانوادہ علم وفضل کے ساتھ للہیت وربانیت میں اعلیٰ مقام کا حامل تھا، اور ساتھ ہی ماضی قریب میں اسی خانوادہ کے ایک بطل عظیم کے ذریعہ ایمان وعمل کی باد بہاری چل چکی تھی، اور قافلۂ باد بہاری کے افراد اور راہروان اور ان کے خلفاء ابھی موجود تھے، آپ کے خاندان میں قطب الارشاد حضرت سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ ابھی حیات تھے، آپ نے سفر سلوک ومعرفت کا آغاز حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی قدس سرہ کی خانقاہ عالیہ سے کیا، یہ زمانہ آپ کی عربی تعلیم کا تھا اور تکمیل درسیات کے بعد سلوک ومعرفت کے امام حضرت سید شاہ ضیاء النبی نقشبندی مجددی رائے بریلوی (۱) سے بیعت ہوئے، اور انہی سے آپ کو خلافت واجازت بھی حاصل ہوئی، اور حضرت خواجہ فیض اللہ اورنگ آبادیؒ [قصبہ بجنور ضلع لکھنؤ، خلیفۂ حضرت سید خواجہ احمدؒ] (۲) سے بھی فیض اٹھایا اور اجازت بھی حاصل ہوئی، اس طرح آپ سلسلہ سلوک میں تین سلاسل سے وابستہ تھے، اور جملۂ سلاسل میں بیعت وسلوک کی اجازت حاصل تھی، آپ کا پہلا سلسلۂ بیعت حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی قدس سرہ کے واسطہ سے ہے کہ چودہ پندرہ سال کی عمر میں حضرت خواجہ قدس سرہ سے بیعت ہوئے، اور اجازت بھی دے دی گئی، یہ قلیل الوسائط سلسلہ ہے، وہ اس طرح ہے کہ ان کو مولانا سید خواجہ احمد صاحبؒ سے اور ان کو حضرت مولانا سید محمد بن اعلیٰ نصیر آبادیؒ سے اور ان کو امام رشد وہدایت، رہبر راہ محبت، شمع بزم معرفت امام ربانی سید احمد شہید سے اور ان کو حجۃ اللہ فی الارض حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی قدس سرہ سے، اس طرح اخیر تک یہ سلسلہ ہے۔ دوسرا سلسلہ حضرت خواجہ اورنگ آبادی قدس سرہ سے ہے، اور ایک آخری سلسلہ ہے جس سے آپ کی شہرت ہوئی، اور یہ سلسلہ حضرت

---

(۱) آپ کے تذکرہ کے لیے مہر جہاں تاب مخطوطہ غیر مطبوعہ از مولانا سید فخر الدین خیالیؒ، نزہۃ الخواطر، کاروان ایمان وعزیمت اور خانوادۂ علم اللہی کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۲) آپ کے احوال وکیفیات کے لیے کاروان ایمان وعزیمت، نزہۃ الخواطر کی طرف رجوع کریں۔

شاہ سید ضیاء النبی رائے بریلوی قدس سرہ کا ہے، آپ کو حضرت خواجہ نصیر آبادیؒ اور خواجہ فیض اللہ اورنگ آبادی قدس سرہ دونوں سے اور ان کو مولانا سید محمد یاسین نصیر آبادیؒ سے اور حضرت شاہ یار محمد صاحبؒ سے اور دونوں کو حضرت سید شاہ نجم الہدیٰ نصیر آبادیؒ سے اور ان کو حضرت شاہ محمد یحییٰ جائسیؒ سے اور ان کو قطب دائرہ ولایت حضرت سید شاہ محمد عدل عرف حضرت شاہ لعل قدس سرہ اور ان کو قدوۃ العلماء زبدۃ الاولیاء حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی مجددیؒ سے ان کو حضرت شاہ سید آدم بنوری قدس سرہ اور ان کو امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی قدس سرہ...... اخیر تک۔

تبلیغ واصلاح اور تربیت

خانوادۂ علم اللہی کے روشن چراغ اور امام ربانی سید احمد شہید قدس سرہ کے سلسلہ وبرکات کے نگہبان ومحافظ حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی نے دعوت وارشاد کا کام عہد طالب علمی سے ہی شروع کر دیا تھا، اور ایک مدت تک تکمیل درسیات کے بعد حضرت شاہ ضیاء النبی قدس سرہ کی خدمت میں رہے، اور بعد ازیں مستقل طور پر اصلاح امت اور دعوت وہدایت کی فکر وعمل میں مشغول ہو گئے، اس کے لیے آپ نے جگہ جگہ دیہاتوں، قصبوں اور شہروں کا دورہ کیا، ملک کے مختلف حصوں بالخصوص اضلاع شرقیہ میں عوام وخواص کے عقائد کی اصلاح ودرستگی اور بدعات وخرافات سے بیزاری اور اتباع شریعت کی تلقین وتشویق کے لیے سفر کرتے تھے، اس کے علاوہ آپ نے برما ورنگون اور ملتان وغیرہ کے کئی دعوتی واصلاحی اسفار اور دورے کیے۔

دعوت وہدایت کا ایک مؤثر ذریعہ بیعت وسلوک ہے، حضرت سید نصیر آبادی نے اس طریقہ کو اختیار فرمایا تو آپ کی طرف لوگوں نے رجوع کیا اور قصبوں اور دیہاتوں کے ہزاروں اہل اسلام نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور شرک وبدعات اور خرافات ورسوم سے تائب ہوئے، اتباع شریعت وسنت اور اعمال صالحہ کا عہد

کرتے تھے، آپ درس وتدریس کے ساتھ اپنے مریدین اور وابستگان کی تعلیم وتربیت کرتے تھے۔ دعوت وتبلیغ اور اصلاح امت کے لیے وعظ ونصیحت بھی ایک نہایت اہم طریقہ اور وسیلہ ہے، سفر وحضر دونوں حالتوں میں وعظ ونصیحت کی مجلس منعقد کرتے تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض منصبی ادا کرتے، عقائد باطلہ کی اصلاح کرتے؛ اوران کے اندر اتباع سنت وشریعت کا شوق وذوق پیدا کرتے تھے، ہر جمعہ کو وعظ کا معمول بن گیا تھا، اس طرح پوری زندگی اصلاح ملت، دعوت دین، احقاق حق اور ابطال باطل میں گزار دی۔ مولانا سید عبدالحی نے لکھا ہے:

"ہر جمعہ کے دن کو وعظ کہتے تھے"۔(۱)

آپ کی بیعت وارشاد اور دعوت واصلاح سے ہزاروں لوگوں کی اصلاح ہوئی اور عقائد واعمال میں درستگی آئی، علامہ شبلی نعمانیؒ جو کہ حضرت سید نصیر آبادیؒ کے معاصر ہیں خود آپؒ کے طریقۂ اصلاح وتربیت کو پسند فرماتے بلکہ اس کام کو استحکام بخشنا چاہتے تھے۔ مولانا محمد عارف عمری (سابق رفیق شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ) نے لکھا ہے:

"عہد شبلی میں مشرقی یوپی میں مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ اور (حضرت) چاند شاہ صاحب ٹانڈویؒ کے تبلیغی دوروں اور وعظ ونصیحت سے بہت سی مسلم بستیوں پر عمدہ اثرات مرتب ہوئے، علامہ شبلی اس مبارک اور بافیض سلسلہ اصلاح کو مستحکم اور پائدار نظام سے مربوط کرنا چاہتے تھے"۔(۲)

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے حضرت سید محمد امین حسنی نصیر آبادی کے اس اہم کارنامے کے بارے میں بڑی خوش اسلوبی سے تحریر فرمایا ہے:

"آپ (حضرت شاہ ضیاء النبی قدس سرہٗ) کے خلیفہ حضرت مولانا

(۱) نزہۃ الخواطر: ۸/۸۶، دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (الہند)
(۲) تلخیص مقالات شبلی صدی/ ۱۱۶، دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، یوپی (الہند)

سید محمد امین نصیر آبادیؒ سے جو نفع پہنچا اور عقائد و اعمال کی جو اصلاح ہوئی اس کے اثرات رائے بریلی، پرتاب گڑھ، سلطان پور، جون پور، اعظم گڑھ کے قصبات و دیہاتوں میں دیکھے جا سکتے ہیں، ان کے مریدین میں جو تشرع و استقامت، فرائض کی پابندی اور دینی پختگی ہے، اس کی مثال کم ملے گی، گوجر قوم کی اصلاح و تربیت ان کا بڑا کارنامہ ہے، آپ اپنے زمانہ میں حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ کے (جن سے آپ حضرت سید ضیاء النبیؒ کے واسطے سے بیعت ہیں) جانشین اور ان کے نمونہ کامل تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ شریعت پر استقامت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں آپ اپنے زمانہ کے امام تھے"۔(۱)

مولانا سید محمد امین نصیر آبادی بڑی سختی سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتے تھے، اصلاح و تربیت میں ارشاد و تلقین ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اگر آپ ضرورت محسوس کی جاتی تو قوت بازو سے بھی کام لیتے تھے، اور حدیث نبوی: "من رأی منکم منکراً فلیغیره بیده" پر عمل کرتے تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

"اس وقت اسلاف کی زندہ یادگار اور ایک عالم ربانی ہمارے خاندان میں موجود تھے جن کا اسم گرامی مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ ہے...... اپنے عہد کے ممتاز ترین حامی سنت اور ماحی بدعت تھے، اور "من رأی منکم منکراً فلیغیره بیده، فمن لم یستطع فبلسانه، ومن لم یستطع فبقلبه، وذلك أضعف الایمان" کے حکم کی تعمیل میں وہ اس کے پہلے جزء تغییر بالید ہی پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے، دونوں بعد کے درجوں کی نوبت کم ہی آتی

(۱) کاروان ایمان وعزیمت/۱۶۴، سید احمد شہید اکیڈمی لاہور (پاکستان)

ہوگی......ان کی ذات سے بڑی اصلاح ہوئی، ہزاروں آدمی شعائر اسلام کے پابند، سنتوں پر کاربند اور بدعات سے تائب ومجتنب ہوئے، اللہ تعالیٰ نے بڑی وجاہت اور قبولیت عطا فرمائی، اور انہوں نے اپنے حلقۂ ارادت میں ایک چھوٹی سی شرعی حکومت قائم کرلی تھی جس میں شریعت ہی کا قانون چلتا تھا"۔(۱)

حضرت مولانا سید محمد امین نصیرآبادیؒ بڑے جاہ وجلال اور صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے، آج ایک طویل مدت گزرنے کے بعد بھی آپ کے واقعات زبان زد خواص وعوام ہیں، مولانا اعجاز احمد اعظمی (سابق استاذ مدرسہ دینیہ غازی پور) فتح پور تال نرجا میں علماء ومشائخ کی آمد ورفت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"کبھی کبھی حضرت مولانا سید محمد امین صاحب نصیرآبادیؒ تشریف لایا کرتے تھے، مولانا جب تشریف لاتے تو عرصہ تک اس اطراف میں ان کا قیام رہتا، مواضعات میں یکے بعد دیگرے سفر فرماتے، حق تعالیٰ نے مولانا کو شاہانہ دبدبہ اور جاہ وجلال عطا فرما رکھا تھا، جس طرف نکل جاتے دینداری کی باد بہاری چل جاتی، منکرات وفواحش سر چھپا لیتے، نہی عن المنکر میں مولانا کا ایک خاص انداز تھا، ان کے دبدبۂ حق کے سامنے بڑے بڑوں کا زہرہ آب ہوجاتا، سامنے سے اگر کوئی ٹخنوں سے نیچے پاجامہ لنگی کرکے گزر جاتا تو بلاکر زائد کپڑا قینچی سے کٹوا دیتے، کوئی مسلمان بڑی مونچھیں رکھے ہوئے ہوتا تو اسے بھی ترشوا دیتے، مجال نہ تھی کہ کوئی دم مارتا، بدعات ورسوم کے سخت مخالف تھے، ان سے بہت اصلاح ہوئی تھی"۔(۲)

صحیح بات یہ ہے کہ آپ اپنے عہد کے کاروان اصلاح وتربیت اور دعوت و

---

(۱) کاروان زندگی: ۱/۱۰۶، مکتبۂ اسلام، گوئن روڈ-لکھنؤ

(۲) حیات مصلح الامۃ: ۲۶، حالات مصلح الامۃ: ۱/۴۳، ادارۃ الاشاعت، الہ آباد

عزیمت کی صفوں میں بلند وبالا مقام کے حامل تھے۔ اصلاحی وتربیتی اور دعوتی وارشادی سلسلہ کو شیراز ہند جون پور میں مولانا ابوبکر محمد شیث فاروقی جون پوری نے آگے بڑھایا، اور عمومی طور پر آپ کی تحریک اصلاح وہدایت کو مولانا محمد سعید نصیر آبادیؒ، مولانا منیر احمد یغمائیؒ اور مولانا محمد شفیع سرائے میریؒ نے بطور امانت آئندہ آنے والی نسلوں تک منتقل کیا۔ حضرت مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادیؒ کے مریدین ومتوسلین اور ارادت مندوں کی بہت بڑی تعداد ہے۔

فقہی بصیرت اور خدمات

حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی قدس سرہ نے درسیات کی تکمیل ۱۲۹۶ھ، میں علامہ عبدالحی فرنگی محلی لکھنویؒ کے یہاں کی تھی، یعنی مولانا نے اکیس سال کی عمر میں علوم مروجہ کی تحصیل کر لی تھی، اس وقت سے بلکہ درسگاہ نظامی میں حصول علم کے وقت سے دروس واسباق پڑھایا کرتے تھے، آپ کے استاذ مکرم کو آپ پر پورا اعتماد تھا، اس لیے کہیں جاتے تو آپ کو اپنی جگہ پر بٹھا کر جاتے تھے، اس وقت سے زندگی کی آخری بہار تک درس وتدریس، وعظ ونصیحت، اصلاح وتربیت، عقائد واعمال کے بگاڑ کی اصلاح ودرستگی میں مشغول رکھا، مولانا ہشت پہل نگینہ تھے، ایک طرف ایک بڑے محدث واصولی تھے، تو دوسری طرف ایک بڑے فقیہ بھی تھے، فقہ وفتاویٰ کی کتابوں پر گہری نظر رکھتے تھے، مسائل کی تنقیح کرتے اور قرآن واحادیث سے تطبیق دیتے تھے، مولانا کی فقہی بصیرت اس سے نمایاں ہوتی ہے کہ جن احادیث سے مسائل کا استنباط اور استخراج ہوتا ہے ان کو اپنے فتویٰ میں نقل فرماتے ہیں، مولانا کو اپنے عہد میں فقہ وفتاویٰ کے میدان میں بھی بڑی مرجعیت حاصل تھی، جس طرح آپ سے پہلے حضرت مولانا سید محمد ظاہر فقیہ حسنی (المتوفی ۱۲۷۸ھ) خلیفہ امام ربانی سید احمد شہید قدس سرہ، دیار شرقیہ میں سب سے بڑے مرجع تھے، اس لیے ہر طرف سے ہر طرح کے سوالات اور استفتاءات آتے تھے، ہندوستان کے کونے کونے سے سوالات

مسائل اور معاملات کے حل اور تصفیہ کے لیے آتے تھے، مولانا ان سوالات کے جوابات پوری تحقیق وتنقیح کے ساتھ دیتے تھے، آپ قلم برداشتہ جوابات لکھ دیتے تھے، ہزاروں احادیث شریفہ حفظ تھیں، اور بہت سی کتب فقہیہ دماغ میں محفوظ تھیں، آپ کے برادر کلاں مولانا حکیم سید محمد متین نصیر آبادیؒ کا بیان مولانا اصلاحیؒ نے نقل کیا ہے:

> ’’بھائی [مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادیؒ] نے حرف بحرف کامل صحیحین مجھ کو زبانی سنایا تھا‘‘۔(۱)

مولانا اصلاحی نے لکھا ہے:

> ’’فن رجال جو مسلمانوں کا سرمایہ کمال تھے، حضرت سیدؒ اس کے حافظ تھے، گویا میزان الاعتدال ذہبی، وتہذیب التہذیب کے اوراق سامنے کھلے ہوئے ہیں‘‘۔

اور خود حضرت نصیر آبادیؒ کا بیان ہے کہ میں نے استاد مرحوم کے کتب خانہ کو تین بار مطالعہ کیا ہے۔(۲)

اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس کتب خانہ میں تمام علوم وفنون کی ساری کتابیں موجود ہیں، حضرت نے تین بار اس کا مطالعہ کیا، اور اس کو دماغ میں محفوظ فرما لیا، حضرت کی قوت حافظہ اور ذہانت ودماغ اور تبحر علمی کا ہلکا سا ایک نمونہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مولوی عبدالخالق موحد رائے بریلوی وغیرہ آپ کے شاگردوں نے طے کیا کہ لاؤ ایک بیاض میں آپ کی وہ حدیثیں بحذف مکررات لکھ لی جائیں جو اثنائے وعظ میں پڑھتے رہتے ہیں، چنانچہ یہ کام شروع ہوا کئی سال کی پیہم کاوش وسعی سے ۳/(تین) ہزار، اور بروایت ۶/(چھ) ہزار احادیث مجلس میں لکھی گئیں، اور پھر گھبرا کر یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا، یہ تذکرہ حضرت سیدؒ کے روبرو ہوا، مسکرا کر فرمایا: ’’لکھتے رہتے تاکہ مجھے بھی اندازہ ہو جاتا کہ کتنی روایتیں محفوظ ہو چکی ہیں‘‘۔

---

(۱) یادگار سلف: ۴۲، مطبوعہ معارف پریس (۲) ایضاً

آپ اپنے دیئے ہوئے فتوئ میں حق کا اظہار بڑی شدت کے ساتھ کرتے، اور اپنے مسلک و مشرب کے اظہار و بیان میں بڑے سخت واقع ہوئے، اپنے موقف پر پوری قوت کے ساتھ قائم رہتے تھے، مجالس وعظ میں بھی آپ نادر ولطیف نکتہ، فقہی وعلمی مسائل پر مجتہدانہ انداز میں بیان فرماتے، اہل علم اور عوام دونوں اثر میں ڈوب جاتے تھے، ایک مسئلہ میں بحث ہوتی تو جب تک وہ بحث ختم نہ ہوتی دوسری شروع نہ فرماتے تھے، کبھی ضرورت پڑنے پر ہفتوں اور کبھی مہینوں ایک ہی موضوع پر بحث کرتے تھے، اور لوگوں کے لیے اس مسئلہ کی نسبت اطمینان اور تشفی بخش بحث فرماتے تھے، اس سے علماء وفضلاء کے علاوہ عوام بھی دل چسپی لیتے اور فائدہ اٹھاتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ اور ان کا مقام

مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادیؒ کو جس طرح حدیث وعلوم حدیث اور فن اسمائے رجال میں اعلیٰ مقام و مرتبہ حاصل تھا، اسی طرح فقہ وفتاویٰ میں آپ کا مقام و مرتبہ کچھ کم نہ تھا، فقہی متون اور شروح پر بڑا عبور تھا، ایک سوال رویت ہلال کی بابت رنگون ملک برما سے آیا تھا، اس کا جواب مجتہدانہ انداز میں دیا تھا، اس جواب کے موصول ہونے پر مولانا عبدالحی رنگونی نے مکتوب بھیجا کہ آپ کو اللہ نے قوت اجتہاد بخشی ہے۔(۱)

مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ نے ملک برما [موجودہ نام میَنمار ہے] اور ملتان [موجودہ پاکستان کا ایک اہم صوبہ ہے] کا دعوتی واصلاحی اور تبلیغی سفر کیا، اور وہاں کے لوگوں میں ایمانی ومذہبی بیداری اور آخرت کا احساس پیدا کیا، وہاں کے مشہور نزاعی مسئلوں کو حل کیا، وہاں کا ایک نزاعی مسئلہ یہ بن گیا تھا کہ زکوٰۃ کے روپئے مسجد کی تعمیر یا اس کے کسی کام میں خرچ ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب ظاہر ہے کہ عدم جواز کا ہے، مگر وہاں کے مقیم بعض علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا، حضرت نصیر آبادیؒ نے عدم جواز کا فتویٰ دلائل وبراہین سے مزین کر کے دے دیا، اور نماز جمعہ سورتی جامع مسجد

(۱) یادگار سلف ۴۴، مطبوعہ معارف پریس

میں پڑھنے سے انکار کردیا، حضرت نصیر آبادیؒ نے کئی بار ملتان کا سفر کیا، اور وہاں بھی اپنے معمول کے مطابق شرک وبدعات اور رسوم وروایات کے خلاف نہایت مؤثر وعظ فرمایا، وعظ سے ہزاروں لوگ متاثر ہوئے اور صدہا لوگوں نے توبہ کی، اور بہت سے لوگوں نے اپنی خفگی کا اظہار کیا، مناظرہ تک کی نوبت آگئی، اور وعظ کے دوران سات سوالات پیش کئے گئے، آپ نے ان سوالوں کے جوابات کتب حنفیہ معتبرہ سے مدلل ومبرہن کرکے دیا۔ اور لوگوں نے اس کا اثر لیا، اور دعوتی نقطۂ نظر سے بڑا فائدہ ہوا۔

جمعہ کے روز آپ وعظ فرماتے تھے، وعظ کیا تھا؟ شرک وبدعات سے بیزاری، اور اتباع شریعت، پیروی سنت کی تعلیم وتلقین، اور شرعی احکامات کا بیان ہوتا تھا، کبھی علمی تحقیق وتفہیم میں لوگوں پر سخت جرح بھی کرتے تھے، کسی ایک مسئلہ کو بیان کرتے تو اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے دوسری بحث شروع نہ فرماتے تھے، اور مولانا محمد نجم الدین اصلاحیؒ نے لکھا ہے کہ ۱۹۲۲ء کے قریب قریب مسئلہ جمعہ فی القریٰ پر کئی کئی ہفتے گفتگو کرتے رہے۔ اسی طرح خیرآباد میں مسئلہ معراج پر، اور معجزات کے بارے میں مسئلہ شق القمر پر وعظ ہوا تھا، آپ کے خداداد حافظہ پر حیرت ہوتی تھی کہ خدایا یہ علوم وفنون کا کتب خانہ ہے یا کوئی عہد اول کی یادگار ہے۔ مولانا اصلاحیؒ نے اپنے استاذ مکرم مولانا عبد الرحمٰن نگرامی ندویؒ [سابق استاذ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، ودار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ] کا قول نقل کیا ہے کہ ''میں نے اب تک کوئی رسالہ بھی اتنی جامعیت کا نہ پڑھا تھا اور وعظ تو سنا ہی نہیں کہ مسائل علمی پر اس تحقیق اور انصاف کے ساتھ کہا جاتا ہو''۔ (۱)

حضرت مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادیؒ نے غالباً سندی سال سے ہی فتویٰ دینا شروع کردیا تھا، فرنگی محل میں دار الافتاء کے نام سے کوئی شعبہ مستقل طور پر نہیں تھا، لیکن علمائے فرنگی محل کے فتاویٰ سکۂ رائج الوقت سے کچھ کم نہیں تھے، خود حضرتؒ کے استاذ علامہ عبد الحی فرنگی محلیؒ کے پاس سیکڑوں فقہی ودینی سوالات اور

---

(۱) یادگار سلف: ۱۰۲، مطبوعہ معارف پریس

استفتاء آتے تھے، اور پورے دلائل و براہین سے آراستہ کر کے جوابات دیئے جاتے تھے، علامہ فرنگی محلیؒ کی افتائی مہارت مسلمہ ہے، بڑے سے بڑا مسئلہ اور معرکۃ الآراء استفتاء کا جواب بڑی ہی آسانی سے دے دیا کرتے تھے، قرین قیاس یہ ہے کہ مولانا نصیر آبادیؒ نے افتاء کی مشق و تمرین علامہ عبدالحی کے پاس کی ہوگی، اور علامہ اس کی تصویب اور تصحیح کرتے ہوں گے، اگرچہ اس کی کہیں صراحت نہیں ملتی اور نہ ہی راقم کے پاس کوئی شہادت و دلیل ہے، یہ عہد مکاتب فکر کے درمیان علمی و فکری جنگ اور مناظروں کا تھا، اس وقت علمائے دیوبند میں سے مشاہیر علمائے خمسہ کے خلاف مولوی احمد رضا خان بریلوی اور ان کے اتباع و انصار نے تکفیر کا فتویٰ دیا تھا، مولوی قاری عبد الرؤوف خاں جگنپوری [مدرس مدرسہ تعلیم الدین رنگون صوبہ برہما] نے علمائے ہند سے استفتاء لکھ کر جواب مانگا تھا، جو بعد میں دار القضاؤں سے حاصل بعض فیصلے کو ”فیصلہ خصومات از محکمہ دار القضات“ کے نام سے ایک رسالہ کی شکل میں طبع کیا گیا، جگنپوری کے جواب میں ایک سو چالیس کی تعداد میں جوابی فتاویٰ موصول ہوئے تھے، اس رسالہ میں ان علماء و مفتیان کے اسمائے گرامی دیئے گئے ہیں، ان میں ایک نام ترتیب نمبر تین سو سات (۳۰۷) پر ”محمد امین عفی عنہ“ مرقوم ہے، (۱) ممکن ہے کہ حضرت سید نصیر آبادی کا ہی نام نامی اسم گرامی ہو۔

فقہی مناظرہ

مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ اپنے مسلک کو بیان کرنے میں بہت سخت تھے، کبھی کبھی فقہی مسئلوں میں مناظرہ تک کی نوبت آجاتی تھی، مولانا سید نصیر آبادیؒ نے ایک فقہی مسئلہ میں مولانا محمد یحییٰ نگرامیؒ سے تحریری مناظرہ کیا ہے، اور یہ مسئلہ شروع سے فضیلت اور عدم فضیلت کی ردوکد کا شکار ہے، کہ عمامہ باندھنا مسنون عمل ہے، احادیث مبارکہ میں اس کے فضائل بیان ہوئے ہیں، ایک ضعیف روایت میں ہے کہ

(۱) فیصلہ خصومات از محکمہ دار القضات: ۲۸، کتب خانہ امداد الغرباء سہارنپور

وہ نماز جو عمامہ باندھ کر پڑھی جاتی ہے نا باندھ کر پڑھی جانے والی نماز سے ستر رکعتوں سے افضل ہے، اس روایت کو بعض محدثین نے موضوع لکھا ہے، مولانا نصیر آبادیؒ عدم فضیلت کے قائل تھے جبکہ مولانا محمد یحییٰ نگرامیؒ زیادہ فضیلت وثواب کے قائل تھے، افسوس کہ ڈاکٹر محمد یونس نگرامی ندویؒ نے فریقین کے رسائل دیکھے بغیر لکھ دیا:

> ''ایک عرصہ دونوں طرف سے رسائل شائع ہوتے رہے، مولانا محمد امین نصیر آبادیؒ کی طرف سے جو رسائل شائع ہوتے تھے، عموماً ان کا لب ولہجہ درشت اور تلخ ہوتا تھا''۔(۱)

مولانا اصلاحیؒ نے عمامہ کے موضوع پر صرف آپ کی ایک کتاب ''الاسوۃ الحسنہ فیما ثبت بالسنۃ'' کا ذکر کیا ہے جبکہ ڈاکٹر موصوف کی تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر متعدد رسائل طبع ہوئے، اس پر بحث 'سید صاحب احوال وآثار' میں ہوگی۔

ملتان میں بھی مناظرہ تحریری شکل میں ہوا، ان سوالوں کے جوابات قرآن مجید و احادیث مبارکہ اور کتب فقہیہ سے مدلل کر کے دیئے، اور ایک مختصر رسالہ کی صورت میں یہ جوابات شائع کئے گئے، (۲) افسوس کہ یہ رسالہ نایاب ہی نہیں اب ناپید ہے، مولانا اصلاحیؒ نے مجموعہ کے ساتھ شائع کرنے کا ذکر کیا ہے، ممکن ہے مولانا کے ذاتی کتب خانہ میں اس کا کوئی نسخہ محفوظ رہا ہو۔ مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادیؒ کے ایک شاگرد مولانا حافظ محمد حسن سہسرامیؒ نے اپنے استاد مکرم کی تائید وحمایت میں دو رسائل تحریر کئے تھے، ایک کا نام ''نفحة الغمائم لكشف ما في نفحة الشمائم'' اور دوسرے رسالہ کا نام ''تذكرة العمائم لأولي الغرائم'' ہے۔ شیراز ہند جون پور میں بھی اتفاقاً اسی طرح کا ایک مناظرہ ہوا، اس میں تمام لوگوں کو حضرت سید امین صاحب

---

(۱) تذکرہ مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ: ۳۰، مکتبہ طیبہ، لکھنؤ، راقم نے ان رسائل کا نام ''رسائل مسئلہ عمامہ'' دیا ہے، یہی نام فہرست میں دیا جائے گا، مولانا نگرامی اور سید صاحب کے ایک دو رسالے راقم کے پاس ہیں۔ (۲) یادگار سلف: ۴۷، مطبوعہ معارف پریس، اس کا نام راقم السطور نے تصانیف کی فہرست میں ''رسالہ حق نما'' دیا ہے۔

نصیر آبادی کی بات ماننی پڑی، اور بدعات کے بارے میں ان کو یہ لکھنا پڑا کہ:

"بدعة سیئة، لا أصل لها فی الکتاب و السنة".

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بڑی مسجد ایودھیہ نزد مزار شاہ ابراہیم کے دوران مقدمہ پیروی حضرت شاہ عبد اللطیف ستھنویؒ کی ملاقات حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ سے ہوئی، دونوں حضرات کے مابین کسی بات پر اختلاف رونما ہوا جس نے بحث کی صورت اختیار کر لی، اور مباحثہ کی تاریخ بھی طے ہوگئی، بعد میں حضرت شاہ عبد اللطیفؒ کو احساس ہوا اور انہوں نے اس اختلافی مسئلہ میں حضرت نصیر آبادیؒ کے مسلک کو اپنایا، اور مسلک کی تائید ہی نہیں کی بلکہ ایک مکتوب بھی بھیجا جس میں آپ نے تحریر فرمایا:

"آپؒ سید ہیں، ایک عالم ہیں، آپ کا میرا خیال ایک ہے، صرف کچھ طریقوں میں میرا آپ کا اختلاف ہے، لہٰذا میں آپ کو اطلاع کرتا ہوں کہ بے مباحثہ ہی میں آپ کی باتوں کی طرف راغب ہو گیا ہوں، اب میرے اور آپ کے درمیان کسی مزید مباحثہ کی ضرورت نہیں ہے"۔(۱)

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کا مجموعہ

حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ کے معمولات میں لکھا ہے:

"اشراق وغیرہ سے فارغ ہو کر مکان میں تشریف لے جاتے، اور اس کے نصف گھنٹہ کے بعد مریضوں کا علاج و معالجہ کرتے تھے، اس کے بعد خطوط اور فتاویٰ کے جوابات لکھتے تھے"۔(۲)

مولانا اصلاحی نے مزید لکھا ہے:

"توالی اسفار اور کثرت اشغال سے جب فرصت ملتی، فتاویٰ اور

---

(۱) تذکرۂ شاہ عبد اللطیف ستھنویؒ: ۴۱، ماسٹر سید اشفاق احمد (باغ میراں، بھٹواں) سنہ طباعت: ۱۹۹۵ء، ناشر: ضیاء پبلی کیشن، ٹیگور مارگ لکھنؤ (۲) یادگار سلف: ۹۸، مطبوعہ معارف پریس

خطوط کے جوابات میں مصروف رہتے''۔(۱)

یہ فتاویٰ آپ کے عجیب وغریب قوت حافظہ اور وسعت نظر کے نمونے ہیں، بعض سوالات کے جوابات مختصر اور بعض کے مفصل ہیں، لوگوں کی طرف سے مسلسل فقہی سوالات آتے تھے، اور آپ مدلل اور مبرہن کر کے جوابات دیتے تھے۔

حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ کی فقہی خدمات کے بارے میں یہ بات آچکی ہے کہ آپ نے زمانۂ طالب علمی سے ہی تقریباً فتویٰ نویسی کا کام شروع کر دیا تھا، اور بالفرض یہ مان لیا جائے کہ آپ نے پچیس سال کی عمر میں جب تدریس وافادہ کے لیے بیٹھ گئے تھے، اس وقت سے فتاویٰ نویسی اور افتاء کی گراں قدر خدمات شروع کی، اور زندگی کے آخری ایام تک افتاء کا کام انجام دیا ہے، تو اس حساب سے افتائی خدمات ۴۰/۴۵، سال ہوتے ہیں، کتنے استفتاء اور فقہی ودینی سوالات آتے رہے ہوں گے، مگر اس مجموعہ کے علاوہ کسی اور مجموعہ کا پتہ نہیں چلتا، اس لیے یہ بتانا نہایت مشکل ہے کہ حضرت سید نصیر آبادیؒ کے فتاویٰ کی تعداد کیا ہے؟ صرف چالیس سال ہی مان لیا جائے اور ایک سال میں ۵۰/ فتاویٰ کا حساب مانا جائے تو فتاویٰ کی تعداد ۲۰۰۰/ دو ہزار ہوتی ہے، مگر یہ قصہ اب پارینہ ہو چکا ہے، جب سرمایہ ہی نہیں تو حساب اور قیاس آرائی بے سود ہے، اس سے ضائع شدہ سرمایہ پر افسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ کاش کہ مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ کا علمی سرمایہ آج محفوظ ہوتا تو لوگ آپ کی ہدایات، ارشادات اور افادات سے فائدہ اٹھاتے۔

زمانہ کے دست ظلم سے جو مجموعہ محفوظ رہ گیا تھا اس کو مولانا اصلاحیؒ نے ایک جگہ جمع کر دیا تھا، آپ کا جمع کیا ہوا یہ مجموعہ تقریباً سوا دو سو صفحات پر پھیلا ہوا تھا، مولوی حافظ محمد کاظم نصیر آبادیؒ نے حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے حوالہ لکھا ہے:

''مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ نے بتایا کہ ہم لوگ مولانا نجم الدین صاحب اصلاحیؒ سے ملے تو آپ نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی

---

(۱) یادگار سلف ۱۵۴، مطبوعہ معارف پریس

حسنی ندویؒ کو حضرت سید صاحبؒ کا مجموعۃ الفتاویٰ ایک خاندانی امانت سمجھ کر حوالہ کر دیا تھا"۔(۱)

افسوس اس بات پر ہے کہ حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ کی زندگی میں کوئی ایک بھی فقہی مجموعہ مرتب نہ ہو سکا، مولانا اصلاحیؒ کے مجموعہ کے علاوہ کسی مجموعہ کا خواہ مختصر ہو یا بڑا علم نہیں ہے، اس زمانہ میں کسی مسئلہ پر فتویٰ لینے کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا تھا کہ ایک مستفتی تمام مشاہیر علمائے کرام اور مفتیان عظام سے فتاویٰ موصول کرتا تھا اور ان تمام کو ایک جگہ رسالہ کی شکل میں شائع کر دیا جاتا تھا، ممکن ہے کہ مولانا کے بہت سے فتاویٰ اس طرح بھی شائع ہوئے ہوں، اگر تحقیق و جستجو اور تلاش کیا جائے تو ممکن ہے کہ کچھ نہ کچھ فتاویٰ دستیاب ہوں۔

موجودہ مجموعۃ الفتاویٰ وہی مجموعہ ہے جس کو مولانا محمد نجم الدین اصلاحیؒ نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو ایک تاریخی اور خاندانی امانت جان کر حوالہ کر دیا تھا، اس مجموعہ کی حفاظت کی گئی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ

"الانسان یدبّر و اللہ یقدّر"

اور یہ مجموعہ بھی زمانہ کے ستم اور ظلم سے محفوظ نہ رہ سکا، اور جو حصہ گردش ایام کی نذر ہونے سے بچ گیا، وہ مجموعہ (۱۶۳) صفحات پر پھیلا ہوا ہے، یہ مجموعہ استاد گرامی و مربی مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ العالی کے ذاتی کتب خانہ میں بعض خاندانی مخلوطے اور مسودے کے ساتھ محفوظ رکھا ہوا تھا، استاد گرامی مدظلہ العالی نے اسلاف شناسی کا حق ادا کرتے ہوئے راقم سطور کو اس کی تحقیق و تعلیق اور ترتیب و تدوین کے لیے اس کے عکسی نقول عنایت فرمائے، راقم سطور کی سعادت کی بات ہے کہ اس کو ترتیب و تدوین اور تخریج اور تحقیق و تعلیق کا موقع میسر ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ کے ان فتاویٰ میں سے بعض سے فقیہانہ شان بالکل نمایاں ہے، مثلاً مسئلہ مفقودۃ الزوج ہے، اس سلسلہ میں حضرت مولانا اشرف علی

(۱) تذکرۃ الامین: ۱۰۸

تھانویؒ نے "الحیلۃ الناجزۃ للمرأۃ العاجزۃ" نامی کتاب تصنیف فرمائی، اور حضرت نصیر آبادیؒ نے غالباً حضرت تھانویؒ سے پہلے اس مسئلہ میں دوسرے مسلک کو اختیار کیا، اور آپ اس مسئلہ میں مالکی مسلک پر ہی فتویٰ دیا کرتے تھے، یہ فتویٰ اسی مجموعہ میں شامل ہے، جمعہ فی القریٰ میں محدثین اور شوافع کے مسلک پر قائم تھے، اور آپ کے زیر اثر اضلاع میں جمعہ فی القریٰ پر عمل کیا جاتا ہے، آج بھی ان مساجد میں جمعہ کی نمازیں ہوتی ہیں جہاں حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی نے جمعہ قائم فرمایا تھا، مولانا ریاست علی چھانویؒ نے آپ کے اس تفرد کی تائید وتصویب میں "مفید الانام" کے نام سے ایک جامع اور مدلل رسالہ لکھ کر شائع کیا۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ حضرت مولانا نصیر آبادیؒ مسلک احناف کے کبار علماء میں سے تھے، آپ ایک جلیل القدر اور عظیم المرتبت حنفی عالم دین تھے، بعض فتاویٰ میں آپ نے نام کے آگے حنفی بھی تحریر فرمایا ہے، البتہ آپ اس وقت کے دیگر بہت سے علمائے کرام کی طرح مقلد جامد نہیں تھے، بلکہ آپ کو مجتہدانہ مقام حاصل تھا، اس لیے ہر مسئلہ کو قرآن وسنت سے تطبیق دیتے تھے، احادیث وآثار کا تتبع کرتے تھے، اور جو مسئلہ احادیث وآثار کی روشنی میں صحیح ہوتا اسے اختیار فرماتے تھے، اگر چہ وہ مسلک احناف کے خلاف کیوں نہ ہو، چنانچہ قرأت فاتحہ خلف الامام کے آپ قائل تھے، اسی طرح کنواں کے مسائل میں امام شافعی ومالک اور احمد بن حنبل کے مسلک کی اتباع کرتے تھے، اسی طرح سے آپ نمازیں اول وقت میں پڑھتے تھے۔ (۱)

بعض مسئلوں میں حضرت نصیر آبادیؒ کی الگ رائے اور عمل کی وجہ جدید مسلک عمل بالحدیث کی طرف انتساب آپ کی مجتہدانہ شان عالی مقام پر ایک بدنما داغ سے کم نہیں، حقیقت وہی ہے جس کو مولانا محمد نجم الدین اصلاحیؒ نے لکھا ہے کہ آپ فتویٰ مذہب حنفی پر دیتے تھے۔ لیکن خود کیا تھے یہ ذرا اہم اور پیچیدہ سوال ہے۔ (۲)

---

(۱) یہاں پر یہ بات ذہن نشین رہے کہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی بغدادیؒ کے مسلک میں متذکرہ مسائل کی اساس قیاسی نہیں بلکہ قرآن مجید اور احادیث شریفہ اور آثار صحابہ اور اقوال تابعین ہیں۔

(۲) یادگار سلف: ۳۸، مطبوعہ معارف پریس

یہاں اس کی وضاحت ناگزیر ہے کہ مولانا اصلاحی کی اطلاع کے آخری جزء سے عمل بالحدیث مراد لینا کسی بھی ناحیہ سے درست نہیں ہے کیونکہ حضرت سید نصیر آبادیؒ اپنے استاذ عالی مقام فخر الاسلام علامہ عبدالحی فرنگی محلی لکھنویؒ اور حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے متاثر تھے، اور آپ کے فتاویٰ اور وعظ ونصیحت میں ان حضرات کی تحقیق وتفہیم کے اثرات نمایاں ہیں، اس لیے یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ آپ علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کے مسلک پر قائم تھے، اس کا اندازہ آپ کے رسائل اور فتاویٰ سے لگایا جاسکتا ہے، اور ساتھ ہی اس کی وضاحت آپ نے اپنے ایک مکتوب میں فرمائی ہے۔ مکتوب کا آخری حصہ یہاں افادہ کے لیے درج ہے۔

"مسلك فقير مسلك شاه ولى الله ومولانا فرنگى محلى است، چنانچه بمجموعة الفتاوىٰ بريں منوال رفته ام واين روش اختيار كرده ام"۔(۱)

جن حضرات نے آپ سے استفتاء حاصل کئے ہیں ان میں اپنے عہد اور زمانہ کے بڑے بڑے علمائے کرام، مفتیان عظام، قضاۃ کے علاوہ بزگان دین بھی شامل ہیں، حضرت مولانا عبدالعلی نگرامی خلیفہ حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ کے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد یحییٰ نگرامیؒ، مولانا عبدالحی سورتی ثم رنگوئیؒ، قاضی سید چراغ علی قادری، قاضی محمد مظہر جائسی اور خود آپ کے پیر ومرشد برحق قطب الارشاد حضرت شاہ سید ضیاء النبی رائے بریلوی قدس سرہ جیسے حضرات اکابر کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت کے ماہرین علماء بھی بہت سے مسئلوں میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت سید نصیر آبادیؒ ایک ہی وقت میں محدث کبیر بھی تھے اور فقیہ عالی مقام بھی۔ مدرسہ اور دار الافتاء وہی آپ کی مسجد یا گھر تھا، یقیناً ہندوستان کے طول وعرض سے آپ کے پاس

(۱) مکتوبات اطبی، مخطوطہ غیر مطبوعہ، یہ مکتوب بلحاظ ترتیب آخری ہے۔

بکثرت استفتاء آتے تھے۔ آپ جواب لکھتے تھے، جواب میں عموماً "هو المصوب، هو الموفق، هو الموفق والمعين" اور اخیر میں "والله أعلم بالصواب" اور کبھی "والله اعلم، وعلمه أتم" لکھتے تھے، اور اسی کے ساتھ "حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الجلي والمبين" لکھتے تھے، اس سلسلہ میں سید السادات حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ نے عام طور پر اپنے محبوب استاذ گرامی علامہ عبدالحی لکھنویؒ کا اتباع کیا ہے، علامہ موصوف فتویٰ کے اخیر میں "والله أعلم، حرره الراجي عفو ربه القوي أبو الحسنات عبد الحي تجاوز الله عن ذنبه الجلي والخفي" لکھتے تھے، اور کبھی سوال کی مناسبت سے دوسرے الفاظ لکھتے تھے۔

تالیفات وتصنیفات

حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی قدس سرہ کی معنوی اولاد واحفاد یعنی طلبہ ومریدین کی ایک بڑی تعداد ہے، جن کے ذریعہ آپ کا روحانی فیض تا قیامت جاری وساری رہے گا، ان مادی یادگاروں کے علاوہ عربی وفارسی اور اردو زبان میں متعدد تصنیفات یادگار ہیں، یہ تالیفات اور تصنیفات اگرچہ ضخامت اور کمیت کے لحاظ سے زیادہ نہیں ہیں، لیکن کیفیت اور افادیت کے لحاظ سے بہت قیمتی ہیں اور بہت سے علوم اور فنی مباحث ومطالب کو حاوی ہیں، یہاں پر ان کے نام دیے جاتے ہیں تاکہ ایک نظر میں نگاہوں کے سامنے آجائیں، اور اندازہ لگایا جاسکے کہ اصلاحی ودعوتی جدوجہد کے ساتھ ایک بڑا تحریری سرمایہ بھی اپنے پیچھے چھوڑ کر گئے، آپ کی بہت سی علمی کاوشیں گوشۂ گمنامی کی نذر ہوگئیں۔

(۱) مجموعۃ الفتاویٰ، اس مجموعہ کی تفصیلات گذشتہ صفحات میں آچکی ہیں۔

(۲) تفسیر سورۂ بقرہ، یہ تفسیر عربی زبان میں لکھی ہے، مولانا نے یہ تفسیر سلف صالحین کے اصول وطریقہ پر لکھی ہے، مولانا اصلاحی نے اس کے بعض اجزاء دیکھے

ہیں، مولانا موصوف نے لکھا ہے:

''خاص بات قابل ذکر یہ ہے کہ جو آیتیں سورہ بقرہ میں ایسی ہیں کہ ان کے ہم معنی دیگر آیات موجود ہیں، سب کو اکٹھا کر کے پوری بحث فرمائی ہے، جس سے ہر آیت ایک ہی سلسلہ کی کڑی نظر آتی ہے''۔(۱)

حضرت کے انداز بیان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قرآن کی قرآن اور احادیث صحیحہ سے تفسیر کرنا آپ کا مذہب ہے، اسرائیلی روایات سے گریز کیا گیا ہے، فقہی اجتہادات میں آپ نے استنباط سے کام لیا ہے، اور بعض جگہ متاخرین پر جرح فرمائی ہے، اس میں صاحب فتح القدیر، علامہ ابن تیمیہؒ، علامہ ابن قیم حنبلیؒ اور امام ابن حزم ظاہریؒ سے زیادہ لگاؤ اور دلچسپی دکھائی دیتی ہے۔

(۳) مجموعہ احادیث، مولانا اصلاحی نے اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ یہ ایک بڑی بیاض ہے جس میں ان احادیث کو اکٹھا کیا ہے جو عقلاً و نقلاً بظاہر خلاف معلوم ہوتی ہے، ان کی توجیہ کرتے ہوئے درایت و عقل پر عجیب و غریب تحقیقات محدثانہ انداز میں فرمائی ہیں، بخاری شریف کے بعض تراجم کا ذکر ضمناً آگیا ہے، سنن و آثار کے حجت ہونے پر معلومات کا انبار لگا دیا ہے، ساتھ ہی چالیس (۴۰) روایات کا ایک مختصر مجموعہ بھی ہے جو جملہ امور دینی و دنیوی کو حاوی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ مجموعہ مولانا اصلاحیؒ کے پاس ذاتی کتب خانہ میں آج بھی مخطوطہ کی صورت میں ہی محفوظ ہو۔ کیونکہ مولانا اصلاحی نے لکھا ہے:

''یہ مجموعہ میری زندگی کا سہارا ہے''۔(۲)

(۴) حاشیہ مواقف، اس کتاب میں عجیب و غریب حقائق کلامی کا ثبوت دیا ہے، عقائد حقہ کو صحیح عقل و نقل سے تطابق دے کر صاف اور سلیس عربی میں لکھا ہے، اور اس حاشیہ سے ساتھ ہی متذکرہ باتوں کے آپ کی ذہانت اور قوت حافظہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کس قدر ذہین تھے، اور کیسی رسا طبیعت پائی تھی، بڑے سے

---

(۱) یادگار سلف: ۱۵۴، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ (۲) ایضاً: ۱۵۵

بڑے اور پیچیدہ مسئلہ کو بڑی خوبی اور آسانی سے سلجھا دینا تو گویا آپ ہی کا حصہ تھا۔ مولانا اصلاحی نے لکھا ہے:

"اگر زمانہ نے مساعدت کی تو اس طرح کی جملہ چیزیں رفتہ رفتہ شائع کردی جائیں گی"۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ حاشیۂ مواقف آپ ہی کے پاس محفوظ ہے، اس کا علم نہیں ہو سکا کہ یہ حاشیہ بعد میں شائع کیا گیا تھا؟۔ اس کا امکان ہے کہ آج بھی مولانا اصلاحی کے ذاتی کتب خانہ میں ہو اگرچہ خستہ حالی کی صورت میں ہو۔

(۵) اسوۂ حسنہ فیما ثبت بالسنۃ، یہ رسالہ عربی میں ہے، حضرت کے زمانہ میں شائع بھی ہو چکا ہے، اس کا موضوع بحث مسئلہ فضیلت وعدم فضیلت عمامہ در نماز ہے، مولانا اصلاحیؒ نے لکھا ہے کہ کسی صاحب نے یہ استفتاء کیا تھا کہ کیا وہ نماز جو عمامہ کے ساتھ پڑھی جائے، بے عمامہ والی نماز پر کوئی مزید فضیلت رکھتی ہے؟ اور اسی ضمن میں ایک حدیث، عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت کی بھی فتویٰ نقل کر کے جواب چاہا گیا تھا، حضرت مولانا سید نصیر آبادی نے فتویٰ کا جواب محققانہ دے کر یہ رسالہ تحریر فرمایا۔ یہ رسالہ اہل علم کے پڑھنے کے لائق ہے، آج بھی یہی مسئلہ بعض جگہوں میں ہے اور بڑی شدت سے فضیلت والی بات کو بیان کر کے انتشار کی کیفیت پیدا کی جاتی ہے، کیا ہی بہتر ہوتا کہ یہ رسالہ حاصل کیا جائے اور زمانہ کے ذوق کے مطابق اشاعت وطباعت کا اہتمام کیا جائے۔

(۶) قاطع الشرک والبدعۃ (۷) ردالالحاد والاختراعات

(۸) براہین ساطعہ وحجت قاطعہ (۹) رسالہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ان چاروں رسائل میں عقائد سلف کے تمسک اور بدعات سے اجتناب پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، اور خود ساختہ عقائد کی تردید کی گئی ہے۔ مولانا اصلاحیؒ نے لکھا ہے:

---

(۱) ایضاً

''آپ کی شمشیر حق اس موقع پر علامہ ابن حزمؒ کے ہاتھ میں نظر آتی ہے''۔

اور یہ بھی لکھا ہے:

''ان شاء اللہ تعالیٰ ان رسائل کے جملہ مباحث فتاویٰ میں اکٹھا کر دیئے جائیں گے، جو طبع سوانح کے بعد پریس میں دیا جائے گا''۔(۱)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ تمام رسائل مولانا اصلاحی کے پاس ہی ہیں، کاش کہ یہ رسائل آپ کے ذاتی کتب خانہ میں آج بھی محفوظ ہو اور استفادہ کی راہ نکل آئے۔

(۱۰) سلک التحریر (۱۱) رسائل مسئلہ عمامہ، اس کا ذکر آچکا ہے۔

(۱۲) رسالہ حق نما، اس رسالہ کا ذکر فقہی مناظرہ میں کیا گیا ہے۔

(۱۳) گلزار احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ احادیث شریفہ کا ایک عظیم مجموعہ اور سرمایہ ہے، مکررات کو حذف کئے بغیر احادیث شریفہ کی تعداد چھ ہزار ہے، اگر مکررات کو حذف کر دیا جائے تو کل تعداد احادیث تین ہزار رہ جاتی ہے، اس مجموعہ کی تسوید و تبییض کا قصہ اس طرح ہے کہ حضرت سید نصیر آبادی قدس سرہ وعظ و نصیحت اور دینی مجالس میں احادیث پڑھتے تھے، ان کو آپ کے ایک شاگرد رشید مولانا عبد الخالق موحد رائے بریلویؒ نے ایک بیاض میں لکھنا شروع کیا، کئی سال کی پیہم کاوش و سعی سے بحذف مکررات تین ہزار احادیث شریفہ لکھی گئیں، پھر اس سلسلہ کو ختم کر لیا گیا۔

''یہ تذکرہ حضرت سیدؒ کے روبرو ہوا، مسکرا کر فرمایا: لکھتے رہتے تا کہ مجھے بھی اندازہ ہو جاتا کہ کتنی روایتیں محفوظ ہو چکی ہیں''۔(۲)

نہیں معلوم کہ آج آپ کا یہ عظیم الشان سرمایہ زمانہ کے دست ستم سے محفوظ ہو، یا یہ بھی ممکن ہے کہ مولانا عبد الخالق موحد رائے بریلویؒ کے گھرانہ میں کسی خاندانی برکات کے محافظ و نگہبان کے پاس محفوظ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) یادگار سلف: ۱۵۶، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ (۲) ایضاً: ۴۴

وفات وتدفین

حضرت مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادی قدس سرہ نے اضلاع شرقیہ کے اپنے آخری دورہ میں ہر جگہ آیت کریمہ "الیوم اکملت لکم دینکم" کو موضوع بنا کر نہایت جامع اور عالمانہ وعظ وبیان فرمایا، اس سے ایک لطیف اشارہ بھی دے رہے تھے کہ آپ اب دعوت واصلاح اور تربیت، اعلائے کلمۃ الحق، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو رہے ہیں۔ پرتاب گڑھ میں بھی اس کو موضوع بنایا۔ مولوی محمد کاظم نصیر آبادیؒ نے حضرت مولانا شاہ محمد احمد پھول پوریؒ [پھول پور، پرتاب گڑھ کا ایک موضع ہے] کے حوالہ سے لکھا ہے:

> "حضرت سید صاحبؒ نے اس آیت کریمہ کو پڑھ کر آخری وعظ فرمایا تھا، ہم لوگوں نے سمجھ لیا تھا کہ یہ حضرت کا آخری سفر ہے، میرے بعد لوگ آئیں گے، نئی نئی راہ بتائیں گے، خبردار! خبردار! ان کی باتوں میں نہ آنا۔ مزید اگر ضرورت ہوگی تو محمد احمد یہ ہیں، ان سے پوچھ لینا"۔(۱)

جوں جوں وقت آگے بڑھتا جاتا آپ کے اندر وصال محبوب کا شوق بڑھتا جاتا تھا، نصف صدی تبلیغ، اصلاح وتربیت، اشاعت حق، اعلائے کلمۃ الدین، احیائے سنت، اتباع شریعت، امر المعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دے کر اخیر رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اب آفتاب رشد وہدایت روپوش ہو گیا، اصلاح وارشاد اور درس وتدریس کی مسند سے آنے والی حق کی آواز خاموش ہو گئی۔ آپ کی تاریخ وفات، مہینہ اور سن تینوں میں اختلاف ہے، سن وفات تحقیق کی رو سے ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء، ہی صحیح ہے، مہینہ میں بعض نے ربیع الثانی اور صاحب تکملہ نزہۃ الخواطر نے جمادی الاخریٰ رقم کیا ہے، اور خانوادۂ علم اللہی میں بھی جمادی الاخریٰ ہی مرقوم ہے، دن کے

---

(۱) تذکرۃ الامین: ۸۱، ناشر: (مولانا) شبیر احمد ندوی، سن اشاعت ۱۹۹۹ء

دوشنبہ ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔(۱)

وصال سے ایک ماہ پہلے سے ہی بغیر کسی طبی شکایت کے غذا بالکل چھوڑ دی تھی، مگر معمولات میں کسی طرح کمی نہیں آتی تھی، وفات کے دن معمولات میں کچھ کمی کی، مولانا کے برادر کلاں مولانا حکیم سید محمد متین یمین حسنی نصیر آبادیؒ کے حوالہ سے مولانا اصلاحی نے لکھا ہے:

> ''حسب دستور صبح کو میں آپ کے پاس آکر بیٹھ گیا، اس وقت نائی کو بلا کر حجامت بنوانے لگے، میں نے کہا: آج تو دوشنبہ کا دن ہے، آج تک تو آپ کی عادت پنجشنبہ کو حجامت بنوانے کی تھی۔ فرمایا: دوشنبہ سمجھ کر بنواتا ہوں، میں نے موقع کو غنیمت سمجھ کر سلسلہ کلام جاری رکھا، اور کہا کہ اگر اختلاط کے کسی فساد کی بنا پر غذا ترک ہوگئی ہے تو باقاعدہ تشخیص اور علاج ہونا چاہیے۔ جواب دیا: کوئی علاج کارگر اور کوئی دوا صحت بخش نہ ہوگی، معلوم ہوتا ہے کہ مالک کی یہی مرضی ہے کہ اب میں اس کے دربار میں حاضر ہو جاؤں''۔ (۲)

عصر کی نماز سے پہلے آپ دولت کدہ تشریف لے گئے، اور تھوڑی دیر آرام فرمایا، مسجد سے عرصہ کے بعد مکان تشریف لے گئے تھے، اس لیے مستورات کو بڑی خوشی ہوئی، اور رفیقۂ زندگی کو صبر وشکر کی تلقین فرمانے لگے، اور پھر مسجد تشریف لے گئے، نماز عصر اور تلاوت قرآن مجید کے بعد کچھ محو گفتگو رہے، اور آفتاب نے بھی کسی آنے والے حادثہ سے مغموم ہو کر چہرہ پر زردی کا نقاب ڈال لیا، اور پھر الوداعی نگاہ حسرت ڈالتے ہوئے افق مغرب میں روپوش ہو گیا۔ مغرب کی اذان ہوئی اور اس کے بعد کسی تکلف کے بغیر کھڑے ہو کر نماز پڑھائی، اور مولانا اصلاحی نے لکھا ہے:

> ''حسب معمول وظیفہ اور مراقبہ میں بیٹھ گئے''۔

---

(۱) صحیح تاریخ وفات یہ ہے: ۱۲/ جمادی الاخری ۱۳۴۹ھ مطابق ۵/ نومبر ۱۹۳۰ء

(۲) یادگار سلف: ۹۳

لیکن اس سلسلہ میں مولوی محمد کاظم نصیر آبادیؒ کا بیان زیادہ قابل اعتماد ہے، وہ لکھتے ہیں:

"آپ نے سنت سے فارغ ہو کر نفل پڑھنا شروع کیا...... حضرت نے پہلی رکعت بڑی اچھی طرح سے ادا فرمائی، دوسری رکعت میں پہلا سجدہ کرنے کے بعد جو اٹھے تو لیٹ گئے"۔(۱)

آپ کے خادم واجد خان نے ادھر آپ کے برادر کلاں کو آواز اور دوسری طرف مولوی عبد الرشید مئوی دونوں ہاتھوں سے ٹیک دئے ہوئے تھے، کہ برادر کلاں نے اپنے سینہ پر آپ کا سر مبارک رکھ لیا، امکانی کوشش بہت کی گئی، فائدہ کیسے ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص بندہ اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو چکا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، للّٰہ ما اعطیٰ، ولہ ما اخذ، کل شیء عندہ بأجل مسمیٰ۔ نصف صدی کا تھکا ماندہ مسافر اب نیند کے آغوش میں تھا۔ آپ کے پس ماندگان میں آپ کی رفیقۂ زندگی حضرت سیدہ خیر النساء بنت جناب سید محمد علیم عرف سید حیدر علی نصیر آبادیؒ، دو بھائیوں حضرت مولانا سید محمد متین یمین حسنی نصیر آبادیؒ، مولوی حافظ ڈپٹی سید عبد الستار حافظ حسنی نصیر آبادیؒ کے علاوہ سیکڑوں شاگرد اور ہزاروں ہزار ارادت مند ہیں، جن سے آپ کا روحانی سلسلہ نسب آج جاری ہے، ان شاء اللہ تا قیامت جاری وساری رہے گا۔

دوشنبہ کے غروب آفتاب کے بعد آپ کی وفات ہوئی، اور سہ شنبہ کے دن تجہیز وتکفین ہوئی، جنازہ میں اس قدر ہجوم تھا کہ قصبہ کے اندر وسیع وعریض جگہ کی کمی کی وجہ سے نماز جنازہ کے لیے عیدگاہ کا میدان تجویز کیا گیا، ارادت مند قصبہ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے، تین مرتبہ جنازہ کی نماز پڑھی گئی، نماز کے بعد جنازہ روضۂ دیوان خواجہؒ میں لایا گیا، مسجد سے متصل جہاں اکابر خانوادۂ قطبیہ محوِ خواب ہیں، میں آپ کی تدفین عمل میں آئی، تدفین کے وقت لوگوں کی تعداد سہ چند ہوگئی، علم وحکمت کا ماہتاب جس

---

(۱) تذکرۃ الامین: ۸۴

کی روحانی روشنی سے روئے زمین منور و روشن تھی اسی ماہتاب اور اس کی روشنی کو قبر نے اپنی آغوش میں محفوظ کرلیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ونور مرقدہٗ۔

سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے آپ پر خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے یادگار سلف (ص:۱-۲) کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے یہاں بعینہٖ درج کیا جاتا ہے:

"اس زمانہ قحط الرجال میں جو جنس سب سے زیادہ کمیاب ہے وہ اتقیاء اور صلحاء کا وجود ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو علماء کا فریضہ خاص ہے، وہ مسامحت اور مداہنت میں بدلتا جاتا ہے، ہم برائیاں دیکھتے ہیں، بدعات روزمرہ نظر سے گذرتی ہیں مگر کبھی سوسائٹی کی تاثیر، کبھی مصلحت وقت کا خیال، کبھی بڑوں کی بڑائی اور اکثر حب جاہ اور طمع دنیا، کلمہ حق کے اظہار سے باز رکھتا ہے، اور یہ ہمارے علماء کی وہ کمی ہے جس سے بہت کم لوگ محفوظ ہیں۔ وما أبرئ نفسی.

ایسے وقت میں اگر درمیان کوئی ایسی ہستی تھی جو اس وصف سے ممتاز تھی، اور جس نے اپنی ساری زندگی اسی نہج سے گزاردی کہ جہاں سے گزر ہوا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ قدم قدم پر ادا کرتے چلے، بدعات کا استحصال، برائیوں کا قلع قمع، مراسم خبیثہ کا ابطال، مناظروں، قلمی اور زبانی بحثوں اور قیل وقال سے نہیں بلکہ خدا ورسول کے حکم کے مطابق عملاً کیا، اور مسلمانوں کو اپنے زور حق اور کلمہ حق کی قوت سے اس کے ماننے پر مجبور کیا۔

کتاب اور سنت کی تعلیم، صحیح عقائد کی تلقین، رسوم جاہلیت کی تردید اور بدعات سیۂ کے محو کرنے میں حضرت مولانا سید محمد امین صاحب رائے بریلویؒ کو جو حضرت مولانا اسماعیل شہید دہلویؒ کے پیر

ومرشد حضرت مولانا سید احمد (رائے) بریلوی رحمۃ اللہ علیہم کے خانوادہ سے تھے، بڑا امتیاز حاصل تھا، مولانا کے حلقۂ ارشاد میں ملک کے دوسرے حصوں کے علاوہ ہمارے ضلع اعظم گڑھ کے دیہات بھی داخل تھے، وہ وقتاً فوقتاً مسلمانوں کے اصرار سے ان دیہاتوں میں تشریف لاتے تھے، اور اپنے وعظ و پند اور نصائح دلگیر سے سے متاثر اور اپنے معتقدوں کو امر و فرمان اور حکم سے مرعوب حق بنا کر ان کی اصلاح کرتے تھے، اور حق یہ ہے کہ بڑا کام کرتے تھے، بہتوں نے ان کی نصیحت سے فیض پا کر توبہ کی، اور بہت سے گھروں سے بدعات و مراسم فاسدہ کا ازالہ ہوا، اور کتنے دیہاتوں میں ان کی تلقین سے دین کی روشنی پھیلی"۔

صاحب فتاویٰ کا مسلک ☆

اگر ضرورت شدیدہ داعی ہے تو بھائی، ورثاء اور تلامذہ کے مشورہ سے فقیر کی نیابت کے لیے کسی ایسے شخص کا انتخاب کیا جائے جو متبع سنت ہو اور ہمارا شاگرد و مرید ہو کیونکہ کوئی دوسرا شخص ہم سے اور ہماری عقل و فکر اور مشرب و مسلک سے آگاہ نہیں، غرض کہ مسلک فقیر پر کاربند رہے، ورنہ نہیں، فقیر کا وہی مسلک ہے جو شاہ ولی اللہ اور مولانا فرنگی محلی کا مسلک ہے، چنانچہ مجموعۃ الفتاویٰ کے طریقہ و منوال کی میں نے پیروی کی ہے اور اسی روش کو اختیار کیا اور اپنایا ہے۔ واللہ اُعلم.

☆ حامی دین متین جامع الشریعت والطریقت مولانا سید محمد امین حسنی الحسینی نصیر آبادیؒ نے وفات سے چار سال پہلے ایک فارسی مکتوب میں خلافت و نیابت اور فقہی مسلک کی نسبت ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا تھا، اس سوال پر ۳/ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ، کی تاریخ درج ہے، اس کے ایک اہم حصہ کو یہاں ”صاحب فتاویٰ کا مسلک“ کے عنوان سے شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب العقائد والبدعات

آخرت میں دیدارِ الٰہی کیسے ہوگا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس باب میں، چونکہ دیدار دو قسم کا ہوتا ہے، ایک دیدار رویت [ہے، اور] دوسرا دیدار ادراک۔ دیدار رویت وہ ہے کہ دیکھنا کسی شئی کا ثابت ہو لیکن تحقیق کما حقہ مفہوم نہ ہو، مثلاً آفتاب نور کا ایک ٹکڑا تجلی وار نمایاں ہوتا ہے، لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کہاں سے ہے؟ اور کیسا بنا ہوا ہے؟

اور دیدار ادراک وہ ہے کہ جو چیز دیکھی جاوے اور دیکھنے کے ساتھ ہر چیز کی تحقیق بھی ہو، مثلاً صورت انسان سے سمجھنا چاہیے کہ دیکھنے کے ساتھ ہر چیز کی تحقیق ہو سکتی ہے، یعنی آنکھ، کان [اور] ناک اس طرح بنی ہوئی ہیں۔

پس جو دیدارِ خدا، اہل اسلام کے لیے سنا جاتا ہے، تو [وہ] کس طرح کا ہوگا؟۔

(از ساگر)

هو الموفق

جواب: مسلمان کو آخرت میں رویت یعنی دیدار، حق تعالیٰ کا نصیب ہوگا، جس کو سائل بعبارت دیدار رویت سائل ہوا۔

كما في شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري: والله تعالىٰ يُرىٰ بصيغة المجهول أي ينظر اليه بعين البصر في الآخرة أي يوم القيامة بقوله تعالىٰ وجوه يومئذٍ أي يوم القيامة ناضرة أي حسنة منعمة

بهيئةٌ مشرقةٌ متحلّلةٌ، الىٰ ربها ناظرةٌ أى تراه عياناً بلا كيفيةٍ ولا جهةٍ ولا ثبوت مسافة، وحين يرىٰ ربه لا يلتفت الىٰ غيره.

ولقوله تعالىٰ كلا انهم أى الكفار عن ربهم يومئذٍ لمحجوبون أى لممنوعون أى بخلاف الأبرار والمؤمنين، فانّهم فى نظر ربهم مقربون.

ولقوله صلى اللّٰه عليه وسلم كما فى الصحيحين وغيرهما: انّكم سترون ربكم كما ترون القمر ليلة البدر لا تضامون فى رؤيته، وفى رواية: لا تضا رون. وهو حديث مشهورفى الصحيحين وغيرهما مذكور، وقد رواه أحد وعشرون من أكابر الصحابة، ويراه المؤ منون وهم فى الجنة بأعين رؤوسهم. لقوله عليه الصلاة والسلام علىٰ ما رواه مسلم: اذا دخل أهلُ الجنةِ الجنّةَ، يقول اللّٰه تبارك وتعالىٰ: تريدون شيئاً أزيدكم، فيقولون: ألم تبيّض وجوهنا؟ ألم تدخلنا الجنة وتنجنا من النار؟ قال: فيرفع الحجاب أى من وجوه أهل الجنة، فينظرون الىٰ وجه اللّٰه سبحانه، فما أعطوا شيئاً أحبَّ اليهم من النظر الىٰ ربهم. انتهىٰ.(۱)

[ترجمہ: جیسا کہ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "شرح الفقہ الأکبر" میں ہے، کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کا دیدار بچشم سر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس دن بہت سے چہرے کھل رہے ہوں گے، اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے یعنی اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے وہ بغیر کیفیت وجہت اور ثبوت مسافت کے دیکھیں گے، اور وہ جب اپنے

---

(۱) شرح الفقه الاكبر: ٦٦، مطبعة التقدم بشارع محمد على بمصر، الطبعة الاولى ١٣٢٣ھ، اعتناء- السيد محمد بدر الدين أبو فراس النعساني الحلبي

رب کو دیکھیں گے تو کسی اور کی طرف التفات نہیں کریں گے۔
ایک دوسری آیت میں ارشادِ الٰہی ہے: خبردار! یقیناً ایسے لوگ اپنے رب سے اس دن روک دیے جائیں گے۔ برخلاف مؤمنین اور نیک لوگوں کے کہ بلا شبہ اپنے رب کے دیدار میں قریب ہوں گے۔
صحیحین اور دیگر کتب میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بے شک تم اپنے پروردگار کا عنقریب دیدار کرو گے، جس طرح کہ شب چہاردہم کا چاند دیکھتے ہو، اور تمہیں اس کے دیکھنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی"۔ یہ ایک مشہور حدیث شریف ہے جو صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں مذکور ہے اور اکیس اکابر صحابہؓ اس کے راوی ہیں۔
اور مؤمنین اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے درآنحالیکہ وہ سب جنت میں ہوں گے۔ مسلم شریف کی روایت کے مطابق جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب جنت والے جنت میں داخل ہو جائیں گے، تب اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا، کیا کسی چیز کی مزید تم خواہش کرتے ہو کہ میں عطا کروں، جنت والے جواب دیتے ہوئے کہیں گے کہ کیا تو نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں فرمایا؟ اور جنت میں داخل نہیں کیا؟ اور دوزخ کی آگ سے نجات نہیں دی؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا، حجاب (پردہ) اٹھایا جائے گا اہل جنت کے چہروں سے، تو وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ جبکہ ان کو اپنے رب کے دیدار سے بڑھ کر کوئی چیز عطا نہیں کی جائے گی"]۔

والله أعلم بالصواب واليه المرجع والمآب، وحرره العبد المذنب محمد أمين حسني الحسيني، عصمه الله عن الشرور في الدنيا والدين، عن خلاف البطون والظهور، جعله في الكونين بالسرور وغفر له الذنوب وستر له العيوب، يا علام الغيوب.

خدا کو جوہر یا عرض ماننا؟

سوال: نحمده و نصلي على سيدنا رسوله الكريم [أما بعد]

ائمہ ہمام وعلمائے احناف کرام کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے جو اپنے آپ کو مذہب حنفی کا عالم ظاہر کرتا ہے، آیت کریمہ:

﴿اللّٰهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾(۱) کے تحت میں بیان کیا کہ [اللہ] تعالیٰ واجب الوجود ہے، اور ہر موجود کے لیے جوہر یا عرض ہونا لازمی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ جوہر اور نور لطیف ہے۔ آیت صدر سے نور، اور ﴿وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾(۲) سے لطیف ہونا ظاہر ہے، اور ﴿إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ﴾(۳) اور سمیع بصیر وعلیم خبیر وغیرہ اسمائے حسنیٰ وآیات طیبات سے جوہر لطیف ہونا بالکل ثابت ہے۔

اس کے رد میں جب کتب عقائد ''فقہ اکبر و شروح فقہ اکبر [از] علامہ علی القاریؒ''، ''ابی المنتہیٰ''، ''تکمیل الایمان'' پیش کی گئی تو کہا کہ یہی میرا عقیدہ ہے، اور اس کو میں بھی مانتا ہوں، لیکن جب اللہ تعالیٰ کو موجود اور واجب الوجود مانتے ہو، تو مجبوراً جوہر یا عرض ماننا پڑے گا۔ پس یہ قول کیسا ہے؟ اور ایسے شخص کو مذہب حنفی کا عالم اور نماز میں پیش امام کرنا اور سمجھنا کیسا ہے؟ صاف صاف ارشاد ہو۔ والاجر علی اللہ۔

هو الملهم للحق والصواب

جواب: بشرط صدق سوال، صورت مستفسرہ مصطلحات ومسائل فلاسفہ وحکماء سے [متعلق ہے]، نہ شرعیہ، نہ قرآن، نہ حدیث سے۔ جس کو اس قدر فرق وتمیز نہ ہو، کب گروہان حق پژوہان علماء سے محدود ہوگا؟

یہ کہنا کہ ہر موجود کے لیے جوہر یا عرض (۴) ہونا لازمی [ہے]۔ کئی وجہ سے غلط

---

(۱) النور: ۳۵ (۲) الأنعام: ۱۰۳ (۳) فصلت: ۵٤

(۴) جوہر وہ شی ہے جو بالذات قائم ہو، یعنی اپنے قیام میں دوسرے کی محتاج نہ ہو، جیسے دیوار اور سایہ کی مثال میں دیوار جوہر ہے کہ وہ اپنے قیام میں سایہ کی محتاج نہیں، سایہ رہے نہ رہے وہ اپنی جگہ کھڑی رہے۔ اور عرض وہ شی جو اپنے قیام میں دوسرے کی محتاج ہو، مثلاً دیوار اور سایہ والی مثال میں سایہ عرض ہے، وہ اپنے قیام میں دیوار کی محتاج ہے، دیوار نہ ہو تو اس کا وجود عدم ہے۔

[ہے] شرح مواقف میں ہے:

الأمور العامة أی ما لا یختص بقسم من أقسام الموجود التی هی الواجب والجوهر والعرض.(۱) انتهیٰ.

پس اقسام باہم قسیم ہوتے ہیں، مقسم موجود ٹھہرا، واجب کیسے جوہر ہوگا؟

وفیه أیضاً انا نقسمه أی الموجود الی وجود الواجب ووجود الممکن ووجود الجوهر.(۲) انتهیٰ.

دوسری: تقسیم مبدأ و مشتقات ایک سمجھنا، یہ بھی غلط [ہے]

کما قال فی شرح الشفاء: واعلم أن کلام الشیخ یدل علی أنه یجوز أن یکون الوجود المطلق موضوعاً للعلم الالٰهي کالموجود المطلق علی ما ذکره فی ما سبق، والأولی أن یقال: جعل الوجود موضوعاً للالٰهي قول علی سبیل المساهمة لأن التقاسیم الی الحقائق المحصلة یتصور فی الموجود دون الوجود.(۳) انتهیٰ.

[امور عامہ یعنی جو موجود کے اقسام میں سے کسی ایک قسم کے ساتھ خاص نہیں وہ واجب، جوہر اور عرض ہیں۔ اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہم اس کی یعنی موجود کی تقسیم وجود الواجب، وجود الممکن اور وجود الجوہر سے کرتے ہیں۔ شرح الشفاء میں ہے کہ شیخ کا کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وجود مطلق کا علم الٰہی کے لیے وضع کیا جانا جائز

(۱) شرح المواقف للسید الشریف علي، الموقف الثاني: ۹۵، مطبوعہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ، (مالک اودھ اخبار) نظر ثانی فرمودہ مولانا سید امیر علی ملیح آبادیؒ (مترجم فتاویٰ ہندیہ وصاحب مواہب الرحمٰن وعین الہدایہ، سابق صدر مدرس ومدیر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

(۲) حوالہ بالا، الموقف الثاني، المرصد الأول، المقصد الثاني: ۱۰۶

(۳) شرح الشفاء............؟

جیسا کہ موجود مطلق ہے اس بنیاد پر جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یہ کہنا بہتر ہے کہ ”جعل الوجود موضوعاً للالٰهی قول علی سبیل المساهمة“ اس لیے کہ حقائق محصلہ کی طرف تقسیم ہے کہ جس کا تصور وجود کے بجائے موجود میں ہوتا ہے]۔

تیسری: انقسام وجود کا طرف واجب وممکن کے (اور) اس کی قسمت سے لازم ہے قسمت طرف جوہر وعرض کے۔

چوتھی: جوہر وعرض اقسام ممکن سے ہے جس کو جسمیت وحدوث لاحق ہے۔ خدا تعالیٰ منزہ ہے اس سے۔

پانچویں: جوہر قسم القسم وجود یا موجود کی نہ ابتداءً، دیکھو شرح حکمۃ العین وغیرہ وغیرہ اس فن کو۔

وفی شرح المواقف: المقصد الثالث فی أن الوجود نفس الماهية أو جزء ها أو زائد عليها وفيه ثلاثة مذاهب.(۱) انتهىٰ.

اور کہا اس میں:

ثانيها مذهب الحكماء وانه نفس ماهية الواجب كما فى حاشيته. والاقسام على التفصيل كما يقسم الوجود الى وجود الواجب والممكن ووجود الممكن الى وجود الجوهر والعرض.(۲) انتهىٰ.

وفى شرح عقائد النسفي: ولا جسم لأنه متركب و متحيز وذلك أمارة الحدوث، ولا جوهر. أمّا عندنا فلأنه اسم للجزء الذي لا يتجزئ، وهو متحيز وجزء من الجسم، والله تعالىٰ

---

(۱) حواله بالاء الموقف الثانى، المرصد الاول، المقصد الثالث:۱۰۹

(۲) راجع لتفصيل المباحث الكلامية الى شرح المواقف للسيد الشريف أبى العلي علي الجرجاني.

متعال عن ذلك. وأمّا عند الفلاسفة فلأنهم وان جعلوه اسماً للموجود لا فى موضوع مجرداً كان أو متحيزاً، لكنّهم جعلوه من أقسام الممكن وأرادوا به الماهية الممكنة التى اذا وجدت كانت لا فى موضوع. انتهىٰ. وأمّا اذا أريد بهما القائم بذاته والموجود، لا في موضوع فانّما يمتنع اطلاقهما على الصانع من جهة عدم ورود الشرع بذلك مع تبادر الفهم الى المركب والمتحيز.(۱) انتهىٰ.

وفى شرح الفقه الأكبر لملا علي القارى: وسئل أبو حنيفة عن الكلام فى الأعراض والأقسام، فقال: لعن اللّٰه عمرو بن عبيد وهو فتح على الناس الكلام فى هذا. (۲)

قال القرطبي فى شرح مسلم: قال ابن عقيل: [قال بعض أصحابنا] أنا أقطع أن الصحابة -رضي اللّٰه عنهم- ماتوا، وما عرفوا الجوهر والعرض، فان رضيتَ أن تكون منهم فكُنْ، وان رأيتَ أن طريقة المتكلمين أولىٰ من طريقة أبى بكر وعمر، فبئس ما رأيته. (۳)انتهىٰ.

قال غوث الحقيقة امام الطريقة الشيخ عبد القادر الجيلاني رحمه اللّٰه في غنية الطالبين: لا يجوز عليه الحدود ولا النهاية

---

(۱)شرح العقائد النسفية: ۳۹، المیزان ناشران وتاجران کتب، الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

(۲)شرح الفقة الأكبر للامام ناصر السنة علي القاري: ۳۲، الطبعة الأولىٰ، سنة ۱۳۲۳ھ، مطبعة التقدم بشارع محمد علي بمصر، تصحيح: السيد محمد بدر الدين أبو فراس النعساني الحلبي

(۳)المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، كتاب العلم، باب كراهية الخصومة فى الدين والغلو فى التأويل والتحذير من اتباع الأهواء، ۶۹۱/۶، دار الكلم الطيب، دمشق، بيروت، الطبعة الأولىٰ(۱۴۱۷ھ-۱۹۹۶م)

ولا القبل ولا البعد ولا تحت ولا قدام ولا خلف ولا كيف، لأن جميع ذلك ما ورد به الشرع الا ما ذكرنا من أنه على العرش استوىٰ على ماورد به القرآن والأخبار، بل هوعزّ وجلّ خالق لجميع الجهات ولا يجوز به الكمّية. (۱)انتهیٰ.

[شرح مواقف میں ہے: مقصد ثالث اس کے بیان میں ہے کہ وجود نفس ماہیت ہے، یا اس کا جزء یا اس سے زائد، اور اس میں تین مذاہب ہیں۔ اسی میں ہے: دوسرا مذہب حکماء کا ہے، اور وہ نفس ماہیۃ الواجب ہے، جیسا کہ اس کے حاشیہ مین ہے۔ تفصیل کے ساتھ اقسام جیسے وجود کی تقسیم وجود الواجب اور ممکن سے ہوتی ہے اور وجود الممکن کی وجود الجوہر اور عرض کی طرف ہوتی ہے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے کہ اور نہ ہی جسم ہے اس لیے کہ وہ مترکب اور متحیز ہے، اور یہ حادث ہونے کی علامت ہے۔ اور وہ نہ ہی جوہر ہے۔ اور جہاں تک ہماری بات ہے تو یہ جزء لایتجزیٰ کا نام ہے، اور یہ متحیز اور جسم کا ایک جزء ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند ہے، اور جہاں تک فلاسفہ کی بات ہے تو اگر چہ انہوں نے اس کو موجود کے لیے نام دیا ہے، نہ کہ موضوع میں، خواہ مجرد ہو یا متحیز، لیکن فلاسفہ نے اس کو ممکن کے اقسام میں شامل کیا ہے، اور اس سے وہ ماہیت ممکنہ مراد لیتے ہیں کہ جو موجود ہے نہ کہ موضوع میں۔ اور اگر ان دونوں سے قائم بذاتہ اور موجود مراد ہوں نہ کہ موضوع میں ہو، پس ان دونوں کا اطلاق صانع پر شریعت میں عدم ورود کی جہت سے ممتنع ہے، باوجود

---

(۱) غنية الطالبين للامام الشيخ عبد القادر الجيلاني الحسني الحسيني، اردو ترجمہ مع متن عربي، الباب الثامن، فصل اعلم أنّ لأهل البدع علامات: ۱۹۲/۱، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی، طبع اول ۱۹۷۶ء، ترجمہ از مولانا راغب رحمانی دہلوی

اس کے کہ عقل وفہم اور دھیان مرکب اور متحیز کی طرف جلد جاتا ہے۔
ملاعلی قاری کی کتاب ”شرح فقہ اکبر“ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ سے اعراض واقسام کے بارے میں کلام کرنے کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو عمرو بن عبید پر کہ اس نے اس بارے میں کلام کرنے کا دروازہ کھولا۔
امام قرطبیؒ شرح مسلم شریف میں فرماتے ہیں کہ ابن عقیل نے کہا کہ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین (دنیا سے اس حال میں) انتقال کر گئے کہ انہوں نے جوہر وعرض کو نہیں جانا، پس اگر تو چاہتا ہے کہ ان میں تمہارا شمار ہو تو ان کی طرح بن، اور اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ متکلمین کا طریقہ حضرت ابوبکر وعمر کے طریقہ سے اولیٰ وبہتر ہے تو تیرا یہ خیال نہایت برا خیال ہے۔
غوث الحقیقت امام الطریقت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ”غنیۃ الطالبین“ میں فرماتے ہیں: نہ اللہ پر حدود کا اطلاق اور نہایت کا اطلاق جائز ہے، وہ چھ سمتوں سے اور کیف وکم سے متصف نہیں۔ شریعت مطہرہ میں اللہ تعالیٰ کی یہ صفتیں ثابت نہیں، ہاں ہماری شریعت میں یہ ثابت ہے کہ حق تعالیٰ جل مجدہٗ عرش پر قائم ہے جیسا کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے، بلکہ حق تعالیٰ تمام سمتوں اور جہات کو پیدا کرنے والا ہے]۔
اللّٰه نور السمٰوات والأرض، قال البيضاوي: النور في الأصل كيفية تدركها الباصرة أوّلاً، وبواسطتها سائر المبصرات كالكيفية الفائضة من النيرين على الأجرام الكثيفة المحاذية لهما، وهو بهذا المعنىٰ لا يصح اطلاقه على اللّٰه تعالىٰ الّا

بتقدير مضاف كقولك: زيد كرم بمعنى ذو كرم أو على تجوّز، امّا بمعنى منور السمٰوات والأرض، وقد قرئ به، فانه تعالىٰ نوّرها بالكواكب وما يفيض عنها من الأنوار أو بالملائكة والأنبياء، أو مدبّرها من قولهم للرئيس الفائق فى التدبير نور القوم، لأنهم يهتدون به في الأمور. أو موجدها فان النور ظاهر بذاته مظهر لغيره وأصل الظهور هو الوجود كما أن أصل الخفاء هو العدم، والله سبحانه موجود بذاته موجد لما عداه. (١)انتهىٰ. ويدل عليه قراءة زيد بن على وأبى جعفر وعبد العزيز المكي: الله نور السمٰوات والأرض على صيغة الفعل الماضى وفاعله ضمير يرجع الى الله، والسمٰوات مفعولة.(٢)الله نور السمٰوات والأرض...... الخ.

(اللہ روشنی آسمانوں کی اور زمین کی، کہاوت اس کی روشنی [کی] ہے جیسے ایک طاق، اس میں ایک چراغ، چراغ دوہرا شیشہ میں، شیشہ جیسے ایک تارہ ہے چمکتا، تیل جلتا ہے اس میں ایک درخت برکت کے سے، وہ زیتون ہے، نہ سورج نکلنے کی طرف لگتا ہے [اور نہ ڈوبنے کی طرف لگتا ہے] اس کا تیل کہ سلگ اٹھے ابھی، [خواہ] نہ لگی ہو اس کو آگ، روشنی پر روشنی، اللہ راہ دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہتا ہے، اور بتاتا ہے اللہ کہاوتیں لوگوں کو، اور اللہ سب چیز جانتا ہے یعنی اللہ سے رونق اور بستی ہے زمین اور آسمان کی، اس کی مدد نہ ہو تو سب ویران ہو جاویں)۔

---

(١)تفسير البيضاوي:٤/١٠٧، دار احياء التراث العربى بيروت، الطبعة الأولىٰ ١٤١٨ھ، تحقيق: محمد عبد الرحمن المرعشى

(٢)فتح القدير للامام الشوكانى:٤/١٢٢، الطبعة الأولىٰ [١٤٢١ھ-٢٠٠٠م] دار ابن حزم

اور اللہ کی روشنی کی کہاوت [کے بارے میں، حضرت] ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ مؤمن کے دل میں روشنی ہے، کتنے پردوں میں سے ایک تیز روشنی رکھتا ہے سب سے اندر تارا سا ہے اور زیتون نہ شرق کا نہ غرب کا یعنی باغ کی بیچ کا نہ صبح کی دھوپ کھاوے (اور) نہ شام کی، ہرا اور جلتار ہے یا پیغمبر کو فرمایا کہ دل کا نور ملتا ہے، ان سے وہ ملک عرب میں پیدا ہوئے نہ مشرق میں نہ مغرب میں اس کا تیل نے آگ سلگنے کو تیار ہے ،یعنی مؤمن کے دل میں بے ریاضت ان کی صحبت سے روشنی پیدا ہوتی ہے، آگے فرمایا وہ روشنی ملتی ہے اس سے کہ جن مسجدوں میں کامل لوگ بندگی کرتے ہیں صبح وشام لگا رہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ علی بن ابی طلحہؒ نے روایت کیا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿اللّٰہُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ کی تفسیر میں کہ نور سے ہادی مراد ہے یعنی وہ ہادی ہے آسمانوں اور زمین [کے رہنے والوں] کا۔ ابو العالیہ نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اللہ کے قول ﴿اللّٰہُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا کہ یہ اس مؤمن کی کہاوت ہے جس کے دل میں اللہ نے ایمان اور قرآن کو رکھا ہے، اس آیت میں اللہ نے ایسے ایمان والوں کی مثال بیان فرمائی ہے۔

وفي شرح الفقه الأكبر لعلي القاري: ومعنى الشيء أي معنى كونه شيئاً لا كالأشياء اثباته أي اثبات وجود ذاته بلا جسم ولا جوهر ولا عرض أي في اعتبار صفاته، لأن الجسم متركب ومتحيز، وذلك أمارة الحدوث، والجوهر متحيز وجزء لا يتجزئ من الجسم، والعرض كل موجود يحدث في الجوهر والأجسام، وهو قائم بغيره لا بذاته كالألوان والأكوان من الاجتماع والافتراق والحركة والسكون كالطعوم والروائح، والله تعالىٰ منزه من ذلك، وحاصله أن العالم أعيان وأعراض، فالأعيان ما له قيام

بذاته، وهو امّا مركّب وهو الجسم أو غير مركّب كالجوهر وهو الذى لا يتجزئ، والله سبحانه منزّهٌ عن ذلك كله. وما أحسن قول الرازى رحمه الله المجسم ما عبد الله قط لأنه يعبد ما تصوره فى وهمه من الصورة، والله تعالىٰ منزّهٌ عن ذلك. (١)انتهىٰ. وفيه أيضاً: ومجمل الكلام وزبدة المرام أن الواجب لا يشبه الممكن ولا الممكن يشبه الواجب فليس بمحدود ولامعدود ولا متصور متبعض ولا متحيز ولا متركب ولا متناه ولا يوصف بالمائية والماهية ولا بالكيفية من اللون والطعم والرائحة والحرارة والبرودة واليبوسة وغير ذلك مما هو من صفات الأجسام ولا متمكن فى مكان لا علو ولا سفل ولا غيرهما ولا يجرى عليه زمان كما يتوهمه المشبهة والمجسمة والحلولية وليس حالاً ولا محلاً. انتهىٰ.(٢)

اور شیخ اجل ولی اللہ محدث الدہلوی علیہ الرحمہ اپنے رسالہ "اعتقاد الصحیح" میں فرماتے ہیں:

ليس بجوهر ولا عرض ولا فى حيز. (٣)انتهىٰ وقال على

---

(١)شرح الفقه الأكبر:٣٢، الطبعة الأولىٰ ١٣٢٣ھ، مطبعة التقدم بمصر، تصحيح: السيد محمد بدرالدين أبو فراس النعسانى الحلبى. (٢)المصدر السابق آنفاً

(٣)دیکھئے "العقيدة السنية شرح العقيدة الحسنة:٢٧-٣٠" مطبوعہ مجلس صحافت و نشریات، ندوۃ العلماء لکھنؤ، سن اشاعت ۲۰۰۳ء-۱۴۲۷ھ۔ حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی فہرست کتب میں "اعتقاد الصحیح" نام سے کسی کتاب یا رسالہ کا ذکر نہیں ملتا ہے، ممکن ہے کہ مخطوطہ کی شکل میں رہی ہو اور ایک عرصہ کے بعد نایاب بلکہ ناپید ہوگئی ہو، اگر یہ دریافت ہوجائے تو ایک علمی خزانہ کا انکشاف ہوگا۔ عجب بات یہ ہے کہ خانوادۂ ولی اللہ کے تذکرہ نویسوں کے یہاں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا..................باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

القاري في شرح الفقه الأكبر: فقد ذكر في غياث المفتي عن أبي يوسف، انّه لا تجوز الصلاة خلف المتكلم وان تكلّم بحق لأنه مبتدع، ولا تجوز خلف المبتدع، وعرضتُ هذه الرواية على أستادي رحمه الله فقال: تأويله أنه لا يكون غرضه اظهار الحق، والذي قاله أستادي رأيتُه في تلخيص الامام الزاهدي حيث قال: كان أبو حنيفة يكره الجدال على سبيل الحق، حتىٰ روي عن أبي يوسف أنه قال: كنّا جلوساً عند أبي حنيفة اذ دخل عليه جماعة، في أيديهم رجلان، فقالوا: ان أحد هذين يقول: القرآن مخلوق وهذا ينازعه ويقول: هو غير مخلوق. قال: لا تصلوا خلفهما. فقلت أما الأول فنعم، فانه لا يقول بقدم القرآن وأما الآخر فما باله لا يصلي خلفه؟ فقال: انهما ينازعان في الدين، والمنازعة في الدين بدعة. كذا في مفتاح السعادة.

.........باقی حاشیہ......عین ممکن ہے کہ "العقیدۃ الحسنۃ" یا "حسن العقیدۃ" کا ہی نام ہو۔ حسن العقیدۃ، امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی عقائد پر مختصر مگر بیش قیمت رسالہ ہے، برصغیر ہند و پاک بنگالہ و برما کے مدارس و معاہد اسلامی میں داخل نصاب ہے، اس کی ایک اہم اور سب سے جامع شرح عربی میں استاد العلماء مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ [تلمیذ رشید سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ] کے فیض رساں قلم سے ہے، "حسن العقیدۃ" کے متعدد اردو ترجمے ہوئے، ان میں ایک ترجمہ وہ ہے جس کو مولانا سید احمد ولی اللہی دہلویؒ نبیرۂ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی قدس سرہ نے مطبع احمدی دہلی سے شائع کیا ہے، اس کا عکس مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی [بانی و جنرل سکریٹری مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ، شاملی] نے سہ ماہی رسالہ "احوال و آثار" جلد اول، شمارہ چہارم ۱۹۹۵ء صفحہ: ۹-۲۹، میں تعارف، ترجمہ اور متن کے ساتھ شائع فرمایا، مولانا محمد نجم الدین اصلاحیؒ مؤلف "یادگار سلف" نے ملا محمود جونپوریؒ اور امام ولی اللہ دہلویؒ کے رسائل عقائد کو ایک ساتھ مختصر مجموعہ کی شکل میں بنام "أحسن العقائد" ادارۂ نشریات اسلام، جون پور (مشرقی یوپی) سے تعارف و عرض ناشر کے اضافہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔

ولعل وجه ذم الآخر حيث أطلق، فانّه محدث انزاله وانّه مكتوب فی مصاحفنا ومقروء بألسنتنا ومحفوظ فی صدورنا. وقال الشافعي رحمه اللّٰه: اذا سمعت الرجل يقول الاسم هو المسمىٰ أوغير المسمىٰ فاشهد بأنه من أهل الكلام ولا دين له. وقال أيضاً: لو علم الناس ما فی هذا الكلام من الأهواء لفرّوا منهم فرارهم من الأسد. وقال مالك رحمه اللّٰه: لا تجوز شهادة أهل البدع والأهواء. فقال بعض أصحابه فی تأويل ذلك: انّه أراد بأهل الأهواء أهل الكلام علی أيّ مذهب كانوا. ومنها: انّه يؤدی الی الشك والی التردد، فيصير زنديقاً بعد ما كان صديقاً، فروي عن أحمد بن حنبل رحمه اللّٰه انّه قال: علماء الكلام زنادقة. وقال أيضاً: لا يصلح صاحب الكلام أبداً ولا يكاد تری أحداً نظر فی الكلام الا وفی قلبه دغل، ولقد بالغ فيه حتی هجر الحارث بن أسد المحاسبي مع زهده وورعه بسبب تصنيفه كتاباً فی الرد علی المبتدعة، وقال: ويحك ألست تحكی بدعتهم أولاً ثم ترد عليهم؟ ألست تحمل الناس بتصنيفك علی مطالعة البدعة والتفكر فی الشبهة؟ فيدعوهم ذلك الی الرأي والبحث والفتنة هذا؟.(۱)انتهیٰ.

(ترجمہ: پس بلاشک مذکور ہے "غیاث المفتی" میں، جو مروی ہے [امام] ابو یوسفؒ سے، تحقیق نہیں جائز ہے نماز پیچھے علم کلام والے کے، اگرچہ بولے حق، اس لیے کہ بدعتی ہے، اور نہیں جائز پیچھے بدعتی

(۱)شرح الفقه الأكبر:٤، الطبعة الأولیٰ ١٣٢٣ﻫ، مطبعة التقدم بمصر، شارع محمدعلی، تصحيح: السيد محمد بدرالدين أبو فراس النعساني الحلبي

کے، اور پیش کیا میں نے [اس روایت کو] اپنے استاد پر، پس فرمایا: توجیہ اس کی یہ ہے جس میں [اس کی غرض] اظہار حق نہ ہو اور جس چیز کو میرے استاد نے فرمایا، دیکھا میں نے تلخیص امام زاہدیؒ میں جس جگہ کہ کہا، اور [امام] ابوحنیفہؒ برا جانتے تھے جدال کو بر سبیل حق یہاں تک کہ مروی ہے [امام] ابویوسفؒ سے، [امام] ابویوسفؒ فرماتے ہیں: میں (امام) ابوحنیفہ کے نزدیک بیٹھا تھا، اس وقت داخل ہوئی آپ پر جماعت پکڑی ہوئی دو مردوں کو، کہا لوگوں [نے] ایک اس میں کا کہتا ہے، قرآن نو پیدا ہے، اور یہ جھگڑتا ہے اس کو اور کہتا ہے نہیں، غیر مخلوق ہے یعنی نو پیدا [نہیں]۔ امام صاحبؒ نے فرمایا: نہ نماز پڑھو پیچھے ان دونوں کے۔ پس کہا میں نے (ابویوسف) لیکن پس پہلا تو خیر کہ قرآن کو قدیم نہیں جانتا مگر دوسرا [جو قرآن کو غیر مخلوق کہتا ہے] پس کیا اندیشہ نماز میں پیچھے اس کے؟ پس امام نے فرمایا: دونوں جھگڑتے ہیں دین میں اور جھگڑا دین میں بدعت ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کتاب "مفتاح السعادۃ" میں ہے)۔

وایں اوپر حال، اہل مجالس اعراس و میلاد محدث مروجہ ہیئت کذائی بقیام و مقررہ روز سوم و دہم و یازدہم بدعات شنیعات (جو نزدیک احناف کرام علیہم الرحمہ وغیرہم کے محقق ثابت ہے، جیسا کہ منقول ہو چکا)۔ ملا علی قاری ہروی حنفیؒ نے شرح فقہ اکبر میں امام ابویوسف و امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے اقوال کو نقل فرمایا، محدثات الامور والے صاحب بدعت ہیں، حنفیہ کرام علیہم الرحمہ نے سخت مذمت فرمایا اور امت اجابت سے خارج کر کے مثل کفار کے امت دعوت میں شمار کیا۔ چنانچہ کتاب مستند، اصول حنفیہ [میں] سے "توضیح و تلویح" ہے، جو متداول بین العلماء ہے، فرمایا صاحب توضیح نے:

وصاحب البدعة يدعو الناس اليها ليس هو من الأمة على

الاطلاق وسقطت العدالة بالتعصب أو السفه وكذا المجنون، اعلم أن البدعة لا تخلو عن أحد الأمرين امّا تعصّب وامّا سفه، لأنّه ان كان وافر العقل عالماً بقبح ما يعتقده، ومع ذلك يعاند الحق ويكابره فهو التعصب، وان لم يكن وافر العقل كان سفيهاً، اذ السفه خفة واضطراب يحمله على فعل مخالف للعقل لقلة التأمل، وامّا المجنون فهو عدم المبالاة، فالمفتى الماجن هو الذى يعلم الناس الحيل.(۱) انتهىٰ.

[بدعتی جو لوگوں کو بدعت کی طرف بلاتا ہے، وہ علی الاطلاق امت [اجابت] میں سے نہیں ہے، اوراس کی عدالت تعصب یا سفاہت اور اسی طرح جنون سے ساقط ہو جاتی ہے، جان لیجئے کہ بدعت دو چیزوں میں سے ایک سے خالی نہیں ہوتی، یا تو تعصب ہے یا سفاہت۔ کیونکہ اگر وہ وافر العقل ہے، اپنے اعتقادات کی برائی وقبح کو جاننے والا ہے، اوراس کے ساتھ حق کی مخالفت کرتا ہے اوراس کا انکار کرتا ہے تو یہ تعصب ہے، اوراگر وافر العقل نہیں ہے تو وہ سفیہ، کم عقل والا ہے، تو سفاہت خفت واضطراب کا نام ہے جو اس کو تامل وتدبر میں کمی کی وجہ سے عقل کے مخالف کام پر ابھارتا ہے۔ جہاں تک مجنون (پاگل) کی بات ہے تو یہ لاپرواہی اور بے توجہی کا نام ہے۔ اور غیر سنجیدہ مفتی لوگوں کو حیل (حیلوں) سے آگہی وعلم دیتا ہے]۔

اور کہا صاحب تلویح نے:

فی قوله ليس هو أى صاحب البدعة الذى يدعو الناس اليها من الأمة على الاطلاق، لأنه وان كان من أهل القبلة فهو

(۱) شرح التلويح على التوضيح ۲/۹۹، الطبعة الأولىٰ ۱۴۱۶ھ- ۱۹۹۶م، دار الكتب العلمية بيروت، ۲/۹۱، مكتبة صبيح بمصر العربية، الطبعة بدون الطبعة و التاريخ

من أهل الدعوة دون المتابعة كالكفار، ومطلق الاسم لأمة المتابعة المشهود لها بالعصمة. قال شمس الأئمة رحمه الله: صاحب البدعة ان لم يكن يدعو اليها ولكنه مشهورٌ بها، فقيل لا يعتدّ بقوله فيما يضلّ فيه، وامّا فيما سواه فيعتد به، والأصح أنه ان كان مظهراً لها فلا يعتد لقوله أصلاً، والا فالحكم كما ذكر. قوله بالتعصب هو عدم قبول الحق عند ظهور الدليل بناءً على ميل الى جانب. انتهىٰ.(۱)

[وہ صاحب بدعت جو لوگوں کو اس کی طرف دعوت دے، علی الاطلاق امت میں سے نہیں ہے، اگر چہ وہ اہل قبلہ میں سے ہے تو وہ کفار کی طرح، اہل دعوت میں سے ہے نا کہ امت اجابت سے ہے، اور امت متابعت (اجابت) کے لیے مطلق نام اس کی گمراہی وضلالت سے عصمت وحفاظت کی گواہ ہے، شمس الائمہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بدعتی جو بدعت کی وجہ سے مشہور ہے اگر چہ وہ اس کی طرف لوگوں کو نہ بلاتا ہو، تو کہا گیا کہ اس کے قول کا اس باب میں اعتبار نہیں ہوگا جس میں وہ گمراہ ہے، اور اس کے ماسوا میں اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا، صحیح قول یہ ہے کہ اگر وہ بدعت کو ظاہر کرنے والا ہو تو اس کے قول کا سرے سے اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو اس کا حکم وہی ہے جس کا ذکر آچکا ہے۔ قولہ بالتعصب یعنی کسی ایک پہلو کی طرف میلان کی بنیاد پر دلیل کے نمایاں ہونے کے وقت میں بھی حق کو قبول نہ کرنا]۔

فرمایا حبیب کبریاء زبدۃ الاصفیاء سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے:

ايّاكم ومحدثات الأمور، فانّ كلّ محدثة بدعة، وكلّ بدعة

---

(۱) المصدر السابق آنفاً

ضلالة. رواه أحمد وأبوداؤد والترمذي وابن ماجة. (۱) انتھیٰ.

[(دین میں پیدا کی جانے والی) نئی باتوں سے بچو، بیشک ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت ضلالت وگمراہی ہے]۔

قلمه العبد المذنب ورقمه العبد الكئيب الراجي الى رحمة ربه المتين محمد أمين محا الله عنه اثمه الخفي والمبين وعفا الله عن ذنبه الدقيق والسمين.

غیر اللہ کے واسطے ذبح کا شرعی حکم؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مشرک لوگ یا اہل ہنود جو کہ اپنے معبودان باطل کے نام پر جانور مثل بکرا، بکری، گائے وغیرہ آزاد کر کے اپنی ملکیت سے خارج کر دیتے ہیں یا اپنے باپ دادا کے نام پر داغ کر کے سانڈ چھوڑ دیتے ہیں، پھر ان جانوروں کو اگر کوئی مسلمان پکڑ کر ذبح کرے، اور ہندو لوگ منع نہ کریں تو اس قسم کے جانوروں کا کھانا حلال [ہے] یا کہ حرام؟ بینوا توجروا۔ کیونکہ بہت عرصہ گذرا کہ مولوی جعفر علی صاحب مرحوم [نقوی بستویؒ، میر ومنشی لشکر اسلام جماعت مجاہدین، وخلیفہ امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید قدس سرہ] نے ایک رسالہ موسوم بہ "ضمیمہ حلت وحرمت جانوران" قسم سائبہ وبحیرہ وغیرہما تالیف کیا ہے، اور اس میں لکھا ہے کہ سانڈ یا آزاد کیا ہوا جانور اگر کوئی پکڑ کر ذبح کرے، اور اس جانور کے چھوڑنے والے منع نہ کریں تو وہ ذبیحہ بلاشک حلال ہے، اور اس کا کھانا بھی حلال ہے بشرطیکہ اپنی ملکیت سے مشرک لوگ اس جانور کو نکال دئے ہوں۔

اور اس کے حلال ہونے کی دلیل قرآن شریف، پارہ سات، سورۂ مائدہ، رکوع/۱۴، کی آیت [۱۰۳] ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِن بَحِيرَةٍ وَلَا سَآئِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا

(۱) سنن الترمذي، أبواب العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة واجتناب......الخ، رقم: ۲٦٧٦، سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب: في لزوم السنة، رقم: ٤٦٠٧، سنن ابن ماجة، كتاب السنة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، رقم: ٤٢ . دار السلام، الرياض

حَــــام﴾ ٹھرائی ہے، اور مولانا اسماعیل علیہ الرحمہ [دہلوی] و مولانا عبدالحی صاحب مرحوم [بڑہانوی] سے سند بھی اس کے حلال ہونے کی مولوی جعفر علی مرحوم [نقوی بستوی] نے دی ہے، اور اسی رسالہ مذکور میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر اس مسئلہ میں کسی کو شک ہوے تو اس کا جواب قرآن شریف و حدیث صحیح سے دیوے نہیں، تو اس کے مطابق عمل کرے، اور شک کو دور کرے۔

لیکن مولوی جعفر علی مرحوم نے جو جانور کہ پیروں اور اولیاء و بزرگوں کی منت و تعظیم مان کر ذبح کیے جاتے ہیں، اس کو مطلق حرام لکھا ہے اور آیت ﴿وَمَـا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰـهِ بِـهٖ﴾(۱) سے استدلال کیا ہے اور ان کے حرام ہونے کی بہت سی دلیلیں کتب احادیث و تفاسیر و فقہ سے دی ہے مگر جو بتوں کے نام چھوڑے جاتے ہیں یا ہندؤں نے اپنے بزرگوں کے نام سانڈ چھوڑا ہے، اس کو ﴿وَمَـا أُهِـلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾(۲) سے علاحدہ شمار کیا ہے۔ اس لیے اس مسئلہ میں اشتباہ پڑا، [حضرت والا مسئلہ کی پوری وضاحت فرمائیں] فقط۔ (از علی پور کلکتہ)

هو المصوب

جواب: صورت مسئولہ میں دو صورت ہیں واقع [حقیقت] میں، (اور) ایک جان لینے میں قباحت، اور وہی وجہ، اشتباہ پڑ جانے کی ہوتی ہے، لہٰذا تفریق میں نظر رکھیں [تا کہ] دو صورت کو ایک نہ سمجھیں، (اور) حکم ہر واحد کو بلا تردد و بلا اشتباہ پہچانیں، (اور) وقت و قباحت و جھگڑا سے بچیں، ایک صورت تو یہ ہے کہ نذر سے مقصود تقرب الی غیر اللہ ہو، یعنی ذی روح ہو تو خون بہانا و جان دینا تعظیم غیر خدا کے سبب سے، صرف غیر خدا کے لحاظ سے، خاص کر کے جان دینی مقصود ہو، (اور) غیر خدا کی خوشنودی درکار...... ہو۔

(اور) غیر ذی روح ہو تو اس نذر سے بھی مقصود [و خوشنودی] خدا کی نہ ہو، بلکہ عظمت غیر خدا کی بتقرب الی غیر اللہ کی نیت سے وہ چیز چڑھائی جاوے، شیرینی ہو خواہ غلہ یا کوڑی پیسہ ہو یا جوڑا وغیرہ ہو، قبر و پتھر یا تعزیوں شہید و پیر یا شوالوں پر یا گنگا

(۱) المائدۃ: ۳ (۲) أیضاً

جمنا پر اور اس کے غیر پر، اسی قیاس پر تقرب الی غیر اللہ کے قصد سے جو چیز ہو، حرام ہے، اگر چہ ذبح کے وقت بسم اللہ کہا جاوے۔ بکرا شیخ سدو؛ (اور) مرغ بنام مسعود غازی، (اور) ہتھیلی کا، وگا ڈسید کبیر کی مانند، وپیسہ اودھی سر کی مانند کہ ان سب میں تقرب الی غیر اللہ مقصود ہوتا ہے، [اس لیے] حرام ہے۔ چنانچہ در مختار میں ہے:

ذبح لقدوم الأمير ونحوه كواحد من العظماء يحرم، لأنه أهلّ لغير اللّٰه، ولو وصلية ذكر اسم اللّٰه تعالىٰ، ولو ذبح للضيف لا يحرم، لأنه سنة الخليل، واكرام الضيف اكرام اللّٰه تعالىٰ. والفارق أنّه ان قدّمها ليأكل منها كان الذبح للّٰه والمنفقة للضيف أو للوليمة أو للربح، وان لم يقدّمها ليأكل منها بل يدفعها لغيره كان لتعظيم غير اللّٰه فتحرم.(۱) انتهىٰ.

اور تفسیر نیشا پوری میں ہے:

لو أن مسلماً ذبح ذبيحة وقصد بذبحها التقرب الى غير اللّٰه، صار مرتداً، وذبيحته ذبيحة مرتد.(۲) انتهىٰ.

[جو جانور امیر وغیرہ کسی بڑے آدمی کی آمد پر ذبح کیا جاتا ہے، وہ حرام ہو جائے گا، کیونکہ غیر اللہ کے واسطے ذبح کیا گیا ہے، اگر چہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر ساتھ کیا گیا ہے۔ اور اگر مہمان کے لیے ذبح کیا جائے تو حرام نہیں ہوگا کیونکہ مہمان کی خاطر ذبح کرنا سنت ابراہیمی ہے اور مہمان کی مہمان نوازی گویا کہ اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے۔ اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ اس نے اس کو پیش کیا ہے تا کہ وہ اس میں

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الذبائح:۹/٤٤۹، دار الكتب العلمية بيروت، ١٤٢٤ھ-٢٠٠٣م الطبعة الثانية

(۲) تفسیر نیسا پوری، سورۃ البقرۃ، آیت/۲/۱۷۲، کی تفسیر وتصریح میں ملاحظہ فرمائیں، امام رازیؒ کی مفاتیح الغیب موسوم بہ تفسیر کبیر ۵/۱۱، دار التراث العربی، بیروت، طبع دوم

سے کھائے، تو یہ ذبح کرنا اللہ تعالیٰ کی خاطر ہوا، اور خرچ کرنا مہمان کی خاطر ہوا، یا ولیمہ یا نفع اٹھانے کے لیے ہوا۔ اور اگر اس نے کھانے کے لیے پیش نہیں کیا ہے بلکہ اس کو دوسرے کو دیتا ہے تو یہ غیر اللہ کی تعظیم وتکریم کے واسطے ہوا، چنانچہ یہ حرام ہو جائے گا۔

اگر کوئی مسلمان کوئی جانور ذبح کرے اور اس کے ذبح کرنے سے غیر اللہ کا تقرب اس کو مقصود ہو، تو وہ شخص (اس فعل کی وجہ سے) مرتد ہو جائے گا، اور اس کا ذبیحہ گویا کہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا]۔

وعلی ہذا القیاس حرمت اشیاء منذورہ غیر خدا جو غیر ذی روح ہیں جس میں نذر الی غیر اللہ ہو، جاننا چاہیے کہ حرام ہے۔ جیسا کہ درمختار میں ہے:

اعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها الی ضرائح الأولیاء تقرباً الیهم، فهو بالاجماع باطل وحرام، ما لم یقصدوا صرفها لفقراء الأنام، وقد ابتلي الناس [بذلك ولا سیّما] فی هذه الأعصار. وقد بسطه العلامة قاسم فی شرح درر البحار. انتهیٰ.(۱)

[جان لو! کہ جو نذر اکثر عوام مردوں کے واسطے مانتے ہیں، اور جو دراھم، موم بتی اور زیتون وغیرہ اولیاء کرام کی قبروں میں ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے رکھے جاتے ہیں، تو وہ سب بالاجماع حرام اور باطل ہیں۔ جب تک کہ منذور چیز کو عام فقراء پر صرف کرنے کا قصد نہ کریں، اور اکثر لوگ اس معاملہ میں گرفتار اور مبتلا ہیں، خاص طور سے ہمارے اس دور میں، علامہ قاسم علیہ الرحمہ نے "شرح درر

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد، ۴۲۷/۳، دار الکتب العلمیة بیروت، ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳م الطبعة الثانیة

البحار" میں پوری بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے]۔
اور بحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے:

قال الشيخ قاسم فی شرح الدرر "اما النذر الذی يُنذره أكثرُ العوام على ما هو مشاهَدٌ كأنْ يكون لانسان غائب أو مريض أو له حاجة ضرورية، فيأتی [بعض] الصلحاء فيجعل ستره على رأسه، فيقول يا سيّدیُ فلان! ان رُدّ غائبی أو [عُوفي] مريضی أو قُضيَت حاجتی فلك من الذهب كذا، أو من الفضة كذا، أو من الطعام كذا، أومن الماء كذا، أومن الشمع كذا، أو من الزيت كذا، فهذا النذر باطل بالاجماع لوجوهٍ. منها: أنه نذرُ مخلوقٍ، والنذر للمخلوق لا يجوز، لأنه عبادة والعبادة لا تكون لمخلوق، ومنها أن المنذور له ميّتٌ لا يملك، ومنها ان ظنّ أن الميّت يتصرّف فی الأمور دون الله تعالىٰ واعتقاده ذلك كفر، اللّٰهُمّ الا انْ قال يا الله! انی نذرتُ لك ان شفيتَ مريضی أو رددتَ غائبی أو قضيتَ حاجتی أن أطعِمَ الفقراء الذين بباب السيدة نفيسة أو الفقراء الذين بباب الامام الشافعي أو الامام أبی الليث أو أشتری حصراً لمساجدهم أو زيتاً لوقودها أو دراهم لمن يقوم بشعائرها الیٰ غير ذلك ممّا يكون فيه نفع للفقراء والنذر للّٰه عزّ وجلّ.

وذكر الشيخ: انّمَا هو محل لصرف النذر لمستحقيه القاطنين برباطه أومسجده فيجوز بهذا الاعتبار اذ مصرف النذر الفقراء، وقد وجد المصرف ولا يجوز أن يصرف

ذلك لغني [غير محتاج] ولا لشريف منصب، لأنه لا يحل له الأخذ ما لم يكن محتاجاً فقيراً ...... ولم يثبت في الشرع جواز الصرف للأغنياء للاجماع على حرمة النذر للمخلوق ولا ينعقد ولا تشتغل الذمة به ولأنّه حرامٌ بل سحتٌ، ولا يجوز لخادم الشيخ أخذُه ولا أكلُه ولا التصرفُ فيه بوجهٍ من الوجوه الا أن يكون فقيراً أوْ له عيالٌ فقراء عاجزون عن الكسب وهم مضطرّون، فيأخذونه على سبيل الصدقة المبتدأة، فأخذه أيضاً [مكروهٌ] ما لم يقصد به الناذر التقرّبَ الى اللّٰه تعالىٰ وصرفه الى الفقراء، ويقطع النظر عن نذر الشيخ فاذا علمت هذا فما يؤ خذ من الدراهم والشمع والزيت وغيرها، وينقل الى ضرائح الأولياء تقرباً اليهم فحرام باجماع المسلمين، ما لم يقصدوا بصرفها للفقراء الأحياء قولاً واحداً.(۱) انتهىٰ.

[شیخ قاسم علیہ الرحمہ شرح الدرر میں فرماتے ہیں کہ جہاں تک اس نذر کی بات ہے، جو اکثر لوگ مانتے ہیں جو کہ مشاہدہ میں ہے، گویا کہ غائب انسان یا بیمار یا جس کو حاجت ضروریہ ہے تو وہ بعض صلحاء کے پاس آتا ہے، اس کا پردہ اپنے سر پر ڈالتا ہے، اور کہتا ہے کہ اے میرے سردار! میرا غائب سامان لوٹا دیا گیا، یا میرے مریض کو شفا ہو گئی یا میری حاجت پوری ہو گئی، تو اتنا سونا یا اتنا چاندی یا اتنا کھانا میرے لیے ہیں، تو (علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ) یہ بالاجماع باطل اور حرام ہیں۔

(۱) البحر الرائق شرح كنز الدقائق للعلامة ابن نجيم الحنفي، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲۹۸/۲، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان، مطبوعہ بلاسنہ

باطل اور حرام ہونے کے کئی اسباب ہیں:

(۱) ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ مخلوق کے لیے نذر ہے، اور مخلوق کے لیے نذر جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی جائز نہیں ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ شی منذور میت ہے اور میت کسی چیز کا مالک نہیں ہے۔

(۳) اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں یہ خیال ہوتا ہے کہ میت (قبر والا) اللہ تعالیٰ کے علاوہ معاملات اور کاموں میں تصرف کرتا ہے، اور اس کا ایسا اعتقاد (عقیدہ اور خیال) رکھنا کفر ہے۔ مگر یہ صورت درست ہوگی کہ وہ یہ کہے: الٰہی! میں تیرے لیے نذر مان رہا ہوں کہ اگر میرے اس مریض شفا وصحت دیدے یا میری گمشدہ چیز لوٹا دے یا میری ضرورت پوری کردے تو میں ان غریبوں کو کھانا کھلاؤں گا جو سیدہ نفیسہ کے یا امام شافعی کے یا امام ابو اللیث دروازے پر ہیں، یا ان کی مسجدوں کے لیے چٹائیاں، یا ان مساجد کی روشنی کرنے کے لیے تیل خریدوں گا، یا جو اس کے شعائر کو بجالائے اس کو دراہم (پیسے) دوں گا وغیرہ اس طرح کی وہ نذریں جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، اور جن میں فقیروں کے لیے نفع ہو۔

شیخ (قاسم علیہ الرحمہ) نے ذکر کیا ہے کہ بلاشبہ یہ نذر کے مستحقین پر صرف کرنے کی جگہ ہے جو کہ اس کے سرائے یا مسجد میں رہتے ہیں، تو یہ نذر اس اعتبار سے جائز ہوگی، کیونکہ اس کا مصرف فقراء ہیں، اور اس نے صحیح مصرف کو پالیا، اور اسے کسی مالدار یا صاحب حیثیت پر خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس کو یہ لینا اس وقت تک درست نہیں

ہے جب تک کہ وہ محتاج اور فقیر نہ ہو، اور شریعت میں مالداروں پر صرف کرنے کا جواز ثابت نہیں ہے، مخلوق کے لیے نذر ماننے کی حرمت کی وجہ سے، اور ایسی نذر منعقد نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی نذر پوری کرنا ضروری ہے، اور یہ نذر حرام ہے بلکہ سحت (سود) ہے۔ خادم شیخ کو نہ اس کا لینا جائز ہے اور نہ اس کا کھانا، اور نہ اس میں کسی طرح سے تصرف درست ہے، مگر یہ کہ وہ فقیر ہو، یا اس کے تہی دست اہل خانہ ہو جو کمائی سے مجبور ہوں، وہ اس کے حاجت مند ہوں، تو وہ اس کو از سر نو صدقہ کے طریقہ پر لے سکتے ہیں۔ اور اس کو ان چیزوں کا لینا بھی مکروہ ہے جو کہ نذر ماننے والے نے تقرب الی اللہ کا قصد نہیں کرے، اور نہ ہی فقیروں پر خرچ کرنے کا ارادہ کرے، اور شیخ کی نذر سے صرف نظر نہ کرے۔ جب تو نے یہ جان لیا اس چیز کے بارے میں کہ دراہم، شمع اور تیل وغیرہ لے جاتے ہیں، اور اولیاء کرام کی قبروں کے پاس ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے رکھے جاتے ہیں تو یہ سب بیک زبان تمام مسلمان، حرام ہیں جب تک کہ وہ اشیاء منذورہ کو زندہ فقیر لوگوں پر خرچ نہ کر دیں]۔

دوسری یہ ہے کہ اراقۃ الدم [خون بہانا] اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو اور ایصال ثواب واسطے غیر کے ہو، مانند قربانی جانب میت سے، اور جو جانور کہ چھوڑ دیے جاویں زندہ، مانند سانڈ اہل ہنود یا امثال اس کے وقف کفار یا ارسال کسی جانور کا بلا قطع کسی عضو یا قطع بعض عضو کے ساتھ زندہ رہا کر دیا جاوے، وہ تحت آیۂ کریمہ:

﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ﴾ (۱)

[اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا]

---

(۱) المائدۃ: ۳

میں نہیں داخل، جیسا کہ کفار مکہ نے جانوروں میں اپنی عقل سے تحریم وتحلیل کا حکم جاری کردیتے، کبھی اونٹنی کا کان چیر کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، اور دودھ ان کا کسی کو نہیں دیتے تھے، اور اس کی ذبح کو حرام جانتے تھے، اور اس کی تکریم میں خوشی بتوں کی سمجھتے تھے، اسی کو بحیرہ کہتے ہیں۔

اور بتوں کے نام پر جو جانور چھوڑ دیا جاوے، اور مشقت کا کام مثل بار برداری کے نہ لیا جاوے، اس کو سائبہ کہتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس حکم کا ان سے ابطال کیا اور فرمایا:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِن بَحِيرَةٍ وَلَا سَآئِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَام الخ﴾ (۱) [بحیرہ، سائبہ، وصیلہا ور حامی میں سے اللہ نے کچھ بھی مشروع نہیں کیا]

اس میں فقط ان کے احکام ثابت ہوتے ہیں نہ تحریم ذبح بحیرہ وسائبہ۔

لہٰذا جو جانور کہ معبودان باطل یعنی بتوں کے نام پر یا باپ دادا کے نام پر زندہ چھوڑے جاویں، ان کا پکڑ کر ذبح کرنا اس لیے حرام نہیں کہ وہ ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ......الخ﴾ (۲) میں داخل ہے، نہ اس لیے کہ بحیرہ وسائبہ حرام ہے بلکہ بسبب عدم ملک کے، کیونکہ مجرد چھوڑ دینے اور رہا کردینے سے مالک کی ملکیت سے خارج نہیں ہوجاتی، ہاں اگر اذن دی (اور) اجازت ہوجاوے یا اباحت عامہ کردے تب ان کو بسم اللہ کہہ کر ذبح کرنا اور کھانے کے لیے حلال ہوجانا لاکلام، درست ہوگا۔ کچھ عمل قبیح وفعل شنیع چھوڑنے والے سے حرمت نہ آئے گی۔ چنانچہ "رد المحتار" یعنی شامی میں ہے:

المختار [أنّه يملكه، و] في الصيد أنه لا يملكه اذا لم يبحه، وكذا في الدابة اذا سيّبها كما بسطه الشرنبلالي في شرحه. (۳) انتهىٰ.

---

(۱) المائدة: ۱۰۲ (۲) المائدة: ۳

(۳) در المختار للشامي مع الدر المختار، كتاب الصيد: ۱۰/۶۸، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية، ۱٤۲٤ه- ۲۰۰۳م

اور شرح کنز میں ہے:

وان کان مرسلاً فهو مال الغير، لا يجوز تناوله الا باذن صاحبه.(۱) انتهیٰ.

[شامی میں ہے کہ قول مختار یہ ہے کہ وہ اس کا مالک ہے، اور پرندہ کے بارے میں ہے کہ وہ اس کا مالک نہیں جب وہ مباح نہ کردے، اور جانور میں جب تک وہ چھوڑ دے۔ علامہ شرنبلالی نے اپنی شرح میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور شرح کنز میں ہے کہ اگر وہ چھوڑا ہوا ہے تو وہ دوسرے کا مال ہے، اس کا لینا مال والے کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوگا]۔

اور بدون اذن کے مال مغصوب ومسروق کے قبیل سے ہوگا، اور وہ حرام ہے، اس وجہ سے [کہ] اس میں حکم حرمت کا آئے گا، نہ بنا بر صورت سائبہ، جس میں جان دینا (اور) خون بہانا بتقرب الی غیر اللہ مقصود۔ پس اس کی حرمت تحت ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ داخل، (اور) اس کی صورت آخر کہ اس میں صرف بردہ کردینا (اور) چھوڑ دینا ہوتا ہے، اس کو وہ حکم ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ کا غیر شامل۔

پس مولوی جعفر علی صاحب مرحوم- کہ اجلہ خلفاء ہمارے جناب امام اوحد حضرت سید احمد طاب اللہ المرقد ونور اللہ المرصد، شہید فی سبیل اللہ کے، عالم باعمل وفاضل باکمل تھے- [نے] صحیح و درست تحریر فرمایا۔

واللّٰہ أعلم بالصواب، وعنده أم الكتاب، واليه المرجع والمآب، حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز اللّٰه عن ذنبه الخفي والمبين. فقط.

---

(۱) البحر الرائق شرح كنز الدقائق لابن نجيم الحنفي، ۸/۲۲۶، مكتبه رشيديه كوئٹه پاكستان، الدر المختار مع الرد، كتاب الصيد، ۱۰/۶۶، دار الكتب العلمية بيروت

ایصال ثواب

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین ان چند مسئلوں میں کہ زید نے مثلاً نیت روزہ، نماز کی مانی یا کسی نے قرآن پڑھ کر بخشنے کا اقرار کیا، تعداد ختم قرآن یا تعداد بھول گیا تو اس صورت میں ثواب کیونکر پہونچتا ہے؟ اگر تعداد ختم یا رکعت پچاس ہیں، اور زید ساٹھ (۶۰) رکعت یا ختم پڑھ کے یہ نیت کرے کہ پروردگار اس کا ثواب جن لوگوں سے اقرار کیا ہے ان لوگوں کو پہنچے، باقی کسی اور کو بخشنے کی نیت نہ کرے، اس طرح جائز ہے یا نہیں؟ اور نماز یا روزہ نفل کسی کو بخشے یا نہیں؟ اور درود شریف سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کسی کو بخشے یا نہیں؟ بدون رعایت اور بلاریاء کے بیان کرنا چاہیے، ان اللّٰه لا يضيع أجر المحسنين.

هو المصوب

جواب: مطابق غلبۂ رائے اپنے کے شخص معہود کو کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے خواہ تعداد مقدار ظنی کے برابر یا زائد پہنچتا ہے اور نیت ایصال ثواب کے کرے، جائز ہے۔ کما فی الحديث:

"لكل امرئ ما نوى" (۱) [ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی]

اور ثواب نماز وروزہ، نفل وصدقہ وغیرہ کا اموات کو پہنچانا درست ہے، اگر چہ عبادات مالیہ کا ثواب پہونچانا باتفاق درست ہے، (اور) عبادت بدنیہ میں اختلاف ہے لیکن

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب بدأ الوحي، باب كيف كان بدأ الوحي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم: ۱، باب ما جاء أن الأعمال بالنيات والحسبة، رقم: ٥٤، صحيح مسلم كتاب الامارة باب قوله صلى الله عليه وسلم: انما الأعمال بالنيات وأنه يدخل فيه الغزو وغيره من الأعمال، رقم: ۱۹۰۷، سنن أبي داؤد كتاب الطلاق باب فيما عنى به الطلاق والنيات، رقم: ۲۲۰۱، جامع الترمذي أبواب فضائل الجهاد باب ما جاء فيمن يقاتل رياءً وللدنيا، رقم: ۱٦٤٧، سنن النسائي كتاب الطهارة باب النية في الوضوء، رقم: ۷۵، سنن ابن ماجة كتاب الزهد باب النية، رقم: ٤۲۲۷

اصح یہی ہے کہ جائز ہے۔ كذا في الهداية:

أن الانسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره، صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرَها عند أهل السنة والجماعة. (١)انتهىٰ.

وفي الحديث: "ان الله تعالىٰ يرفع الدرجة للعبد الصالح في الجنة، فيقول: يا رب انىٰ لي هذه. فيقول: باستغفار ولدك. (٢) انتهىٰ.

[ہدایہ میں ہے: اہل سنت والجماعت کے یہاں انسان کا اپنے عمل، خواہ نماز ہو یا روزہ، یا صدقہ یا اس کے علاوہ (کسی عمل خیر) کا ثواب دوسرے کو دینا جائز ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں نیک بندہ کا درجہ ومقام بلند کرے گا، تو بندہ کہے گا کہ اے اللہ! یہ میرے لیے کہاں سے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تیری اولاد کی مغفرت کی دعا کی وجہ سے ہے]۔

والله أعلم بالصواب، وعنده أم الكتاب، حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني النصير آبادي تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين. فقط

محفل میلاد میں قیام؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین [ومفتیان] شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت اور ہر جگہ حاضر وناظر سمجھے، اور یہی سمجھ کر

---

(١)الهداية شرح بداية المبتدى، كتاب الحج، باب الحج عن الغير ٣٤٥/٢، مكتبة البشرىٰ كراتشي، ١٤٢٨هـ- ٢٠٠٧م، الطبعة الثانية

(٢)سنن ابن ماجة أبواب الأدب باب بر الولدين، رقم: ٣٦٦٠، شرح السنة للبغوي بزيادة كلمة "لك" كتاب الفعوات، باب من تستجاب دعوته، رقم: ١٣٩٦، دار الفكر بيروت، ١٤٢٥/٦هـ- ٢٠٠٥م

محفل میلاد میں تعظیماً کھڑا ہو، تو وہ مشرک ہے یا نہیں؟ اور محفل میلاد مروجہ وعمل ہذا، بہ ہیئت کذائیہ کا قرون ثلاثہ میں وجود ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا.

والله يقول الحق وهو يهدى السبيل وهو الملهم
للحق والصواب واليه المرجع والمآب

جواب: واقعی کفر قبیح وشرک صریح ہے غیر خدا کو حاضر وناظر سمجھنا، اور یہی سمجھ کر محفل میلاد میں تعظیماً کھڑا ہونا، (اور) ہر وقت وہر جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر جاننا۔ معاذاللہ، والعياذ بالله من ذالك۔ نئی شریعت کا تیار کرنا (اور) مدعی ہونا (اور) آپ کو عالم الغیب جاننا (اور) اعتقاد کرنا فی الواقع یہ عقیدہ شرک وکفر ہے، (اور) خلاف مالم يأذن به الله کا اجازت دینا (اور) غير ما يشرعه الله کا شرع ٹھرانا [ہے]۔ نعوذ بالله من شرك المشركين، والحمد لله رب العالمين، قال الله سبحانه وتنزه ذاته عز وجل [و] صفاته

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾(۱)

[اس جیسا کوئی نہیں]

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ﴾(۲)

[کیا ان کے لیے جو شریک ہیں انھوں نے ان کے لیے دین کا راستہ طے کیا ہے جس کی اللہ نے ان کو اجازت نہیں دی]

سوائے اللہ پاک کے کوئی شخص غیب داں نہیں، (اور) اگر کسی کو اللہ پاک کے سوا غیب داں جانے تو کفر صریح ہے۔ ''بحر الرائق'' میں ہے:

لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد النكاح ويكفر لاعتقاده أن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب. انتهیٰ (۳)

(ترجمہ: اگر نکاح کرے عورت سے اللہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ

---

(۱) الشوریٰ: ۱۱ (۲) الشوریٰ: ۲۱

(۳) البحر الرائق شرح كنز الدقائق مع منحة الخالق لابن عابدين الشامي: ۹۴/۳

وسلم کی گواہی سے، کافر ہو جائے گا اور نکاح نہ ہوگا، اس لیے کہ اعتقاد کیا اس نے اس امر کا کہ نبی جانتے ہیں غیب کو)۔

اور "فتاوی بزازیہ" میں ہے:

تزوج بلا شهود، قال: خدای و رسول خدای و فرشتگان را گواه کردم، يكفر لأنه اعتقد أن الرسول والملك يعلمان الغيب. انتهیٰ.(۱)

[کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا، یہ کہا کہ خدا اور رسول خدا اور فرشتوں کو میں نے گواہ بنایا، کافر ہو جائے گا، کیونکہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ رسول اور فرشتہ دونوں غیب جانتے ہیں]۔

اسی بزازیہ میں ہے:

وعن هذا قال علماء نا: من قال: ان أرواح المشائخ حاضرة تعلم، يكفر.(۲)

[جس نے کہا کہ مشائخ کی روحیں ہر جگہ حاضر رہتی ہیں اور (غیب کی

---

(۱) اصل عبارت یہ ہے:

تزوجها بشهادة الله تعالیٰ جلّ جلاله ورسوله عليه السلاة والسلاء، لا ينعقد ويخاف عليه الكفر لأنه يوهم أنه عليه السلاة والسلام يعلم الغيب. وعنده مفاتح الغيب ......الآية، وما أعلم الله تعالیٰ لخيار عباده بالوحي أو بالالهام الحق لم يبق بعد الاعلام غيباً. (البزازية مع الهندية: ٤/ ١٩٩، مكتبة زكريا ديوبند)

اسی طرح یہ عبارت بھی مسئلہ کو کتنی وضاحت سے بیان کرتی ہے کہ

"من تزوج بشهادة الله ورسوله يكفر لأنه ظن أنّ الرسول يعلم الغيب" [ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ اور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو وہ کافر ہے کیونکہ اس کا گمان ہے کہ رسول عالم الغیب ہے]

مالا بدمنہ میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تحریر فرمایا ہے: اگر کسے بدون شہود نکاح کرد، وگفت کہ خدا ورسول خدارا گواہ کردم یا فرشتہ را گواہ کردم کافر شود/ ۱۳۸، سب رنگ کتاب گھر لال کنواں دہلی

(۲) یہ عبارت فتاوی بزازیہ میں بڑی جستجو وتلاش کے بعد بھی نہیں ملی، کیا بڑی بات ہے کہ صاحب بزازیہ کی یہ عبارت ان کی کسی دوسری کتاب میں موجود ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

باتیں) جانتی ہیں، تو ایسا شخص کافر ہے]

''شرح عقائد نسفی'' میں ہے:

وبالجملة العلم بالغيب أمر تفرد به الله تعالىٰ، لا سبيل اليه للعباد الا باعلام منه والهام بطريق المعجزة أو الكرامة أو ارشادٍ الى الاستدلال بالأمارات فيما يمكن فيه ذلك، وبهذا ذكر في الفتاوىٰ أن قول القائل عند رؤية هالة القمر [أى دائرته] بكون مطر مدعياً علم الغيب، لا بعلامته، كفر.(۱)

[بالجملہ یہ کہ علم غیب ایک ایسا معاملہ ہے جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ تن تنہا ہے۔ اس کی طرف بندوں کی کوئی سبیل نہیں مگر یہ کہ اللہ ہی کی طرف سے اعلام ہو یا الہام، معجزہ یا کرامت کی راہ سے، یا ان نشانیوں سے استدلال کی رہنمائی کے ذریعہ جو کہ اس میں ممکن ہے، اسی وجہ سے فتاوی میں مذکور ہے کہ چاند کے دائرہ کو دیکھ کر بارش کے ہونے کا قائل ہونا علم غیب کا مدعی ہوکے، نہ کہ اس کی علامت سے، کفر ہے]۔

''مواھب لدنیہ'' میں ہے:

ان علم الغيب يختص بالله تعالىٰ، وما وقع منه على لسان رسوله صلى الله عليه وسلم وغيره، فمن الله تعالىٰ، اما بوحي أو بالهام. والشاهد لهذا قوله تعالىٰ ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَداً☆إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِن رَّسُولٍ﴾(۲) أى

---

(۱) شرح العقائد النسفية: ۱۷۱، الميزان ناشران كتب، الكريم ماركيث، لاهور پاكستان۔ شرح الفقه الأكبر: ۱۲۵، الطبعة الأولىٰ، مطبعة التقدم، بشارع محمد على بمصر

(۲) الجن: ۲٦-۲۷.

ليكون معجزة له. انتهىٰ. (۱)

[علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اور نبی اور غیر نبی کی زبان سے جو بھی بات جاری ہوئی، وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے، یا تو وحی کے ذریعہ سے، یا الہام سے۔ اس بات کی دلیل ارشادِ الٰہی ہے "وہ ڈھکے چھپے کا جاننے والا ہے، تو وہ اپنے بھید پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے کسی رسول کے جس کو اس نے پسند کر لیا ہو" تا کہ یہ اس کے لیے معجزہ ہو]۔

ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں یوں تصریح کی:

ثم اعلم أن أنبياء الله عليهم الصلوٰة و السلام لم يعلموا المغيبات الا من الأشياء ما علّمهم الله تعالىٰ أحياناً، وقد ذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ ﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (۲). انتهىٰ.(۳)

[بیشک انبیاء علیہم السلام غیب کی باتوں کو نہیں جانتے سوائے ان چیزوں کے جن کا علم اللہ تعالیٰ نے کبھی کبھار دیا ہے، احناف نے کفر کا بصراحت ذکر کیا ہے اس اعتقاد کی نسبت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، ارشادِ الٰہی ﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کی مخالفت اور معارضت کی وجہ سے]۔

(۱) المواهب اللدنية، الفصل الثاني في أنباءه صلى الله عليه وسلم بالأنباء المغيبات، للعلامة الخطيب القسطلاني: ۲/ ۱۹۰، المطبعة الشرفية لصاحبها السيد آفندی حسين شرف، ۱۹۰۸م، مصر۔ عون المعبود باب ذكر الفتن و الملاحم: ۱۱/ ۲۳۹، دار الفكر بيروت، ۱٤۱۵ھ– ۱۹۹۵م

(۲) النمل: ٦٥ (۳) شرح الفقه الأكبر: ۱۲۵، الطبعة الأولىٰ، ۱۳۲۳ھ، مطبعة التقدم، مصر، اعتناء– السيد محمد بدرالدين أبو فراس النعساني الحلبي

پس عقیدہ مذکورہ، خلاف نص قطعی وحدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے، ہے:

﴿وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾(۱)

[غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہی، وہی ان کو جانتا ہے، خشکی اور تری میں جو کچھ ہے، اس سے وہ واقف ہے اور جو پتا بھی گرتا ہے اس کو بھی وہ جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں جو دانہ ہے اور جو بھی خشک وتر ہے وہ سب کھلی کتاب میں موجود ہے]

﴿إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾(۲)

[میں تو اسی پر چلتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے اگر میں نے اپنے رب کی بات نہ مانی تو یقینا مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے]

﴿وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾(۳)

[اگر میں غیب کی بات جانتا تو بہت کچھ اچھی اچھی چیزیں جمع کر لیتا، اور مجھے تکلیف بھی نہ پہنچتی، میں تو ان لوگوں کے لیے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں جو مانتے ہیں]

”واللّٰہ ما أدری[وأنا رسول اللّٰہ] ما یفعل بی ولا بکم......الحدیث“.(٤)

[بے شک میں نہیں جانتا ہوں حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ

---

(۱)الأنعام: ۵۹ (۲)یونس: ۱۵ (۳)الأعراف:۱۸۸

(٤)صحیح البخاري، کتاب التفسیر، باب العین الجاریة فی المنام، رقم: ۷۰۱۸،درا السلام الریاض. مسند احمد، حدیث أم العلاء الأنصاریة، رقم: ۲۷٤۵۷، ۲۷٤۵۸

میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ ہوگا کیا؟]

جو خلاف قرآن وحدیث ہے مردود ہے۔ وعلیٰ ھذا القیاس محفل میلاد میں بھی حاضر وناظر سمجھنا۔ جیسا کہ تصریح کی قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ نے "تحفة القضاة" میں:

ما يفعله الجهّال علىٰ رأس كل حولٍ في شهر ربيع الأول ليس بشيء، ويقومون عند ذكر مولده صلى الله عليه وسلم، ويزعمون أن روحه صلى الله عليه وسلم يجيئ وحاضر، فزعمهم باطل، بل هذا الاعتقاد شرك، وقد منع الأئمة الأربعة عن مثل هذا. انتهىٰ. (۱)

[قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ "تحفۃ القضاۃ" میں لکھتے ہیں کہ جو نادان اور جاہل لوگ ربیع الاول کے مہینہ میں ہر سال کے آغاز میں کرتے ہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں، اور وہ ذکر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وقت کھڑے ہوجاتے ہیں، اور وہ خیال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (محفل میلاد میں) تشریف لاتے ہیں، اور حاضر ہوتے ہیں، تو ان کا یہ خیال باطل ہے بلکہ یہ اعتقاد شرک ہے۔ ائمہ کرام نے اس جیسی چیز سے منع کیا ہے] بات پوری ہوئی]۔

اکثر مشرکین جاہلین ہمارے زمانے کے اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام (اور) اولیاء اللہ ہر جگہ حاضر وناظر رہتے ہیں، اور اپنی پکاروں کی دستگیری کرتے ہیں، باطل (اور) محض غلط سمجھتے ہیں۔

پس براہ نذر وانجام مرام ومراد برآ سمجھ کر عمل مولد مروجہ متعارفہ قاضی الحاجات جان کر کرنا ساتھ آلات روشنی بلا ضرورت وشیرینیوں وفرشوں بکثرت، (اور) مردوں وعورتوں رنگارنگ بصورت وسیرت خلاف سنت وآیت بلکہ مرتکب حرمت بشدت

---

(۱) فتاویٰ رشیدیہ کامل: ۱۲۲ بحوالہ تحفۃ القضاۃ، مطبوعہ گلستاں کتاب گھر، دیو بند، باہتمام شاہد علی، سن طباعت ندارد

موچھیں بڑھی وداڑھی گھٹی وکٹی ومونڈی وجھڑی، نمازیں چھوٹی، روزہ ونماز، حج وزکوٰۃ ندارد، مولدین دارد حرام خوار، حرام کار، سود خوار، جفا کار، جمعہ کا نادار، جمعدار، ستمگار، زنا کار، زنادار، ریاکار، صغار وکبار کبائر وصغائر دار، شرک وکفر جملہ منہیات گرچہ پیراموں بادابادو مسکرات ومنکرات چنگ ورباب، معازف ومضمار، رقص ونگار کرنے والے وکرانے والے (اور) سننے والے وسنانے والے وکھانے والے سلامی وجوابی و شاعری دروغ کے فروغ دینے والے، زور وحلف وتلف وغصب وقفف مرد نامرد امرد کالا مرۃ مراثی وسوز کے دم سوز، سوز وساز باجے وتماشے والے، تعزیہ پرستان و گور پرستان، تاکنے والے، جھانکے والے، تکبر وتبختر والے، حریر وریشم پہننے والے وحرام رنگ سے رنگین ہونے والے، فسق وفجور والے، راگنی والے وگانے والے، نظم ونثر رسالہ مولد کی سنانے والے، سچی جھوٹھی بنائی بات بتانے والے، فرض وواجب وسنت وندب پر ندبہ کرنے والے، (اور) ان امروں کے نام نہ لینے والے، غیر مشروع ومحدث کو (اور) امور اختراعیہ وبدعیہ کے واجب بتانے والے، اتنساف واسراف والے، ایسے مجمع مشرور کے ساتھ ومحضر بدعات ومجلس منکرات کے ساتھ محفل سیآت کے ساتھ تشریف آوری روح پرفتوح علیہ التحیۃ و التسلیم سمجھنا۔ غضب ہے، قیامت ہے، آفت ہے، سراسر قباحت ہے، ایسا عمل حرام ہے، شرک ہے۔ بدعت کون اہل سنت بتادیں ہیں؟؟!!!

درمختار میں ہے:

واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوّام وما یأخذ من الدراھم و الشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً الیھم، فھو بالاجماع باطل، وحرام مالم یقصِدُوا صرفَھا لفقراءِ الأنام. انتھیٰ. (۱)

[اکثر لوگ جو مردوں کے لیے نذر مانتے ہیں اور جو دراھم اور موم بتی

---

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصوم، مطلب فی صوم الست من شوال: ۴۳۹/۲۔ دار الفکر بیروت

اور تیل وغیرہ اولیائے کرام کے مزاروں کے پاس ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے رکھے جاتے ہیں وہ سب باطل ہیں، اور حرام ہے جب تک کہ ان کا مقصود فقیروں میں صرف کرنا نہ ہو]

حاشیۂ شامیہ [فتاوی شامی] میں ہے:

أی بأن تکون صیغة النذر للّٰه تعالیٰ للتقرب الیه، ویکون ذکر الشیخ مراداً به فقرائه کما مر، ولا یخفی أنّ له الصرف الی غیرهم کما مر سابقاً، ولا بدّ أن یکون المنذور مما یصح به النذر کالصدقة بالدراهم ونحوها، أمّا لو نذر زیتاً لایقادِ قندیلٍ فوق [ضریح] الشیخ أو فی المنارة کما تفعل النساء من نذرِ الزیت لسیّدی عبد القادر وتوقد فی المنارة جهة المشرق فهو باطل، وأقبح منه النذر بقراءة المولد فی المنائر مع اشتماله علی الغناءِ و اللعب وایهاب ثوابِ ذلك الی حضرة المصطفیٰ (صلی اللّٰه علیه وسلم). انتهیٰ.(۱)

[اللہ تعالیٰ کے لیے نذر کا صیغہ اسی کے تقرب کے لیے ہو، اور شیخ کے ذکر کرنے سے اس کی مراد اس کے فقراء ہو جیسا کہ گذر چکا، اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس کے لیے صرف کرنا ان کے علاوہ کی طرف ہے جیسا کہ گزرا، اور جس چیز کی منت مانی جائے وہ ایسی چیز ہو جس سے نذر ماننا صحیح ہو جیسا کہ دراہم اور اس جیسی چیز کا صدقہ، اگر کوئی شیخ کے مزار کے اوپر قندیل جلانے کے لیے تیل کی منت مانے یا منارہ میں جیسا کہ عورتیں شیخ عبدالقادر کے لیے تیل کی نذر مان کر کرتی ہیں اور منارہ میں مشرق کی طرف جلایا جاتا ہے، تو یہ سب باطل ہیں، اور اس سے بڑھ کر قبیح روشنیوں میں راگ ساگ اور لہو ولعب کے ساتھ میلاد کا پڑھا جانا

(۱) رد المحتار علی الدر المختار للعلامة ابن عابدین الشامي: ۲/ ٤٤٠ ـ دار الفکر بیروت

ہے، اور سرکار دو جہاں کی خدمت میں اس کا ثواب ہدیہ کرنا ہے]

(اور) مجلس مروجہ بہ ہیئت کذائیہ خلاف "ما أنا علیہ و أصحابی".

انتہیٰ. (اور) وجود اس کا قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں نہیں (اور) نہ عمل سلف سالفین وائمہ مجتہدین سے ہے۔ مدخل میں ہے:

ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذالك من أكبر العبادة وأظهر الشعائر ما يفعلونه في شهر ربيع الأول من المولد، وقد احتوىٰ ذالك على بدع و محرمات[جملة]. انتهىٰ.(۱)

[جملہ ان بدعتوں کے جن کو لوگ اپنی طرف سے ایجاد کرلیں باوجود اس کے کہ ان کو بڑی عبادت اور رسوم اسلام کے سمجھتے ہیں، ایک یہ ہے کہ ماہ ربیع الاول میں مجلس مولود شریف منعقد کرتے ہیں، اور حالانکہ یہ کتنی ہی بدعتوں اور حرام باتوں شامل ہے]۔

تاج الدین فاکہانی اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں:

لا أعلم لهذا المولد أصلاً في كتاب ولا سنة ولا ينقل عمله عن أحد من علماء الأمة الذين هم القدوة، المتمسكون بآثار المتقدمين، بل هو بدعة أحدثها البطالون و شهوة النفس اعتنى بها الأكالون. انتهىٰ.(۲)

---

(۱) المدخل لابن الحاج المالكي، فصل في مولد النبي (صلى الله عليه وسلم) والبدع المحدثة فيه: ۲/۱، دار التراث، الحاوي للفتاوىٰ للامام جلال الدين السيوطي الشافعي، حكم عمل المولد: ۹۳/۱، المكتبة النورية الرضويّة، فیصل آباد، پاکستان، سن طباعت ندارد. بدعة الاحتفال بالمولد النبوي من كتاب البدع الحولية: ۶۳/۱

(۲) الحاوي للفتاوىٰ للامام جلال الدين السيوطي الشافعي، حسن المقصد في عمل المولد ۱/ ۱۹۰-۱۹۱، المكتبة النورية الرضويّة، فيصل آباد، باكستان، سن طباعت ندارد۔ بدعة الاحتفال بالمولد النبوي من كتاب البدع الحولية: ۶۴/۱

[کچھ اصل کتاب اور سنت میں اس مجلس مولد کی میں نہیں جانتا، اور
علمائے امت میں سے کسی ایک سے بھی اس کا عمل نقل نہیں کیا گیا ہے
جو کہ پیشوائے دین ہیں اور آثار سلف کو مضبوطی سے تھامنے والے ہیں،
بلکہ یہ ایک بدعت ہے جس کو بیہودہ لوگوں نے ایجاد کیا ہے اور خواہش
نفسانی ہے جس کو نفس و جہالت کے پیروؤں نے اختیار کیا ہے]۔

اور کرنا عرب کا کسی فعل کو بعد قرون ثلاثہ کے یعنی نویں برس [صدی] میں حجت نہیں۔ علامہ [بدرالدین] عینی حنفی "عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری" میں فرماتے ہیں:

قلت: هذا انما كان فی زمن النبي صلى الله عليه وسلم و
الخلفاء الراشدين الى انقضاء القرون الثلاثة، وهی تسعون (٩٠)
سنةً، وأما بعد ذلك فقد تغيّرت الأحوال و كثرت البدع،
خصوصاً فی زماننا هذا [علىٰ] مالا يخفىٰ.(١)

[میں کہتا ہوں: یہ عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں تین
صدیوں کے اختتام تک حجت ہے، اور یہ نوے سال پر محیط ہے، اور
جہاں تک اس کے بعد کا مسئلہ ہے تو حالات بدل گئے اور بدعتیں
زیادہ ہوگئی، خاص طور سے ہمارے اس زمانہ میں جو کہ کسی سے مخفی
نہیں ہے]۔

وأما نفس ذکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کان ما کان کرنا بطریق مشروع (اور) کثرت صلوٰۃ وسلام باعث فزونی برکات ورحمات ـ ارزقنا الله و جميع المؤمن و المؤمنات.

حرره الراجی عفو ربه المتين محمد أمين الحسيني، رجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين.

---

(١) عمدة القارى شرح صحيح البخاري، كتاب فضائل المدينة، باب الايمان يأرز الى المدينة: ١٠/٢٤٠، دار احياء التراث العربي، بيروت

میلاد کی شرعی حیثیت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں پر یہ دستور ہے [کہ] ربیع الاول کی پہلی تاریخ سے لے کر بارہویں تک مسجد مقرر کر کے مولود شریف پڑھتے ہیں اور مٹھائی وغیرہ بھی پابندی کے ساتھ تقسیم بھی کرتے ہیں۔

اور بارہویں تاریخ میں عام مسلمان سے عرس کے نام [سے] چندہ اٹھاتے ہیں، اور دو تین گائے ذبح کر کے اور فاتحہ وغیرہ دے کر سب کو کھانا کھلاتے ہیں، اور اس کا نام ''رسول کا عرس'' رکھا ہے، اور اس بارے میں بعضے لوگ کہتے ہیں [کہ یہ سب] جائز ہیں، اور بعضے کہتے ہیں [کہ] ناجائز ہیں۔ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ (احقر غلام قادر عفی عنہ)

هو الهادی الی سبیل الرشاد

جواب: جملہ امور مستفسرہ باسرہا وبتامہا خلاف شریعت [ہیں]

﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾(۱)

[اور یہ کہ مساجد اللہ ہی کے لیے ہیں، تو اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو]

مساجد محل عبادت ودرس وتدریس قرآن وحدیث وموعظت ہیں۔ (اور) کل امور مسئولہ خلاف آیت وخلاف سنت (اور) خلاف صحابہ وخلاف تابعین وخلاف تبع تابعین بلکہ خلاف ائمہ مجتہدین [ہیں]۔

قال ابن الحاج فی المدخل: ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات واظهار الشعائر ما يفعلونه من شهر الربيع الأول من المولد، وقد احتوى ذلك على بدع ومحرمات. (۲) انتهى.

---

(۱) الجن: ۱۸ (۲) المدخل لابن الحاج المالكي، فصل فی مولد النبي صلى الله عليه وسلم والبدع المحدثة فيه ۱/۲، دار التراث بيروت، الحاوی للفتاویٰ للامام جلال الدين السيوطي الشافعي، حكم عمل المولد ۱/۹۳، المكتبة النورية الرضوية، فیصل آباد، پاکستان، بن طباعت ندارد، بدعة الاحتفال بالمولد النبوي من كتاب البدع الحولية ۱/۶۳

وقال تاج الدين الفاكهاني في رسالته: لا أعلم لهذا المولد في كتاب ولا سنة، ولاينقل عمله من أحد من العلماء الأئمة الذين هم القدوة في الدين، المتمسكون بآثار المتقدمين بل هو بدعة أحدثها البطالون وشهوة نفس اعتنى بها الآكلون.(۱) انتهى.

(ترجمہ: کہا امام ابوعبداللہ بن الحاج نے بیچ کتاب مدخل کے کہ من جملہ ان بدعتوں کے، جن کو لوگ اپنی طرف سے ایجاد کرتے ہیں، باوجود اس کے [کہ] ان کو بڑی عبادت اور رسوم، اسلام کے سمجھتے ہیں، ایک یہ ہے کہ ماہ ربیع الاول میں مجلس، مولود شریف کی [منعقد] کرتے ہیں، اور حالانکہ یہ کتنے ہی بدعتوں اور حرام باتوں کو شامل ہے۔ ختم ہوا کلام ابن الحاج۔

اور کہا امام الائمہ امام تاج الدین فاکہانی نے اپنے رسالہ میں کہ نہیں جانتا میں اس مجلس مولد کی کچھ اصل کتاب اور سنت میں، اور [نہ] نقل کیا گیا کرنا اس کا، کسی سے علمائے امت میں سے جو کہ پیشوائے دین اور چنگل مارنے والے ہیں، ساتھ آثار اگلوں کے۔ بلکہ یہ بدعت ہے، ایجاد کیا اس کو بیہودہ لوگوں نے۔ خواہش نفسانی ہے کہ ارادہ کیا ہے اس کا پیٹ کے کتوں، بہت کھانے والوں نے۔ بات پوری ہوئی)۔ نجانا الله منهم وأعاذنا الله من شرور أنفسهم، آمین۔

اور "درمختار" میں ہے:

واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام وما

---

(۱) الحاوي للفتاوى للامام جلال الدين السيوطي الشافعي، حسن المقصد في عمل المولد: ۱/ ۱۹۰-۱۹۱، المكتبة النورية الرضوية، فيصل آباد، باكستان، سن طباعت ندارد، بدعة الاحتفال بالمولد النبوي من كتاب البدع الحولية: ۱/ ٦٤

يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها الى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً اليهم فهو بالاجماع باطل وحرام، مالم يقصدوا صرفها لفقراء الأنام.(١)

[ترجمہ:اور جان لو! بیشک جو نذر اکثر لوگ مردوں کے لیے مانتے ہیں،اور جو اولیاء کرام کے مزاروں کے پاس ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے دراہم، موم بتی اور تیل وغیرہ رکھے جاتے ہیں، وہ سب بالاجماع باطل اور حرام ہیں جب تک کہ شئی منذور کو عام فقیروں پر صرف کرنے کا قصد نہ کریں]۔

اور" رد المحتار"حاشیہ شامیہ میں ہے:

أی بأن يكون صيغة النذر لله تعالىٰ تقرباً اليه، ويكون ذكر الشيخ مراداً به فقراءه كما مر ولا يخفى له الصرف الى غيرهم كما مر سابقاً، ولا بد أن يكون المنذور مما يصح به النذر كالصدقة بالدراهم ونحوها، أما لو نذر زيتاً لايقادِ قنديلٍ فوق الشيخ أو فی المنارة جهة المشرق فهو باطل، وأقبح منه النذر بقراءة المولد فی المنائر مع اشتماله على الغناء واللعب وايهاب ثواب ذلك الىٰ حضرة المصطفىٰ صلى الله عليه وسلم.(٢) انتهىٰ.

[اللہ تعالیٰ کے لیے نذر کا صیغہ اسی کے تقرب کے لیے ہو،اور شیخ کی ذکر اس کی مراد اس کے فقراء ہو جیسا کہ گذر چکا،اور یہ بات مخفی نہیں

---

(٢)الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب فی صوم الست من شوال ٢/٤٣٩، دار الفكر بيروت

(٢)رد المحتار على الدر المختار لابن عابدين الشامي، كتاب الصوم:٢/٤٤٠، دار الفكر بيروت

ہے کہ اس کے لیے صرف کرنا ان کے علاوہ کی طرف ہو، جیسا کہ یہ بات گذر چکی، اور جس چیز کی منت نانی جائے وہ ایسی چیز ہو جس سے نذر ماننا صحیح ہو جیسا کہ دراھم اور اس جیسی چیز کا صدقہ، اگر کوئی شیخ کے مزار کے اوپر قندیل جلانے کے لیے تیل کی منت مانے یا منارہ میں، جیسا کہ عورتیں شیخ عبد القادر کے لیے تیل کی نذر مان کر کرتی ہیں اور منارہ میں مشرق کی طرف جلایا جاتا ہے، تو یہ سب باطل ہیں، اور اس بڑھ کر قبیح روشنیوں میں راگ ساگ اور لہو لعب کے ساتھ میلاد پڑھنے اور سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کا ثواب ہدیہ کرنے کی نذر ماننا ہے]۔

اور "تحفة القضاة" میں ہے:

سئل القاضي عن المولد الشريف قال: لا ينعقد لأنه محدث وكل محدثة ضلالة وكل ضلالة في النار، وما يفعلون من الجهال على رأس كل حول في شهر ربيع الأول ليس بشيء ويقومون عند ذكر مولده صلى الله عليه وسلم ويزعمون أن روحه صلى الله عليه وسلم يجيء وحاضر، فزعمهم باطل بل هذا الاعتقاد شرك. وقد منع الأئمة عن مثل هذا.(۱) انتهیٰ۔

[قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ سے میلاد شریف کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا: میلاد کی مجلس سجائی نہ جائے، اس لیے کہ یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے، اور یہ جو جاہل و نادان لوگ ماہ ربیع الاول

---

(۱) فتاویٰ رشیدیہ/۱۲۲، بحوالہ تحفۃ القضاۃ، مطبوعہ گلستاں کتاب گھر، دیوبند، باہتمام شاہد علی، سن طباعت ندارد

میں ہر سال کے شروع میں کرتے ہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں، اور وہ ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کھڑے ہوتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح تشریف لاتی اور (مجلس میلاد میں) حاضر ہوتی ہے، تو ان کا یہ خیال باطل ہے، بلکہ یہ اعتقاد شرک ہے، ائمہ کرام نے اس کی مثل چیزوں اور باتوں سے منع فرمایا ہے]۔

اور فرمایا باری تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک علیہ الصلاۃ والسلام کو قرآن شریف میں:

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾(۱)

[پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک صاف راستہ پر رکھا، بس آپ اسی پر چلئے اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے مت ہو جایئے جو جانتے نہیں]

اور فرمایا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے:

"من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد"(۲) انتهیٰ.

[جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز پیدا کی جو کہ اس میں سے نہیں ہے، وہ مردود ہے]

والله أعلم، وعلمه أتم وأحكم، حرره الراجي عفو ربه المتين، محمد أمين حسني الحسيني، تجاوز الله عن ذنبه الدقيق والسمين.

میلاد اور قیام تعظیمی کی شرعی حیثیت؟(۳)

مجلس مروجہ با قیام اجتماعی نہیں بلکہ رواجی [ہے]، اس لیے کہ اجماع کے لیے دو

---

(۱) الجاثية: ۱۸

(۲) صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، رقم الحديث: ۲۶۹۷، دار السلام الرياض، صحيح مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة وردّ محدثات الأمور، رقم: ۱۷۱۸، دار السلام، الرياض

(۳) یہ ایک فقہی افادہ ہے جو ایک سوال کے جواب میں دیا گیا تھا......... باقی اگلے صفحہ پر......

شرطیں ضرور[ی] ہیں، بغیر اس کے اجماع نہیں ہوسکتا، ایک تو ہونا داعی کا اس کے لیے اور حاجت ماسہ کا، اور دوسرے ہونا اہل اجماع مجتہدین متدین عدول کا، کما فی نور الأنوار:

ثم انّهم اختلفوا في أنّ الاجماع هل يشترط في انعقاده أن يكون له داع مقدم عليه من دليل ظني أو ينعقد فجاءة بلا دليل باعث عليه بالهام و توفيق من الله بأن يخلق الله فيهم علماً ضرورياً، ويوفقهم لاختيار الصواب، فقيل: لا يشترط الداعي، والأصح المختار أنه لا بد له من داع على ما قاله المصنف، والداعي قد يكون من أخبار الآحاد أو القياس، وفي قوله "قد يكون" اشارة الىٰ أن الداعي قد يكون من الكتاب أيضاً. انتهىٰ ملخصاً.(۱)

[نور الانوار میں ہے کہ پھر ان لوگوں میں اجماع کے انعقاد میں اختلاف ہے کہ کیا یہ شرط ہے کہ اس کے لیے دلیل ظنی سے کوئی داعی ہو جو اس پر مقدم ہو، یا اچانک اس پر پیدا کرنے والے کسی دلیل کے بغیر الہام اور توفیق الٰہی سے منعقد ہوجائے اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ ان کے اندر ضروری علم پیدا فرمادے، اور ان کو صحیح اور درست کے اختیار

............باقی حاشیہ...... یہ سوال ایک مکتوب کی شکل میں حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ کے پاس آیا تھا، جس کا جواب آپ کے ایک عزیز شاگرد مولوی نصیر الدین الہ آبادی نے لکھا تھا، سوال کے مطلوبہ حصے کا جواب یہ ہے، جس سے میلاد اور قیام تعظیمی کی شرعی حیثیت نمایاں ہوجاتی ہے، ممکن ہے کہ حضرت مولانا سید محمد امین محدث نصیر آبادی قدس سرہ نے بھی اس جواب کو ملاحظہ فرمایا ہو، یہ جواب مکتوبات امینی میں شامل ہے، اس لیے ایک تاریخی امانت جان کر اس کو مجموعہ میں افادہ کی غرض سے شامل کرلیا گیا ہے۔

(۱) نور الأنوار مع قمر الأقمار للعلامة الشيخ أحمد المعروف بملا أحمد جيون الأميتهوي: ۲۲۲، الطبعة الأشرفية، طبعة عكسية عن طبعة ۱۳۷۳ هجرية

کرنے کی توفیق عطا کرے۔ کہا گیا ہے کہ دعویٰ کا ہونا شرط نہیں ہے، اور صحیح ومختار یہ ہے کہ اس کے لیے داعی کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ مصنف نے کہا ہے۔ اور داعی کبھی اخبار آحاد سے ہوسکتا ہے یا قیاس سے، اور مصنف کا قول قد یکون اشارہ کر رہا ہے کہ داعی کبھی کتاب سے بھی ہوتا ہے]

اور منح الغفار میں باب الاجماع میں [ہے]

أهل الاجماع من كان مجتهداً صالحاً الىٰ أن قال: وليس له هواء ولا فسق أى ليس صاحب بدعة يدعو الناس اليها، اذ ليس هو من الأمة على الاطلاق، وسقطت عدالته بالتعصب أو السفه، لأنّه ان كان وافر العقل عالماً بقبح ما يعتقده، ومع ذلك يعاند الحق ويكابره فهو التعصب، وان لم يكن وافر العقل كان سفيهاً اذ السفه خفة واضطراب يحمله على فعل مخالف للعقل لقلة التأمل. كذا فى التوضيح، وصححه شمس الأئمة أن صاحب البدعة ان كان مظهراً لها فلا يعتد بقوله أصلاً والا فالحكم كما ذكر فى التلويح بأن المبتدعة من أمة الدعوة دون المتابعة كالكفار، ومطلق الاسم لأمة المتابعة المعهود لها بالعصمة،(۱) انتهىٰ.

[اہل الاجماع ......ولیس لہ ھواء ولا فسق، کی شرح میں ہے کہ وہ صاحب بدعت نہ ہو جو لوگوں بدعت کی طرف دعوت دیتا ہے، کیونکہ ایسا شخص علی الاطلاق امت میں سے نہیں ہے، اور اس کی عدالت تعصب یا سفاہت کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے، پس اگر وہ وافر العقل

---

(۱) منح الغفار، باب الاجماع ......؟

ہے، اپنے اعتقادات کی برائی وقبح کو جاننے والا ہے، اور اس کے ساتھ حق کی مخالفت کرتا ہے اور اس کا انکار کرتا ہے تو یہ تعصب ہے، اور اگر وافر العقل نہیں ہے تو وہ سفیہ، کم عقل والا ہے، تو سفاہت خفت واضطراب کا نام ہے جو اس کو تامل وتدبر میں کمی کی وجہ سے عقل کے مخالف کام پر ابھارتا ہے۔ اسی طرح "التوضیح" میں ہے، شمس الائمہ نے اس کی تصحیح کی ہے کہ بدعتی اس کو ظاہر کرکے رہتا ہے، پس اس کا قول اصلاً معتبر نہیں، اگر یہ نہیں تو حکم وہی ہے جیسا کہ "التلویح" میں مذکور ہے کہ بدعتی لوگ بجائے امت اجابت کے، کفار کی طرح امت دعوت میں سے ہیں، اور امت متابعت (اجابت) کے لیے مطلق نام اس کی گمراہی وضلالت سے حفاظت کا عہد اور وعدہ ہے]۔

اور نور الانوار میں ہے:

والشرط اجماع الكل، وخلاف الواحد مانع كخلاف الأكثر يعني في حين انعقاد الاجماع، لو خالف واحد كان خلافه معتبراً ولا ينعقد الاجماع لأن لفظ الأمة في قوله عليه السلام "لا تجمع أمتي على الضلالة" يتناول الكل، فيحتمل أن يكون الصواب مع المخالف.(۱) انتهىٰ.

[اور شرط ہے تمام مجتہدین کا اجماع، اور ایک کا اختلاف اکثر کے اختلاف کی طرح اجماع کے لیے مانع ہے، یعنی اجماع کے منعقد ہونے کے وقت، اگر کسی ایک نے اختلاف کیا ہے تو اس کا یہ اختلاف معتبر ہے، اور اجماع منعقد نہیں ہوگا، اس لیے کہ ارشاد نبوی علیہ السلام "لا تجمع امتی علی الضلالة" تمام کو شامل ہے،

(۱) نور الأنوار للعلامة الشيخ ملا أحمد جيون الأميتهوي/۲۲۱

چنانچہ احتمال ہے کہ درست اور صواب، مخالفت کے ساتھ ہو]۔

سو شرط اول مفقود ہے بسبب اعدام داعی کے، (اور) شرط ثانی مفقود بسبب نہ ثابت ہونے قول کسی مجتہد کے بھی اس کے جواز میں، چہ جائے کہ اتفاق مجتہدوں کا ایک وقت میں اس پر ہو، البتہ مظفر الدین بادشاہ اربلی [نے] کہ موجد اس مجلس مروجہ بہ ہیئت کذائیہ کا ۶۰۴ھ [میں] کہ بدعت محدث رافع سنت نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے، کہ اس کو نکالا ہے، جو ابن خلکان میں ہے، اور خود ناچتا تھا جو مرۃ الجنان میں لکھا ہے۔ اس کی پیروی بھی اسی وجہ سے قدماء اکابر علمائے مذہب اربعہ جو بڑے نامی وگرامی وصاحب تصنیف معتبرہ ہیں، وہ مانع ومنکر اس عمل مولد کے ہیں مانند ابو عبداللہ ابن الحاج مالکی صاحب مدخل، اور احمد بن محمد المصری مالکی صاحب قول معتمد، اور علی بن الفضل المقدسی مالکی اور ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبدالمجید مالکی اور محمد بن ابی بکر المخزومی مالکی مصنف کتاب البدع والحوادث، اور شمس الدین بن القیم حنبلی اور شرف الدین احمد صاحب تاویلات، اور علاؤ الدین بن اصل الشافعی مصنف شرح البعث والنشور، اور عبد الرحمٰن مقبری حنفی مصنف صاحب فتاویٰ اور قاضی شہاب الدین ملک العلماء دولت آبادی مصنف تفسیر بحر مواج وما ألف فتاویٰ تحفۃ القضاۃ اور ببر علی آفندی حنفی مصنف طریقہ محمدیہ اور ابن رجب آفندی حنفی شارح طریقہ محمدیہ اور علامہ فخر الدین خراسانی صاحب تاریخ، اور امام شعرانی صاحب کتاب تنبیہ، اور تاج الصلحاء تاج الدین فاکہانی اور مولانا فضل اللہ صاحب بہجۃ العشاق اور صاحب تلخیص البحر اور ابن نقطہ بغدادی اور صاحب فتاویٰ ذخیرۃ السالکین وحضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اور صاحب "رد المحتار" معروف بحاشیہ شامی اور نور الدین شارح "المواھب اللدنیۃ" اور حسن بن علی ہندی صاحب "طریقۃ السنۃ فی رد أھل البدعۃ" اور حجۃ اللہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور قسطلانی اور محمد اشرف لکھنوی اور صاحب راہ سنت اور صاحب "مائۃ مسائل" اور صاحب...... اور صاحب تفہیم المسائل

وغیرہ علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین، وعلیٰ ہذا القیاس ہر زمانہ وہر طبقات میں اتنے بکثرت مانعین ہوتے آئے کہ جن کا احصاء وشمار نہایت دشوار ہے، نقل عبارت میں ان بزرگوں کے ایک دفتر طویل وطومار ہونے کا یقین ہے۔

لہٰذا اسی قدر پر اکتفاء کی گئی، بعض عبارت نقل کی جاتی ہے، حاشیہ شامیہ میں ہے:

وأقبح منه النظر بقراءة المولد فی المنابر مع اشتماله علی الغناء واللعب وایهاب ثواب ذلك الیٰ حضرة المصطفیٰ صلی اللّٰه علیه وسلم، انتهیٰ.(۱)

[اور اس بڑھ کر قبیح روشنیوں میں راگ ساگ اور لہولعب کے ساتھ میلاد پڑھنے اور سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کا ثواب ہدیہ کرنے کی نذر ماننا ہے]۔

اور تحفة القضاة میں ہے:

سئل القاضی عن المولد الشریف، قال: لا ینعقد لأنه محدث وکل محدثة ضلالة، وکل ضلالة فی النار، وما یفعلون من الجهال علی رأس کل حول فی شهر ربیع الأول لیس بشیء، ویقومون عند ذکر مولده صلی اللّٰه علیه وسلم، ویزعمون أن روحه صلی اللّٰه علیه وسلم یجیٔ وحاضر، فزعمهم باطل بل هذا الاعتقاد شرك. وقد منع الأئمة عن مثل هذ(۲) انتهیٰ.

---

(۱) رد المحتار علی الدر المختار لابن عابدین الشامي، کتاب الصوم: ۲/ ۴۴۰، دار الفکر بیروت

(۲) فتاویٰ رشیدیہ (از: امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ): ۱۲۲، بحوالہ تحفۃ القضاۃ، (از: قاضی شہاب الدین دولت آبادی ثم جونپوری صاحب تفسیر ''بحر مواج'') مطبوعہ گلستاں کتاب گھر، دیوبند، باہتمام شاہد علی، سن طباعت ندارد۔

[قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ سے میلاد شریف کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا: میلاد کی مجلس سجائی نہ جائے، اس لیے کہ یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے، اور یہ جو جاہل و ناداں لوگ ماہ ربیع الاول میں ہر سال کے شروع میں کرتے ہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں، اور وہ ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کھڑے ہوتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرفتوح تشریف لاتی اور (مجلس میلاد میں) حاضر ہوتی ہے، تو ان کا یہ خیال باطل ہے، بلکہ یہ اعتقاد شرک ہے، ائمہ کرام نے اس کی مثل چیزوں اور باتوں سے منع فرمایا ہے]۔

کتاب الطھارۃ

چرمی ڈول اور کنواں کی تطہیر کیسے ہو؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے کہ ڈول چرمی ساخت چماران یا آنکہ ڈول بوسیدہ مرمت کردہ چماران، جس میں چمڑا اور پانی اور چربی، اسی چمار مرمت کنندہ نے اپنے گھر سے لگائی ہے۔

پس اس کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ اور احیاناً وہ پاک نہ کی گئی اور اسی طرح چاہ [کنواں] میں ڈالی گئی، تو اب چاہ نجس ہوا یا نہیں؟ اور نماز وطہارت ایسے ڈول کے پانی سے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

هو المصوب والملهم للحق و الصواب

جواب: صورت مسئولہ میں طریقہ پاک کرنے کا پانی سے دھوڈالنا ورجہ طہارت ونظافت ہے۔ (اور) مزید احتیاط "الماء طاهر مطهر" [پانی فی ذاتہ پاک ہے، پاک کرتا ہے] صورت تطہیر ہے، (اور) اگر پانی سے نہیں دھویا گیا [تو بھی] چاہ نجس نہیں ہے، بوجہ قلیل کے عفو ہے۔

كما في الهداية: فجعل القليل عفواً للضرورة.(۱) وفي الدر المختار: القليل المعفو عنه ما يستقله الناظر والكثير بعكسه وعليه الاعتماد. انتهىٰ.(۲)

---

(۱) الهداية مع الدراية، كتاب الطهارة، فصل في البئر: ۱/ ٤٢، کتب خانہ زکریا، چوراستہ جیسور، بنگلہ دیش، بلاسنہ (۲) الدر المختار مع تنوير الابصار، كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر: ۱/ ۳۸۰، دار الكتب العلمية بيروت ١٤٢٤ھ– ۲۰۰۳م

[ہدایہ میں ہے: قلیل کو ضرورۃً معفو عنہ قرار دیا گیا ہے۔ اور الدر المختار میں ہے کہ قلیل معفو عنہ وہ ہے جس کو دیکھنے والا قلیل سمجھے، اور کثیر اس کے بالعکس ہے، اور اسی پر اعتماد ہے۔ عبارت پوری ہوئی]۔

علی ھذا، مجوسیوں کے ظروف کی حالت ایسی ہی تھی کہ پانی و چربی سے ان کے [برتن] خالی نہ تھے (اور) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے طہارت کا حکم دیا، چنانچہ مروی ہے:

سألت عبد الله بن عباس رضي الله عنهما، قلت: انا نكون بالمغرب، فيأتينا المجوس بالأسقية، فيها الماءُ والوَدَكُ. فقال: اشرب. فقلت: أرأيٌ تراه؟ فقال[ابن عباس]: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "دباغُه طهورُه". كذا رواه مسلم في صحيحه.(١)

[میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا، اور کہا کہ ہم مغرب میں تھے، ہمارے پاس مجوسی ایسی مشکیں لے کر آئے جن میں پانی تھا اور گوشت اور چربی کی چکناہٹ تھی؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پیو۔ میں نے پوچھا کہ کیا آپؓ کے پاس کوئی دلیل ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اس کی دباغت اس کی پاکی ہے۔ اسی طرح امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے]۔

والله أعلم بالصواب، حرره الراجی عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الخفي و المبين.

---

(١) صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ، رقم:٣٦٣، مكتبة دار السلام الرياض

ناپاک کنویں کو کس طرح پاک کریں؟

سوال: کیا ارشاد ہے علمائے دین کا، اس مسئلہ میں کہ چاہ میں خنزیر گر گیا، اور معاً زندہ نکالا گیا، بعض لوگ اس بات کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ کل پانی نکالا جاوے، اور بعضوں کی رائے یہ قرار پاتی ہے کہ گڈھا مدوّر موافق اسی چاہ کے کھودا جاوے، اور اندازہ کر کے جس قدر پانی اس میں ہوے نکالا جاوے، لیکن یہ دونوں باتیں غیر ممکن ہیں اس واسطے کہ بوجہ بارش کے چاہ میں پانی بہت کثرت سے ہے، بلکہ بالشت دو بالشت پُر ہونے کو باقی ہے، اور قریب چاہ کے ایک تالاب بھی واقع ہے، تو اگر اس صورت میں موافق قول حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مجبوراً عمل کیا جائے، یعنی تین سو (۳۰۰) ڈول استحباباً نکالا جاوے، تو چاہ پاک ہو جاوے گا یا کچھ شک باقی رہے گا؟ ازراہ عنایت جو حکم شرع شریف کا ہووے، اسے مفصل ارقام فرماویں، داخل حسنات ہو جیے۔ بینوا توجروا.

هو المصوب

جواب: حنفیہ کے نزدیک یہی حکم ہے کہ باعتبار قول امام محمد رحمہ اللہ کے فتویٰ دیا جاتا ہے، حالت تعذر میں دوسو (۲۰۰) ڈول نکالا جاوے۔

کما فی الدر المختار: فان تعذّر نزح کلها لکونه معیناً، فبقدر ما فیها وقت ابتداء النزح. قاله الحلبی: یؤخذ فی ذلك بقول رجلین عدلین، لها بصارة بالماء، به یفتیٰ وقیل یفتیٰ بمأتین الی ثلاث مأة، وهذا أیسر، وذاك أحوط. انتهیٰ.(۱) وفی الهدایة وعن محمد: نزح مأتی دلوٍ الی ثلاث مأة. انتهیٰ.(۲) وبحر العلوم فی الأرکان: وان

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة، باب المیاه، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الثانیة، ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳م

(۲) الهدایة، کتاب الطهارة، باب الماء الذی یجوز به الوضوء وما لا یجوز به، فصل فی الآبار ۷۲/۱، مکتبة البشریٰ کراتشی

وقع فی البئر حیوان لا یعلم فی بدنه نجاسة، ویخرج حیاً،
فان کان نجس العین، ینزع الماء کله.(۱) انتہیٰ.

[اگر کنواں کا سارا پانی نکالنا اس میں سے مسلسل نکلنے کی وجہ سے
مشکل اور دشوار ہو، تو ڈول نکالنے کے شروع وقت میں اس میں جتنا
پانی ہے اس کا اندازہ لگایا جائے گا۔ علامہ (ابراہیم) حلبی کہتے ہیں
کہ دو عادل آدمیوں کے قول کا اعتبار کیا جائے گا جو پانی کے بارے
میں بصیرت رکھتے ہوں، اسی پر فتویٰ بھی ہے، یہ بھی منقول ہے کہ دو
سو ڈول سے تین سو ڈول تک نکالنے کا فتویٰ دیا جائے گا۔ یہ
(طریقہ) آسان ہے اور وہ طریقہ احتیاط پر مبنی ہے۔ اور ہدایہ میں
ہے کہ امام محمد بن حسن شیبانی سے مروی ہے کہ دو سو ڈول سے تین سو
ڈول تک نکالا جائے گا۔ بحر العلوم علامہ عبد العلی لکھنویؒ نے ارکان
میں لکھا ہے: اور اگر کنواں میں کوئی جانور گر جائے اور اس کے بدن
پر نجاست کا علم نہ ہو اور زندہ نکل آئے اگر وہ جانور نجس العین ہے تو
کنواں کا سارا پانی نکالا جائے گا]۔

حالت عدم تعذر میں (اور) در صورت عذر، حکم سابق باقی اور اماموں کے
نزدیک، نجاست غیر ثابت۔ چنانچہ ارکان [اربعہ] میں بحر العلومؒ فرماتے ہیں:

وعلی هذا الخلاف المذکور یتنزع بتنجیس البئر فعند
الائمة الثلاثة لا یتنجس الا بتغییر أحد الأوصاف الثلاثة
لأنه ماء زائد علی القلتین، وعندنا یتنجس، فبوقوع النجاسة
ینتزع الماء، ثم فی مسائل البئر تفصیل عندنا، ومسائل البئر
عندنا خارج عن القیاس، انّما المتتبع فیه الآثار، فنقول: ان
ماتت فیه الفارة، وأخرجت من فورٍ قبل أن یتفسخ، ینزح

(۱) رسائل الأرکان، کتاب الطهارة، فصل فی البئر: ۷۰، المطبع السعیدي بکلکته، الهند

عشرون دلواً الى ثلاثين لأثر أنس رضى الله عنه فانه: قال في الفارة ينزح عشرون. وفي نحو دجاجة و سنور، ينزح أربعون الى خمسين لأثر سعيد رضى الله عنه، فانّه قال: في الدجاجة ينزح أربعون. والمعتبر في كل بئر دلوها.

قال في فتح القدير: الأثران المذكوران ذكرهما مشائخنا ولم يوجدا في كتب الأحاديث، وأسند الطحاوي عن أمير المومنين علي رضى الله عنه قال: "في البئر وقعت فيها فارة فماتت، ينزح ماؤها". هذا بظاهره يوجب نزح كل الماء، ثم نقل الطحاوي بسنده الى ابراهيم النخعي، أنه قال: "في الجراد و السنور أربعون دلواً". وهذا عجيب لأن الجراد طاهرٌ حلالٌ ميتُه. ثم عنه وعن الشعبي أقوالاً في نحو السنور أربعون دلواً، وسبعون في كل ماء وي، لا حجة.(۱) انتهیٰ.

[اور اس اختلاف مذکور کی بناء پر کنواں کی طہارت وعدم طہارت میں نزاع واختلاف ہے، چنانچہ ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل علیہم الرحمہ والرضوان) کے نزدیک نجس نہیں ہوگا الا یہ کہ احد الاوصاف الثلاثہ متغیر ہو، کیونکہ یہ پانی قلتین سے زیادہ ہے، اور ہمارے (احناف کے) یہاں نجس ہو جائے گا، کنویں کا سارا پانی نجاست کے گرنے کی وجہ سے نکالا جائے گا۔ پھر کنویں کے احکام ومسائل میں ہمارے یہاں کچھ تفصیلات ہیں، اور کنویں کے مسائل خارج عن القیاس ہیں، ان میں تو صرف آثار کا تتبع ہے۔ چنانچہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کنویں میں چوہیا گر کر مر جائے اور پھٹنے سے پہلے نکال لیا جائے، تو بیس سے تیس ڈول تک اثرِ حضرت انس رضی اللہ

(۱) المصدر السابق آنفا: ۶۹

عنہ کی وجہ سے نکالے جائیں گے، کیونکہ آپ نے فرمایا کہ چوہیا میں
بیس ڈول نکالے جائیں گے۔ بلی اور مرغی جیسے جانوروں میں
چالیس سے پچاس ڈول اثر حضرت سعید کی وجہ سے نکالے جائیں
گے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ مرغی میں چالیس ڈول نکالے جائیں
گے۔[واضح رہے کہ پانی نکالنے کیا اعتبار مردار کو نکالنے کے بعد
ہے] اور ہر کنویں میں اس کے ڈول کا اعتبار ہوگا۔

فتح القدیر میں فرمایا کہ مذکور الصدر دونوں آثار کا ہمارے مشائخ نے ذکر کیا ہے، اور کتب احادیث میں یہ دونوں روایتیں نہیں ہیں، امام طحاویؒ نے حضرت علیؓ سے مسنداً روایت کی ہے، کہ آپ نے اس کنویں کے بارے میں فرمایا جس میں چوہیا گر کر مر جائے کہ کنویں کا سارا پانی نکالا جائے گا، یہ (منقول اثر) اپنے ظاہر کے ساتھ کل پانی کو نکالنے کا موجب ہے، پھر امام طحاویؒ نے حضرت ابراہیم نخعیؒ کی اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ جراد (ٹڈی) اور بلی میں چالیس ڈول ہیں۔ یہ عجیب وغریب بات ہے کیونکہ ٹڈی طاہر ہے اور اس کا مردار بھی پاک ہے۔ ان سے اور امام شعبی سے مختلف اقوال منقول ہیں کہ بلی جیسے جانور میں چالیس ڈول ہیں، اور ہر مائی میں ستر ہیں، کوئی دلیل نہیں ہے]۔

پس مسئلہ ہذا میں باعتبار روایت احادیث، مذاہب ثلاثہ قوی ہیں، اس میں شک نہیں۔(۱) من شاء فلیرجع الی کتب الحدیث. واللّٰہ أعلم وعلمه أحکم.

کتبه محمد أمین حسني الحسیني، تجاوز اللّٰہ عن ذنبه الخفي والمبین.

---

(۱) پانی کی طہارت ونجاست کا مسئلہ فقہائے کرام کے مابین معرکۃ الآراء مسائل میں سے ایک ہے، ائمہ ثلاثہ امام مالک بن انسؒ، امام محمد بن ادریس شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور ائمہ احنافؒ میں نجاست اور عدم نجاست کے بارے میں مختلف آراء ہیں، چنانچہ امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وقوع نجاست سے جب تک پانی کے تین اوصاف میں کا ایک متغیر نہ ہوں، اس وقت تک پانی نجس نہیں ہوگا، چاہے پانی قلیل ہو یا کثیر، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل علیہما الرحمہ فرماتے ہیں کہ پانی میں نجاست کے وقوع سے اس وقت ناپاک ہوگا جب کہ پانی قلیل ہو، اگرچہ پانی کا کوئی وصف نہ بھی بدلے............ باقی اگلے صفحہ پر

طہارت نسواں

سوال: کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ، کہ ایک زن معتادہ جس کے معمولی ایام طمث [حیض] چھ دن ہیں، ایک بار اس سے نو (۹) روز تک خون ظاہر ہوا، بعد غسل پانچ روز طاہر رہ کے چھٹے روز پھر خون اس کو ظاہر ہوا، اور یہ خون بلا فصل گیارہ (۱۱) روز تک جاری رہا، بعدہٗ بند ہوگیا، پس یہ خون ثانی اور وہ تین جو ایام معتادہ سے زائد ہوئے، داخل حیض ہیں یا استحاضہ؟ بحالت استحاضہ اس پر

............باقی حاشیہ......اور اگر کثیر ہے تو پانی نجس نہیں ہوگا جب تک کہ پانی کے اکثر اوصاف متغیر نہ ہوں، ان کے نزدیک کثیر کی مقدار قلتین ہے، اور یہ مقدار تخمینی نہیں بلکہ تحقیقی ہے۔ آخری مسلک امام الائمہ سیدنا ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی بغدادیؒ اور آپ کے متبعین کا ہے کہ نجاست مائعات سے ملے یا جامدات سے، بہر صورت موجب خبث ہے، اس میں احد الاوصاف کے تغیر کی قید ضروری نہیں اور نہ ہی قلتین سے کم ہونے کی قید ہے، البتہ اس سے مقدار کثیر کا استثناء کیا گیا ہے، استثنائی دلیل "وضوء بماء البحر" وغیرہ کی احادیث ہیں، جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پانی کثیر ہو تو وقوع نجاست سے نجس نہیں ہوتا، اور قلیل اور کثیر کی تحدید میں کوئی قول محکم نہیں ہے بلکہ امام ابوحنیفہؒ نے مبتلی بہ کی رائے پر اس کو چھوڑا ہے، اور امام ابو یوسف نے سے منقول ہے کہ جس پانی میں "خلوصُ أثرِ النَّجاسةِ الی الطرفِ الآخر" ہو، وہ قلیل ہے اور جس میں نہ ہو وہ کثیر ہے، امام ابوالحسن قدوریؒ نے اس کی تعبیر ان کلمات سے کی ہے "ما لمْ یتحرّکْ بتحریْكِ الطرفِ الآخر" اور ایک قول "عشرہ فی عشرہ" کا بھی ہے، فقہائے متاخرین نے سہولت کے پیش نظر "عشرہ فی عشرہ" کے قول کو اختیار کیا ہے، امام مالکؒ کی دلیل "حدیث بئر بضاعہ" ہے، اور امام شافعیؒ کی دلیل "حدیث قلتین" ہے، اور ادلۂ احناف میں چار احادیث پیش کی جاتی ہیں: (۱) حدیث: لا یبولنّ أحدکم فی الماء الدائم، ثم یتوضأ منها. (۲) حدیث المستیقظ من منامه. (۳) حدیث ولوغ الکلب. (٤) حدیث وقوع الفارة فی السمن. پیش کردہ یہ تمام احادیث صحیح ہیں جن پر احناف کے مسلک کی بنیاد و اساس ہے، (مسالک ثلاثہ کے راجح مرجوح سے متعلق پوری تفصیلات مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کی درس ترمذی شرح جامع الترمذی: ۱/۲۶۶-۲۷۸، مطبوعہ دیوبند، میں ملاحظہ فرمائیں) نیز یہ بات ذہن نشین رہے کہ کنواں سے متعلق تمام احکام آثار صحابہؓ پر مبنی ہیں، جبکہ علمائے شوافع و موالک کے یہاں مذکورہ ادلہ کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے، اس لحاظ سے بھی مسلک احناف کو دیگر مسالک پر ترجیح حاصل ہے۔

احکام طاہر ہیں؟ ہمچوں مسّ مصحف وتلاوت آں، واداے نماز وغیر آں جاری ہوں گے؟ اور گیارہ روز کل استحاضہ سمجھے جاویں گے؟ یا بعض اس کا حیض اور بعض استحاضہ؟

اگر ایام معتادہ کے بعد اقل میعاد طہر پندرہ (۱۵) دن تصور کیے جاویں تو ظاہر ہے کہ تین دن جو معتادہ کے بعد بڑھے، اور پانچ دن جن میں خون نہیں آیا، اور سات دن منجملہ گیارہ روز کے جن میں خون آیا، ملا کے پندرہ (۱۵) روز ہو جاویں گے، اور پانچ دن جو بڑھے، وہ طہر سے علاوہ یعنی حیض میں معدود ہوں گے؟

پس اگر یہ پانچ دن حیض ہیں (یا اس سے بھی کم وہی تین بچتے اور وہ حیض ہوتے) تو اس کے بعد جو پاکی ہوئے، وہ طہر حقیقی ہوگا؟ یا ایام مقررہ معتادہ جو شش [چھ] روز ہیں، جب تک یہ دن پورے نہ ہولیں، حکم طہر اصلی کا نہ دیا جائے گا؟ بینوا توجروا۔

هو الموفق

جواب: صورت مسئولہ میں عادت سے زائد جو تین دن خون آیا مگر حیض کے اندر حیض ہے۔

كما فى شرح الوقاية: وما رأت من لون فيها أى فى المدة سوى البياض حيض. انتهىٰ. (۱)

[شرح الوقایہ میں ہے: عورت اس مدت میں جو بھی رنگ، سوائے سفید کے دیکھے گی، وہ حیض ہے]۔

اور گیارہ دن جو خون آیا وہ استحاضہ ہے، اور مابین نو دبارہ (۹-۱۲) جو پانچ دن طاہر رہی، اس کو طہر متخلل کا حکم نہ ہوگا، اس واسطے کہ مدت حیض سے باہر ہے اور اس کے لیے شرط ہے کہ مدت حیض کے اندر ہو۔

كما فى الهداية: والطهر اذا تخلل بين الدمين فى مدة الحيض فهو كالدم المتوالى. انتهىٰ.(۲)

---

(۱)شرح الوقاية مع عمدة الرعاية، كتاب الطهارة، باب الحيض، الطهر المتخلل: ۱۱۰/۱۔ مطبوعہ فیصل پبلی کیشنز، جامع مسجد دیوبند

(۲)الهداية مع الدراية، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس: ۶۶/۱۔ کتب خانہ زکریا چوراستہ جیسور، بنگلہ دیش، مطبوعہ بلاسنہ

[ہدایہ میں ہے: اور طہر حیض کی مدت میں دودم (خون) کے درمیان متخلل ہو، تو دم مسلسل کے حکم میں ہے]۔

پس ہر گاہ اس میں معدود نہ ہوا، طہر فاسد نہ ہوگا، بلکہ طہر فاصل وصحیح میں ہوگا، (اور) معتادہ کو عادت کی قدر لینا، (اور) زائد کو استحاضہ شمار کرنا جبکہ اکثر مدت حیض یعنی عشرہ (۱۰) سے زائد دم متوالی [برابر خون] آوے۔

كذا في الهداية: ولو زاد الدم على عشرة أيام ولها عادة معروفة دونها ردت الى أيام عادتها، والذي زاد استحاضة. انتهىٰ.(۱)

[ہدایہ میں ہے: اور اگر دس دن سے زیادہ خون آئے، جبکہ وہ معتادہ معروفہ تھی تو اس کے ایام معتادہ کی طرف لوٹائی جائے گی، اور جو زائد ہے وہ استحاضہ ہے]۔

(اور) جبکہ ایسا نہیں، (اور) حکم عادت پر منوط [جڑا ہوا] نہیں۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

والناقص عن أقلّه والزائد على أكثره أو أكثر النفاس أو على العادة، وجاوز أكثرهما وما تراه صغيرةٌ دون تسع على المعتمد، وآئسة على ظاهر المذهب، وحامل ولو قبل خروج أكثر الولدِ استحاضَةٌ.(۲)

[اس کے اقل مدت سے کم ہو یا زیادہ ہو یا نفاس سے زیادہ ہو یا عادت سے اوپر ہو، اور ان دونوں سے تجاوز کر جائے اور جو لڑکی نو سال سے پہلے معتمد قول کے مطابق اور آئسہ عورت ظاہر المذہب کے موافق اور حاملہ (کو جو خون آتا ہے) بچہ کے اکثر حصہ نکلنے سے پہلے وہ استحاضہ ہے]۔

---

(۱) الهداية مع الدراية، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس: ۱/۶۷۔ یاسر ایںڈ ندیم کمپنی دیوبند، مطبوعہ بلاسنہ (۲) الدر المختار مع تنوير الابصار، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۴۷۷، دار الكتب العلمية بيروت ۱۴۲۴ھ- ۲۰۰۳م الطبعة الثانية.

اور حکم استحاضہ یہ ہے کہ:
لا تمنع صلاة وصوماً ووطیاً. ھکذا فی وقایة الروایة.(۱)
اور مس مصحف میں محدث وغیرہ برابر ہیں۔ مگر غلاف کے ساتھ درست [ہے]۔
والله أعلم بالصواب وعنده أم الكتاب، حرره الراجی عفو ربه المتين، محمد أمين حسني الحسيني، تجاوز الله عن ذنبه الخفي و المبين.

(۱)شرح الوقاية مع عمدة الرعاية، كتاب الطهارة، باب الحيض، الطهر المتخلل: ۱/ ۱۱۰، مطبوعہ فیصل پبلی کیشنز، جامع مسجد دیوبند، باہتمام محمد صہیب بن محمد فاروق صدیقی

کتاب الصلاۃ وأحکامها

شب باشی اور مباشرت والے مکان میں نماز پڑھنا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین، بیچ مسئلہ مستفسرہ ذیل کے، جس مکان میں میاں بی بی شب باشی کرتے ہوں، اور مجامعت ومباشرت کا بھی اتفاق ہوتا ہو، اس مکان میں ادا کرنا، نمازِ فریضہ کا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

هو الموفق

جواب: بشرطیکہ جائے نماز طاہر ہے [تو] اس مکان میں بھی جواز صلاۃ کا ثبوت، بعموم حدیث [ہے]

"الأرض کلها مسجد الا المقبرة و الحمام" کذا رواه أبو داؤد.(۱)

[ترجمہ: پوری روئے زمین سجدہ گاہ ہے سوائے مقبرہ اور غسل خانہ کے۔ اس طرح امام ابوداؤد نے حدیث کی روایت فرمائی]۔

(اور) مکان مستفسرہ کا نہ ہونا، مقامات مستثنیات [میں] سے دلالت کرتا ہے اوپر، جواز صلاۃ کے۔

"نهیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم أن یصلي في سبعة

---

(۱) سنن أبي داؤد، کتاب الصلاۃ، باب في المواضع التی لا تجوز فیها الصلاۃ، رقم الحدیث:۴۹۲، جامع الترمذي، أبواب الصلاۃ، باب ما جاء أن الأرض کلها مسجد الا المقبرة و الحمام، رقم الحدیث:۳۱۷

مواطن، في المزبلة و المجزرة والمقبرة و قارعة الطريق، وفي الحمام وفي مواطن الابل وفوق ظهر بيت الله (۱). انتهى، كذا رواه الترمذي عن ابن عمر رضي الله عنهما.

[ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ ان سات جگہوں میں نماز پڑھی جائے، کباڑ خانہ میں، قربان گاہ میں، قبرستان میں اور راستہ کے بیچ میں، اور غسل خانہ میں اور اونٹوں کے باڑے میں، اور بیت اللہ شریف کی چھت میں"۔ عبارت مکمل ہوئی، اسی طرح امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت فرمائی]۔

(اور) نظیر ادائے صلاۃ مکتوبہ باجماعت گھر میں، بایں عذر کہ امیر اوران کے تابعین نے تاخیر کی، قصۂ اسود وعلقمہ [ہے] جو اخراج کیا مسلم نے۔

"أتينا عبد الله بن مسعود في داره، فقال: أصلى هؤلاء خلفكم؟ فقلنا: لا. قال: قوموا فصلوا......الحديث" أخرجه مسلم في صحيحه. (۲)

[ترجمہ: ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے گھر میں آئے، تو آپ نے فرمایا: کیا ان لوگوں نے تمہارے پیچھے نماز پڑھی؟ تو ہم نے جواب نفی میں دیا، آپ نے فرمایا: کھڑے ہو اور نماز پڑھو......اس حدیث کی تخریج امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں فرمائی ہیں]۔

(اور) بلا عذر شرعی ترک مسجد وترک جماعت پر تشدید شدید [سختی] اور وعید [ہے] چنانچہ [احادیث میں ہیں]

(۱) جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء في كراهية ما يصلىٰ اليه و فيه، رقم الحديث: ٣٤٦۔

(۲) صحيح مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب الندب الى وضع الأيدي على الركب في الركوع و نسخ التطبيق، رقم الحديث: ١١٩١

"مساجدهم عامرة، وهي خراب عن الهدىٰ". أخرجه البيهقي.(١)

من سمع النداء فلم يجبه، فلا صلاة [له] الا من عذر. رواه الدار قطني(٢) كذا في المشكاة.

ثم أنطلق معي برجالٍ، معهم حُزَمٌ من حطبٍ، الىٰ قوم لا يشهدون الصلاة، فأحرق عليهم بيوتهم بالنار. كذا أخرجه مسلم(٣) عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه.

وقول عبد اللّٰهبن مسعود رضي اللّٰه عنه: ما يتخلّف عنها الاّ منافق، معلوم النفاق. انتهىٰ، رواه مسلم(٤) في صحيحه.

[ترجمہ: ان کی مسجدیں بھری ہوئی ہوں گی، اور رشد و ہدایت سے خالی ہوں گی۔ اس حدیث کی تخریج محدث بیہقیؒ نے فرمائی۔

جس نے اذان (کی آواز) سنی، اور اس نے جواب نہیں دیا تو اس کی نماز نہیں مگر عذر کے۔ اس حدیث کو امام دار قطنیؒ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، اسی طرح مشکوٰۃ میں (بھی) مذکور ہے۔

''پھر میں اپنے ساتھ چند لوگوں کو، جن کے ساتھ لکڑیوں کے گٹھر ہوں، لے کر جاؤں، ان لوگوں کے یہاں، جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے، ان کے گھروں کو انہی کے سامنے آگ لگادوں''۔ اس طرح امام مسلم نے

---

(١) شعب الايمان للبيهقي، باب في نشر العلم، فصل، قال: ينبغي لطالب العلم أن يكون تعليمه لوجه اللّٰه تعالىٰ جدّه، رقم الحديث:١٩٠٨

(٢) سنن الدار قطني، باب الحث لجار المسجد على الصلاة فيه الا من عذر، رقم الحديث: ١٥٧٤

(٣) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة و بيان التشديد في التخلف عنها وأنها فرض كفاية، رقم الحديث:١٤٨٢

(٤) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: صلاة الجماعة من سنن الهدىٰ، رقم الحديث:١٤٨٨

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس روایت کی تخریج فرمائی۔
حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''نماز سے پیچھے
صرف منافق رہ جاتا ہے، جس کا نفاق معلوم (ظاہر) ہوتا ہے''۔
عبارت مکمل ہوئی، اس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں رِوایت کیا ہے]۔

واللہ أعلم، و علمہ أتم، رقمه العبد المذنب المعترف المقر بذنب كثير أو عظيم، يرجىٰ لكل عظيم، اغفر المذنب العظيم، المدعو بمحمد أمين حسني الحسيني، تجاوز الله عن ذنبه الخفي و المبين.

تعجیل وتاخیر صلوٰۃ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آج کل ایام سرما میں ایک مسجد میں جماعت ظہر کی، دو بجے دن کو، اور کبھی ڈھائی بجے دن کو ہوتی ہے، اور زید حسب معمول کبھی ساڑھے بارہ بجے (۱۲/۳۰) اور کبھی ایک بجے نماز ظہر کی، پڑھتا ہے۔ زید نے بخیال ہونے جماعت کے انتظاری کرکے ۲/دن کو نماز جماعت سے پڑھنا چاہا، مؤذن نے تکبیر کہی، بکر نے روک دیا کہ ابھی ایک آدمی سنت پڑھتا ہے، وہ پڑھ لیوے، تب جماعت ہو، زید نے تنہا اسی تکبیر سے فرض پڑھ لیا، اور لوگ حسب کہنے بکر کے، اس جماعت سے علاحدہ ہو گئے، جب زید نے نماز سے فراغت حاصل کیا، تب جماعت دوسرے شخص نے ۲/بجے پڑھائی، آج کل ایام سرما میں نماز ظہر کس وقت ہونا چاہیے؟ اور کس کی نماز مکروہ ہوئی؟ دوسرے یہ کہ بکر دس بجے دن کو قرآن پڑھتا تھا، زید نے بحکم:

﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوداً﴾(۱)

(اور پڑھ قرآن فجر کو، تحقیق [کہ] قرآن پڑھنا فجر کا ہے حاضر کیا گیا۔ یہ ترجمہ تفسیر حسینی کا ہے)

---

(۱) الاسراء: ۷۸

کہا کہ پڑھنا قرآن کا وقت صبح کے، اچھا ہوتا ہے بہ نسبت اس وقت دس بجے دن کے، بکر نے نہیں مانا، اور کہا کہ قرآن کے معنی قرأت کے [ہے] نماز میں، اور بیان صبح کی نماز کا ہے۔ اور جس وقت چاہے قرآن پڑھے، سب اچھا ہے۔ براہ مہربانی اس کی تفسیر صحیح سے بھی آگاہ فرمائیں۔ بینوا توجروا، فقط.

هو المصوب

جواب: مدار شریعت کا [ہے] اوپر وقت کے، نہ اوپر غیر کے، ایک بجے، دو بجے وڈھائی بجے کے۔ کما قال اللّٰہ تعالی:

﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوداً﴾(۱)

وفی الحديث: صلوا الصلوٰة لوقتها...... كذا رواه مسلم فی صحيحه (۲) والراوی أبو ذر.

اور زید قریب بصواب اور بکر خلاف پر، کیونکہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے: کیا کیفیت ہوگی تمہاری جبکہ ہوں گے امیر لوگ تم پر، دیر کریں گے نماز کو وقت سے یا ماریں گے نماز کو وقت سے۔ یہ فرمایا راوی نے، عرض کیا، پس مجھ کو کیا ارشاد ہوتا ہے؟ فرمایا: پڑھ لے نماز کو اپنے وقت پر، اگر پاوے نماز کو ساتھ ان کے، پڑھ لے تو، پس تحقیق واسطے تیرے نفل ہو جاویں گی۔

كما جاء فی الحديث: عن أبی ذر قال، قال لی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: كيف أنت اذا كانت عليك أمراء، يؤخرون الصلوٰة عن وقتها – أو – يميتون الصلوٰة عن وقتها؟ قال؛ قلت: فما تأمرنی؟ قال: صل الصلوٰة لوقتها.

---

(۱)الاسراء: ۷۸ (۲)صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب كراهية تأخير الصلاة، رقم: ٦٤٨، سنن ابن ماجة، أبواب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيما أخروا الصلاة عن وقتها، رقم: ١٢٥٦

فـان أدركتها معهم فصل، فانّها لك نافلة. ولم يذكر خلف
عن وقتها. انتهىٰ. كذا رواه مسلم في صحيحه عن عبد اللّٰه
بن الصامت عن أبي ذر.(۱)

اتفاق کیا تمامی علمائے مسلمین نے اوپر اس کے کہ اول وقت نماز ظہر کا زوال شمس سے ہے، آخر میں اختلاف کیا۔

فـي الهـداية: أوّل وقـت الـظهـر اذا زالـت الشمـس لامامة
جبـرئيـل عـليـه السـلام فـي اليـوم الأول حيـن زالـت
الشمس.(٢) انتهىٰ.

وفي الدر المختار: ووقت الظهر من زواله أى ميل ذكاء عن
كبد السماء.(٣) انتهىٰ.

وفـي الـكـفـاية: وذكـر شيـخ الاسلام؛ واختلفوا في وقت
الـظهـر، قـال أبوحنيفة رحمه اللّٰه في ظاهر الرواية: اذا صار
ظـلّ كـلّ شـيءٍ مثـليه سوى فيءِ الزوال، خرج وقت الظهر
ودخـل وقـت الـعـصـر. وقـالا: اذا صار ظل كل شيءٍ مثله،
خـرج وقـت الظهر ودخل وقت العصر، وهو رواية عن أبي
حنيفة رحمه اللّٰه.(٤) انتهىٰ.

---

(١) صـحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب كراهية تأخير الصلاة، رقم: ٦٤٨، سنن ابى داؤد، كتاب الصلاة، باب اذا الامام عن وقتها، رقم: ٤٣١

(٢) الهـداية، كتـاب الـصـلاة، بـاب الـمـواقيـت: ١٤٣/١، مكتبة البشرىٰ كراتشى ١٤٢٨هـ-٢٠٠٧ء، الطبعة الثانية

(٣) الـدر الـمـخـتـار مـع الـرد، كتـاب الـصـلاة ١٤/٢، دار الكتب العلمية بيروت، ١٤٢٤هـ-٢٠٠٣ء، الطبعة الثانية

(٤) الـكـفـاية شـرح الهداية مع فتح القدير ١٩٤/١، دار احياء التراث العربى بيروت بدون التاريخ

والترمذي عن عائشة رضي الله عنها قالت: ما رأيتُ أحداً كان أشدّ تعجيلاً للظهر من رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا من أبي بكر، ولا من عمر رضي الله عنهما وأرضاهما.(۱)انتهیٰ.

وفی مسلم: کان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلّی الظهر بالهاجرة.(۲) انتهیٰ.

وفی الترمذي: أخبرنی أنس بن مالك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى الظهر حين زالت الشمس. هذا حديث حسن صحيح.(۳) انتهیٰ.

[ہدایہ میں ہے کہ ظہر کا اول وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے، اس لیے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے پہلے دن زوال آفتاب کے بعد امامت فرمائی۔ درمختار میں ہے کہ ظہر کا وقت زوال آفتاب سے ہے۔ کفایہ میں لکھا ہے: شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے کہ ظہر کے وقت [ختم ہونے] میں لوگوں (علماء وفقہاء) میں اختلاف ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے ظاہر الروایہ میں فرمایا ہے کہ ہر چیز کا سایہ زوال کے وقت کے سایہ کے سوا دو مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت نکل جاتا ہے اور عصر کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو جائے تو ظہر کا نکل جاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

---

(۱)جامع الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ما جاء فی التعجیل بالظهر، رقم: ۱۵۵

(۲)جامع البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب وقت المغرب، رقم: ۵۶۰، باب وقت العشاء اذا اجتمع الناس أو تأخروا، رقم: ۵۶۵، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب استحباب التکبیر بالصبح فی اول الوقت، رقم: ۶٤٦ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی وقت النبی صلی الله علیه وسلم، رقم: ۳۹۷، ٤۱۱، سنن النسائی، کتاب الصلاۃ، باب تعجیل العشاء، رقم: ۵۲۸

(۳)جامع الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ما جاء فی التعجیل بالظهر، رقم: ۱۵٦

اور ایک روایت امام ابوحنیفہ سے یہ بھی منقول ہے۔

امام ترمذیؒ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کسی کو نماز ظہر کی بہت زیادہ تعجیل کرنے والا نہیں دیکھا۔ مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز دوپہر [مراد اول وقت ہے] میں پڑھتے تھے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب زوال آفتاب ہوگیا تھا]۔

اور موسم گرما میں ابراد ہے، اور سرما میں تو ابراد بھی نہیں (۱) پس بکر کے دو بجے (اور) ڈھائی بجے کو غور کرنا چاہیے، کس قدر خلاف پر [ہے] اور موذن کی خیانت پر لحاظ چاہیے۔

اور درباب آیت

﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوداً﴾ (۲)

قرأت فجر میں، نہ تلاوت میں اول دن میں۔

---

(۱) علمائے احناف کا مسلک یہ ہے کہ گرمی کے زمانہ میں ظہر کی نماز ذرا تاخیر سے یعنی ابراد کر کے ادا کی جائے اور سردی کے موسم میں تعجیل یعنی اول وقت میں ادا کی جائے، یہی مفتیٰ بہ قول ہے، فتویٰ میں مذکور احادیث شریفہ تعجیل کی بنیاد ہے، اور تاخیر کی اساس وبنیاد "ابردوا بالظهر في الصيف، لأن شدة الحر من فيح جهنم" اور "اذا كان الحر، أبرد بالصلوٰة، واذا كان البرد عجّل" جیسی احادیث شریفہ ہیں، ایک اور حدیث میں ہے کہ سردی کے موسم میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز اول وقت میں ادا فرماتے تھے اور گرمی کے دنوں میں ابراد یعنی تاخیر سے ادا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں احناف کا مسلک زیادہ بہتر اور قابل ترجیح ہے، اس لیے کہ سردی میں اول وقت میں نماز ادا کرنے اور گرمی میں تاخیر کرنے سے تکثیر جماعت کا فائدہ ہے، البتہ مسلک شافعی کے یہاں تمام نمازوں میں تعجیل یعنی اول وقت میں ادا کرنا افضل ہے۔

(۲) الاسراء: ۷۸

كـمـا فـي جامع الترمذي عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عـليـه وسلم في قوله تعالىٰ ﴿وَقُـرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوداً﴾ قـال: تشهده ملائكة الليل وملائكة النهار. هذا حديث حسن صحيح.(١) انتهىٰ.

وفـي صـحـيـح البـخـاري عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عـليـه وسـلـم قـال: فضل صلوٰة الجميع على صلوٰة الواحد خـمـس وعشرون درجة وتـجـمـع ملائكة الليل وملائكة الـنهـار فـي صـلـوٰة الصبح. يقول أبو هريرة: اقرأوا ان شئتم ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوداً﴾ (٢) انتهىٰ.

[جامع الترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوداً﴾ کے بارے میں فرمایا: صبح وشام کے ملائکہ اس کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز جماعت کی فضیلت تنہا پڑھی جانے والی نماز سے پچیس درجہ بڑھ کر ہے، صبح کی نماز میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے دونوں جمع ہوتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوداً﴾ پڑھا کرو]۔

والله أعـلـم بالصواب، واليه المرجع والمآب. حرره الراجي عفو ربه المتين أبو المحاسن محمد أمين عفا الله المتين عن ذنبه الخفي والمبين.

---

(١) جـامـع الـتـرمـذي، ابـواب تـفـسيـر الـقـرآن، باب: ومن سورة بني اسرائيل، رقم: ٣١٣٥، سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب وقت صلاة الفجر، رقم: ٦٧٠

(٢) البخاري، كتاب التفسير، باب قوله: ان قرآن الفجر كان مشهوداً، رقم: ٤٧١٧

قرأت سورۂ فاتحہ(۱)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھے یا کہ نہیں؟ خواہ نماز سری ہو خواہ جہری، جو [مقتدی] کہ پیچھے امام کے، سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے، ان کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی کون کون سی دلیلیں ہیں؟ اور قوی ہیں یا کہ ضعیف؟ اور جو [مقتدی] کہ پیچھے امام کے، سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں، ان کے پڑھنے کی کون کون سی دلیلیں ہیں؟ اور قوی ہیں یا کہ ضعیف؟ فقط۔

هو الموفق

جواب: [صورت مسئولہ بالا میں] جبکہ دلیلیں فریقین کی قوی ہیں، اس میں اقویٰ

---

(۱) مسئلہ قرأت فاتحہ خلف الامام بین المسالک معرکۃ الآراء مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ہے، اور اس مسئلہ میں فقہائے امت کے درمیان اختلاف دو طرح کی احادیث شریفہ کی وجہ سے ہے، اس سلسلہ میں علمائے احناف کا مسلک یہ ہے کہ نماز میں قرأت فرض ہے، اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، اگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جارہی ہو تو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ امام کی قرأت ہی مقتدی کے لیے کافی ہے، اسی لیے قرأت فاتحہ خلف الامام کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، البتہ امام محمد بن الحسن شیبانی کا ایک قول صاحب ہدایہ نے کتاب الصلوٰۃ، فصل فی القرأۃ میں نقل کیا ہے، جس میں قرأت فاتحہ خلف الامام کو احتیاطاً استحسان درجہ دیا گیا ہے، علامہ ابن ہمام حنفیؒ نے اپنی کتاب میں لمبی بحث وتمحیص کے بعد رقم فرمایا ہے کہ خلف الامام قرأت نہ کرنے میں ہی احتیاط ہے، کیونکہ احتیاط تو اسی وقت ممکن ہے جب قوی ترین دلیل پر عمل کیا جائے، اور یہاں قوی ترین دلیل قرأت نہ کرنے میں ہے۔ اس موضوع پر متعدد چھوٹی بڑی کتابیں اور رسائل عربی، اردو اور فارسی میں موجود ہیں، اردو میں حنفی مسلک کے لیے "تنقیح الکلام فی النهي عن القراءة خلف الامام" از حضرت مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ ترجمہ از مولانا عبدالعلیم آغا ندویؒ تلمیذ حضرت مولانا حیدر حسن خاں محدث ٹونکیؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تصنیف "هداية المعتدى فى قراءة المقتدى" اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ [بانی دارالعلوم دیوبند] کی کتاب "الدليل المحكم على عدم قراءة المؤتم"، حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی "ایضاح الادلہ" اور "ادلہ کاملہ" اور استاد گرامی مولانا مفتی راشد حسین ندوی مدظلہ العالی کی کتاب "مسلکی اختلافات اور راہ اعتدال" کا مطالعہ مفید ہے۔

اوراولیٰ بعد تأمل کے، پیچھے امام کے، پڑھنا [ہے] سورۂ فاتحہ کا سری [نماز] میں۔ اور جہری [نماز] میں اگر سکتاتِ امام [دو آیتوں کے درمیان کا وقفہ] کو پاوے، بہر کیف پڑھنا بہتر ہے نہ پڑھنے سے، اس طور پر کہ امام کی قرأت کو پریشان نہ کرے۔

ایک فریق کا آیت کے ساتھ حجت پکڑنا [یہ ہے]

﴿وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ﴾ (۱)

[اور جب بھی قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر اسے سنو اور خاموش رہو، تا کہ تم پر رحمت ہو]۔

دوسرے فریق کا [استدلال] ساتھ آیت [کے یہ ہے]

﴿فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ (۲)

[تو جو اس میں آسانی سے ہو، وہ پڑھ لیا کرو]۔

اور سنت یعنی حدیث [سے استدلال] کر کے ایک گروہ [عدم قرأت فاتحہ خلف الامام کا قائل ہے]

"من كان له امام، فقراءة الامام قراءة له" (۳)

[ترجمہ: جس مقتدی کا کوئی امام ہو، تو امام کی قرأت اس کے لیے بھی ہے] (اور) حدیث دوسری [ہے]

"اذا كبر الامام فكبروا، واذا قرأ فأنصتوا" (٤)

---

(١) الأعراف: ٢٠٤ (٢) المزمل: ٢٠

(٣) سنن ابن ماجه، باب اذا قرأ الامام فأنصتوا، رقم الحديث: ٨٥٠، شرح معانى الآثار للامام الطحاوي، باب القراءة خلف الامام، رقم الحديث: ١١٩٢-١٢٨٧-١٢٩٤، سنن الدار قطني، باب ذكر نيابة الامام عن المأموم مين، رقم الحديث: ٤، مسند الامام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ٧٢٦٨

(٤) سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب قراءة أم القرآن خلف الامام فيما جهر به، رقم الحديث: ٩٢٢-٩٢٣، ابن ماجة، أبواب اقامة الصلوات والسنة فيها، باب اذا قرأ الامام فأنصتوا، رقم الحديث: ٨٤٦

[ترجمہ: جب امام اللہ أکبر کہے تو تم بھی اللہ أکبر کہو، اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو]

(اور) حدیث تیسری [ہے]

"ما لي أنازع القرآن"(۱)

[مجھے کیا ہوا ہے کہ میں قرآن سے جھگڑ رہا ہوں]۔

دوسرے گروہ کا، سنت یعنی حدیث [سے استدلال] کر کے، سند [دلیل] پکڑنا [یہ ہے]

"من صلّى صلاة، لم يقرأ فيها بفاتحة الكتاب، فهي خداج، يقولها ثلاثاً"(۲)

[کسی نے کوئی نماز ایسی پڑھی جس میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی، تو وہ غیر مکمل ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین بار فرمائی]۔

(اور) حدیث دوسری [ہے]

"لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب"(۳)

---

(۱) جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء في ترك القراءة، رقم الحديث: ۳۱۲، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من رأى القراءة اذا لم يجهر، رقم الحديث: ۸۲۶-۶۲۷، سنن النسائي، باب ترك القراءة خلف الامام فيما جهر به الامام، رقم الحديث: ۹۲۰، سنن ابن ماجة، اذا قرأ الامام فأنصتوا، رقم الحديث: ۸۴۸

(۲) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة القرآن في كل ركعة وانه اذا لم يحسن الفاتحة ولا أمكنه تعلمها قرأ ما تيسر له من غيرها، رقم: ۳۹۵، وفي هذا الباب ورد بلفظ أم القرآن أيضاً، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب، رقم: ۸۲۱، الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما في القراءة خلف الامام اذا جهر به الامام: ۳۱۲، باب: ومن سورة فاتحة الكتاب، رقم: ۲۹۵۳، سنن النسائي، باب ايجاب قراءة فاتحة الكتاب، رقم الحديث: ۹۱۱/۳۱۱

(۳) صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم في الصلوات كلها في السفر والحضر وما يجهر فيها وما يخافت......... باقی اگلے صفحہ پر

[اس شخص کے لیے نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی]۔ حدیث تیسری [ہے]

"لا صلاة الا بقراء ة"(۱)

[کوئی نماز قرأت کے بغیر نہیں ہوتی ہے]۔

واللّٰہ أعلم وعلمه أتم وأحكم، حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني عفا اللّٰہ عنه ذنوبه وستر عيوبه وعن والديه، وكرمهم من لديه.

حرف ضاد کا مخرج اور اس کا حکم؟(۲)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حرف "ض" کی آواز پڑھنے میں مثل آواز "ظ" کے ہے، یا مثل آواز "د" پُر یعنی پُر دواد کے،

......بقیہ حاشیہ......رقم الحديث: ۷۵٦،صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب القراءة في كل ركعة، رقم الحديث: ۳۹٤،وفيه أيضاًورد بلفظ أم القرآن۔ جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء أنه لا صلاة الا بفاتحة الكتاب،رقم الحديث: ۲٤۷، باب ما جاء في القراءة خلف الامام،رقم الحديث: ۳۱۱-۳۱۲

(۱)صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب الفاتحة في كل ركعة، رقم الحديث: ۳۹٦

(۲) مخارج میں سب سے مشکل ضاد کا مخرج ہے، یہ چیز مشقوں سے ہی صحیح طور پر حاصل ہوتی ہے، اس کی کوشش ہونی چاہیے کہ قرآن مجید کو قرأت وتجوید کے ساتھ پڑھا جائے، ورنہ معمولی سی غلطی سے بہت کچھ فرق پڑتا ہے۔ جہاں تک حرف ضاد کی بات ہے تو اس کے مفصل احکام متعدد عربی اور فارسی کتابوں میں موجود ہیں، اور اردو میں علمائے ہند وپاک کی کتب فتاوی میں کہیں پر مختصر اور کہیں پر مفصل موجود ہیں، البتہ اس موضوع پر سب سے جامع ومفید رسالہ مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندیؒ کے قلم سے ہے،جواهر الفقه ۳/۱۹-۴۴،طبع جدید مع اضافات مقالات ورسائل کثیرہ، میں شامل ہے، اسی طرح حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی قیمتی تحقیق "حرف ضاد-مخرج واحکام" امداد الفتاوی جلد اول میں ہے، زلۃ القاری کے موضوع پر ایک اہم رسالہ، "مسائل زلة القاری" کے نام سے جامعہ علوم القرآن (جمبوسر، گجرات) نے نہایت عمدگی سے شائع کیا ہے، جو نہایت قیمتی اور لائق استفادہ ہے۔

اگر ''ض'' کو مشابہ آواز ''ظ'' کے پڑھیں، تو نماز میں کسی قسم کا نقصان ہوتا ہے یا نہیں؟ اور ہم لوگ کہ ہمیشہ ''ض'' کو مشابہ آواز ''د'' پڑ یعنی مغضوب کو مغدوب اور ضالین کو دالین یا دوالین پڑھتے ہیں، سو دریافت کیا جاتا ہے کہ ہماری نماز میں از راہ دلائل فقہیہ وتفسیر یہ وتجوید وصرف کسی قسم کا فساد وفتور تو نہیں ہوتا؟ مع حوالہ وسند کتب معتبرہ جواب صاف تحریر فرمائیں۔ ہمارے اس شک کو رفع کیجئے کیونکہ آپ لوگ وارث انبیاء ہیں، آپ کو صاف صاف تحریر فرمانا ضروریات [میں] سے ہے۔

وجہ دریافت یہ ہے کہ آج کل ایک کتاب ''مجموعة الفتاویٰ'' مؤلفہ مولوی عبدالحی صاحب مرحوم لکھنویؒ [یکے از مشاہیر علمائے فرنگی محل، وارث درس نظامی واستاد صاحب فتاویٰ] آئی ہے، سو جلد اول/۲۱۳، سطر/۱۶ میں مسطور ہے: ''جو شخص کہتا ہے کہ حرف ''ضاد'' کو اگر بصورت ''ظاء'' یا ''زاء'' پڑھا تو مفسد ہے اور بصورت ''دال'' مفسد نہیں ہے۔ اس کا قول نہ موافق مختار اکثر مشائخ کے، ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ''ظاء'' اور ''زاء'' سے نماز نہیں فاسد ہوتی ہے، اور نہ موافق متقدمین کے، کیونکہ ان کی رائے پر ''ظاء'' -ولا الضالین- میں مفسد نماز نہیں ہے جیسا کہ عبارت قاضی خان وغنیۃ سے ظاہر ہے، بلکہ موافق عبارت قاضی خان کے ''ذال معجمہ'' بھی ولا الضالین میں مفسد نہیں اور ''دال مہملہ'' مفسد......الخ''۔

اور صفحہ/۱۱۵، سطر/۳ میں تحریر فرماتے ہیں: ''قراء عرب وعجم کا ولا الضالین کو دال مہملہ سے پڑھنا غلط محض ہے، کیونکہ جس کو امتیاز مخرج ضاد اور دال میں نہیں اور دونوں میں امتیاز پر قدرت نہیں، وہ قاری نہیں۔ اور علمائے عرب وعجم بھی جو فن قرأت سے واقف ہیں، اور مسائل فقہیہ پر مطلع ہیں وہ دال مہملہ نہیں پڑھتے ہیں، اور جو ایسے نہیں وہ حکم عوام میں ہیں، ان کا اعتبار نہیں............الخ''۔

ان عبارات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حرف ''ضاد معجمہ'' مشابہ آواز حرف ''ظاء معجمہ'' وغیرہ کے ہے، اسی کے مشابہ پڑھنے میں احتیاط ہے، کیونکہ ہم لوگ قاری نہیں،

مخارج حروف سے واقف نہیں، مشابہ آواز ''دال مہملہ'' کے نہ پڑھنا چاہیے، مگر چونکہ ہم لوگ ایک عرصہ دراز سے مشابہ ''دال مہملہ'' کے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کو پڑھا کرتے ہیں۔ اس سبب سے فقط ''مجموعۃ الفتاویٰ'' کو دیکھ کر عمل کر لینا مناسب نہ جان کر آپ کے ملاحظہ میں یہ استفتاء ارسال کیا جاتا ہے کہ اس باب میں کیا صحیح ہے؟ یعنی ضاد کو مشابہ ظاء کی آواز کے پڑھنا احتیاطاً بہتر ہے یا مثل آواز دال مہملہ کے؟ اور جیسا کہ مولانا عبدالحی صاحب مرحوم نے اس مجموعہ مذکورہ بالا میں تحریر فرمایا ہے، مطابق اس کے عمل کرنا چاہیے؟ یا ان کی تحریر کو غلط سمجھ کر نہ عمل کا نا چاہیے؟

بہت ہی صاف صاف جواب مدلل بدلائل قویہ مع عبارات کتاب قلمی فرمائیے، یہاں مسلمانوں میں اس مسئلہ کی وجہ سے بہت بڑا اختلاف واقع ہے، اور مزاع وفساد پڑا ہوا ہے، اس اختلاف کو خدا کے واسطے رفع کیجیے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس اصلاح کے عوض میں ثواب عظیم عطا فرماوے گا۔ بینوا توجروا۔ (مرسلہ: الٰہی بخش از جبل پور مقام خاص اومتی کاپل)

هو المصوب

جواب: فی الواقع ضاد معجمہ مشابہ ساتھ ظاء معجمہ کے [ہے]۔ یہی امر کتب تفسیر وفن تجوید وعلم صرف وکتب فقہیہ سے ثابت [ہے]۔ نہ مشابہ دال مہملہ کے۔ چنانچہ [حضرت] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ ''تفسیر فتح العزیز'' تحت آیۂ کریمہ ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾ (۱) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''بدانکہ فرق مخرج ضاد وظاء بسیار مشکل است، اکثر ہر دو را یکساں برآرند'' [ترجمہ: جان لیجیے کہ ضاد اور ظاء کے مخرج میں فرق کرنا بہت مشکل ہے، اکثر لوگ دونوں کا مخرج یکساں نکالتے ہیں]۔

اور ''تفسیر کبیر'' میں ہے:

فثبت بما ذكرنا أن المشابهة بين الظاء والضاد شديدة، وأنّ التمييز عسرٌ. (۲) انتهىٰ.

---

(۱) التكوير: ۲٤ (۲) مفاتيح الغيب للامام الرازي: ۱/ ٦۳، الباب الأول فى المسائل الفقهية، المسئلة العاشرة، ...... باقی اگلے صفحہ پر

[یہ بات ثابت ہوگئی کہ ضاد اور ظاء میں بہت مشابہت ہے، اور آپس میں تمیز وفرق کرنا دشوار اور مشکل ہے] اور "جهد المقل" میں ہے:

والضاد والظاء والذال والزاء المعجمات الكل متشاركة في الجهر والرخاوة، متشابهة في السمع. (١) انتهى.

[ضاد، ظاء، زاء اور زاء معجمات، سب مجہورہ اور رخوہ ہیں، آواز سننے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں] اور "فتاوی تاتارخانیہ" اور "خلاصۃ الفتاویٰ" اور "[فتاوی] قاضی خان" میں ہے:

لو قرأ الضالين بالظاء مكان الضاد أو بالذال لا تفسد صلاته، ولو قرأ الدالين تفسد. (٢) انتهى.

"ذخیرہ" میں ہے:

وأن يأتي بالذال مكان الضاد أو على العكس أو يأتي بالزاء المحض مكان الذال أو بالظاء مكان الضاد لا تفسد عند العامة. (٣) انتهى.

"رعایہ" مصنفہ امام ابو محمد مکی ۴۲۰ھ ہجری میں ہے:

والضاد لا تفترق عن الظاء الا باختلاف المخرج وزيادة

......باقیہ حاشیہ......مكتب الاعلام الاسلامي، الطبعة الثانية، حوزه علميه قم، ايران

(١) مجموعة الفتاوى: ١/ ٣٩٠، بحوالہ جهد المقل، علامہ عبدالحی فقہ اکیڈمی، اسلامک سینٹر آف انڈیا لکھنؤ، سن اشاعت ۲۰۱۰ء-۱۴۳۱ھ، طبع اول

(٢) قاضي خان مع الهندية: ١/ ١٤٣، مطبوعہ قدیمہ زکریا بک ڈپو دیوبند، فتاویٰ تاتارخانیہ ۸۲/۲، كتاب الصلاة، الفصل الثاني، مسائل زلة القاري، تهذيب وتعليق: الشيخ شبير أحمد القاسمي، استاد حدیث وفقہ مدرسہ شاہی مرادآباد، (مغربی یوپی)، مکتبہ زکریا دیوبند طبع اول ۱۴۳۱ھ-۲۰۱۰م

(۳) فتاویٰ تاتارخانیہ: ۸۲/۲، كتاب الصلاة، الفصل الثاني، مسائل زلة القاري، تهذيب وتعليق: الشيخ شبير أحمد القاسمي، مکتبہ زکریا دیوبند طبع اول ۱۴۳۱ھ-۲۰۱۰م

الاستطالة فی الضاد.(۱) انتھیٰ.

[اگر ضالین کو ظاء یا ذال سے پڑھا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر دال سے دالین پڑھا تو نماز فاسد ہوگی۔ ''ذخیرۃ'' میں ہے کہ ضاد کی جگہ ذال یا اس کے برعکس، یا ذال کی جگہ زائے محض یا ضاد کی جگہ ظاء پڑھے تو عام فقہاء کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی۔ امام ابو محمد مکیؒ کی کتاب ''رعایۃ'' میں ہے کہ ضاد وظاء سے سوائے اختلاف مخرج اور ضاد میں استطالت کے کوئی فرق وامتیاز نہیں ہے]۔

واللہ أعلم، وعلمه أتم وأحکم، حررہ عفو ربه المتین محمد أمین حسني الحسیني تجاوز اللہ عن ذنبه الخفي والمبین. فقط

ضاد کا مخرج کیا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ اس زمانہ میں بعض لوگ ''ضـــــاد'' کو مشابہ دال کے پڑھتے ہیں یعنی ''ضـــالیـــن'' کو ''دالیـــن'' پڑھتے ہیں، نماز ان لوگوں کی ہوتی ہے یا نہیں؟ اور ضاد مشابہ ظاء کے ہے یا دال کے؟ فقط، بیّنوا توجروا۔

(آپ کا خادم قدیم محمد عظمت اللہ اعظم گڑھی، حال مقامی سوپول ضلع بھاگل پور)

هو المصوب

جواب: ضاد معجمہ کو اگر مشابہ دال مہملہ کے پڑھے گا، تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ کما فی فتاوی قاضی خان: ولو قرأ الضالین بالظاء أو بالذال لا تفسد صلاته، ولو قرأ الدالین تفسد.(۲) انتھیٰ.

---

(۱) مجموعة الفتاویٰ: ۱/۳۹۰، بحواله شرح الشاطبي، رعایه، جهد المقل، علامہ عبد الحی فقہ اکیڈمی، اسلامک سینٹر آف انڈیا لکھنؤ، سن اشاعت ۲۰۱۰ء-۱۴۳۱ھ، طبع اول

(۲) فتاویٰ قاضي خان مع الفتاوی الهندیة: ۱/۱۴۳ مکتبة زکریا دیوبند بدون التاریخ

وفی خلاصة الفتاویٰ: ولو قرأ الضالين بالظاء أو الذال أو بالزاء لا تفسد.(۱)انتهیٰ.

[فتاوی قاضی خان میں ہے کہ اور اگر ضالین کو ظاء اور ذال سے پڑھے تو نماز ہو جائے گی، اور اگر دال سے پڑھے، تو نماز نہیں ہوگی۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ ضالین کو ظاء اور ذال یا زاء سے پڑھے تو نماز فاسد نہیں ہوگی]۔

ضاد مشابہ ظاء کے ہے، نہ دال کے۔ تمامی کتب تفاسیر وفقہ وتجوید وصرف سے ثابت ہے۔ من شاء فلیرجع الیها. "جهد المقل" میں ہے:

ويشبه صوتها أى صوت الضاد المعجمة صوت الظاء المعجمة بالضرورة.(۲)انتهیٰ.

[اور ضاد معجمہ کی آواز بالبداہہ ظاء معجمہ کی آواز سے مشابہ ہوتی ہے]۔

ضاد رخوہ ہے، ساکنہ ہے، مطبقہ ہے، مستعلیہ ہے، مفخمہ ہے، مستطیلہ ہے، منفوخہ ہے۔ دال شدیدہ ہے، قلقلہ ہے، منفتحہ ہے، مستفلہ ہے، مرققہ ہے، قصیرہ ہے، غیر منفوخہ ہے۔ میان ضاد ودال ان سات صفتوں کا فرق ہے۔ فقط

والله أعلم بالصواب، وعنده أم الكتاب، واليه المرجع والمآب.

نقمه محمد أمين الحسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الدقيق والسمين.

نماز میں سورت خاص کرنا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین [و] مفتیان شرع مبین بیچ اس مسئلہ کے کہ مخصوص کرنا سورہ کا کسی نماز میں یعنی خاص کر، وہی سورہ اس نماز میں پڑھنا اور اسی کو

(۱) مجموعۃ الفتاویٰ: ۱/۳۹۳، بحوالہ خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ علامہ عبد الحی فقہ اکیڈمی لکھنؤ، سن اشاعت ۱۴۳۱ھ-۲۰۱۰ء، طبع اول

(۲) مصدر سابق: ۱/۳۹۳، بحوالہ جهد المقل، مطبوعہ علامہ عبد الحی فقہ اکیڈمی لکھنؤ، سن اشاعت ۱۴۳۱ھ-۲۰۱۰ء، طبع اول

سنت سمجھنا کیسا ہے؟ امید [ہے] کہ بحوالہ حدیث مطمئن فرماویں [گے]۔

هو الموفق

جواب: مخصوص کرنا کسی سورت کا نماز میں نزدیک فقہاء کے، مکروہ ہے۔

کما في الهداية: ويكره أن يوقت بشيئ من القرآن لشيئ من الصلوات لما فيه من هجر الباقي و ايهام التفضيل. انتهى(۱)

وفي الكافي: قيل، انها تكره الملازمة اذا لم يعتقد الجواز بغيره، وانّما قرأها لأنّها أيسر فلا يكره. انتهى(۲)

[ہدایہ میں ہے کہ نماز کے لیے قرآن مجید میں سے کسی ایک صورت یا آیات کی تعیین کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ اس میں باقی کا ترک لازم آئے گا، اور فضیلت کا وہم پیدا ہوگا۔ الکافی میں ہے: کہا گیا کہ لزوم (پابندی کرنا) مکروہ ہے، اگرچہ اس کے بغیر جواز کا اعتقاد نہ رکھے، اور اس (پڑھنے والے) نے اس کو اس لیے پڑھا ہے کہ کیونکہ یہ آسان ہے، تو مکروہ نہیں ہے] باقی بطرز مسنون۔

والله أعلم بالصواب، وعنده أم الكتاب، حرره الراجيَ عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني غفر الله له ولوالديه.

فرض نماز و جمعہ کے بعد دعا میں آمین کہنا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز فرض و جمعہ، دعا کے وقت مقتدی تا اختتام دعا بآواز بلند ساتھ قرأت آمین آمین کہا کرتے ہیں۔ کہنا سنت ہے یا واجب یا مکروہ؟ مع دلیل احادیث وغیرہ کے ارشاد فرمائیں۔

---

(۱) الهداية، كتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة، فصل في القرأة: ۱/۱۰۸، مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ

(۲) الكافي......؟ البناية شرح الهدايه، كتاب الصلوٰة، فصل في القراءة: ۲/۳۱۳، مکتبہ اشرفیہ دیوبند، طبع اول ۱۴۲۶ھ-۲۰۰۵ء

[نیز] کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز کے جو دعا امام مانگتا ہے، اور مقتدی آمین کہتے ہیں، وہ باواز بلند جائز ہے یا سنت یا ناجائز؟

(رقیمہ نیاز آثم محمد شریف خان حنفی عفی عنہ از حسن پور، ۲۲ / نومبر ۲۲ء)

هو الهادى الى سبيل الرشاد

جواب: مسنونیت ہویدا و پیدا [ہے]۔

كما أخرجه الطبراني أنه صلى الله عليه وسلم قال: "ربِّ اغفرلي، آمين." (۱). انتهىٰ.

(ترجمہ: بیشک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے پالنے والے میرے! بخش دے واسطے میرے۔ آمین)۔

وفي سنن أبي داؤد (۲):

فاذا دعا الرجل منّا بدعاء، قال: اختمه بآمين، فان آمين مثل الطابع على الصحيفة. قال أبو زهير: أخبركم عن ذالك، خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة، فأتينا على رجل قد ألحّ في المسئلة فوقف النبي صلى الله عليه وسلم يستمع منه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أوجب ان ختم، فقال: بأي شيئ يختم؟ فقال: بآمين، فانه ان ختم بآمين فقد وجب، فانصرف الرجل الذى سأل النبي صلى الله عليه وسلم، فأتى الرجل فقال: اختم يا فلان بآمين وأبشر. (۱) انتهىٰ.

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني، باب الخروج الى الصفا: ۱۵/۴۱۹، رقم الحديث: ۱۷۵۷۳ "عن وائل بن حُجرٍ أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم حين قال: غير المغضوب عليهم ولا الضالين، قال: ربّ اغفر لي. آمين."

(۲) سنن ابو داؤد، مطبوعہ نول کشوری، صفحہ: ۱۳۰/۱، سطر: ۱۶، في باب التأمين وراء الامام، حوالہ از صاحب فتاویٰ حضرت محدث نصیر آبادیؒ

(۳) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب التأمين وراء الامام، رقم الحديث: ۹۳۹، دار السلام، الرياض، المملكة العربية السعودية

(ترجمہ: پس جس وقت دعا کرتا ہم میں سے مرد، ساتھ دعا کے۔ کہا: ختم کرے اس کو ساتھ آمین کے، پس تحقیق آمین مانند مہر کرنے کی ہے اوپر خط کے۔ ابوزہیر نے کہا: خبر کرتا ہوں میں تم کو اس سے، ہم ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک رات نکلے، پس آئے ہم اوپر مرد کے، بیشک الحاح کیا بیچ سوال کے، پس ٹھرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، سنتے تھے اس سے، پس فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم نے: واجب کیا اگر ختم کیا، پس کہا مرد نے: کس چیز کے ساتھ ختم کرے؟ پس فرمایا: ساتھ آمین کے۔ پس تحقیق شان یہ کہ اگر ختم کرے ساتھ آمین کے، پس بیشک واجب کیا۔ پس پھرا (وہ) مرد جس نے سوال کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، پس آیا مرد کو، پس کہا: ختم کر اے فلانے! ساتھ آمین کے اور خوش خبری لے)۔

ترغیب وترہیب منذریؒ اور [مستدرکِ حاکم میں ہے]۔

وعن كعب بن عجرة رضي الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحضروا المنبر، فحضرنا، فلمّا ارتقى درجةً، قال: آمين، فلمّا ارتقى الدرجة الثانية، قال: آمين، فلمّا ارتقى الدرجة الثالثة، قال: آمين. فلمّا نزل، قلنا يا رسول الله صلى الله عليه وسلم! لقد سمعنا منك اليوم شيئاً ما كنا نسمعه!! قال: انّ جبريل عرض لي، فقال: بعد من أدرك رمضان فلم يغفر له، قلت: آمين، فلما رقيت الثانية، قال: بعد من ذكرتَ عنده، فلم يصلّ عليك، فقلت: آمين، فلما رقيت الثالثة، قال: بعد من أدرك أبويه الكبرُ عنده أو أحدهما فلم يدخلاه الجنة، قلت: آمين. (۱) رواه

(۱) المستدرك على الصحيحين مع تعليقات الذهبي.......... باقی اگلے صفحہ پر

الحاکم وقال: صحیح الاسناد. انتھیٰ.

[حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: منبر حاضر کرو، تو ہم نے حاضر کیا، جب آپ منبر کی پہلی سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا: آمین، اور جب دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، اور جب تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین۔ جب آپ سیڑھی سے اترے تو ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یقیناً ہم نے آپ سے آج ایک ایسی بات سنی ہے جو کہ ہم نے سنی نہیں تھی!! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبریلؑ نے مجھ سے عرض کیا، انہوں نے کہا کہ وہ آدمی دور ہو جس نے رمضان کا مہینہ پایا ہو اور اس کی مغفرت نہ ہوئی ہو، تو میں نے کہا: آمین۔ اور جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو کہا کہ وہ آدمی دور ہو جس کے پاس آپ کا ذکر ہو، اور وہ درود نہ بھیجے، تو میں نے آمین کہا، اور جب تیسری سیڑھی پر چڑھا تو کہا کہ وہ شخص دور ہو جس کے والدین یا دونوں میں سے ایک کو اس کے پاس بڑھاپے نے اپنی گرفت میں لے لیا ہو اور وہ دونوں اس کو جنت میں داخل نہ کریں یعنی ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکے، تو میں اس کے جواب میں آمین کہا۔ اس حدیث کو] حاکم نے روایت کیا اور صحیح الاسناد کہا۔

.........بقیہ حاشیہ...... کتاب البر والصلة: ٤/١٧٠، رقم الحديث: ٧٢٥٦، دار الكتب العلمية بيروت. شعب الايمان للبيهقي، باب تعظيم النبي واجلاله وتوقيره صلى الله عليه وسلم: ٣/١٣٤، رقم الحديث: ١٤٧١، المعجم الكبير للطبراني، باب نفقة الدواب، رقم الحديث: ١٥٦٦٤٧، الترغيب والترهيب للمنذري، الترغيب في صيام رمضان احتساباً، وقيام ليله سيما ليلة القدر، وما جاء في فضله: ٢/٩٢، رقم الحديث: ٩، عنى بطبعه ونشره خادم العلم عبد الله بن ابراهيم الأنصاري

ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا:

وعن مالك بن الحسن بن مالك بن الحويرث عن أبيه عن جدّه رضى الله عنه قال: صعد رسول الله صلى الله عليه وسلم المنبر فلما رقى عتبة، قال: آمين ثم رقى أخرى، قال:آمين، ثم رقى عتبة ثالثة، قال: آمين،ثم قال أتاني جبريل فقال: يا محمد!من أدرك رمضان فلم يغفر له فأبعده الله، فقلت: آمين، قال: ومن أدرك والديه أو أحدهما فدخل النار، فأبعده الله، فقلت: آمين، قال: ومن ذكرت عنده فلم يصل عليك ، فأبعده الله، فقلت: آمين.رواه ابن حبان في صحيحه.(١)

[مالک بن حسن اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے، جب آپ نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، اور جب تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو ارشاد فرمایا: آمین، پھر آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریلؑ آئے تھے، اور انہوں نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس کی مغفرت نہیں ہوئی تو اللہ تعالیٰ اس کو دور کرے، تو میں نے کہا: آمین، جبریلؑ نے فرمایا کہ جو اپنے والدین کو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو پائے، پھر بھی وہ دوزخ میں جائے! اللہ تعالیٰ اس کو دور کرے، تو میں نے کہا: آمین، انہوں نے کہا کہ جس کے پاس آپ کا ذکر ہو اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے، تو ایسے کو اللہ دور کرے، تو میں نے کہا: آمین۔]

اور مانند اس کے بزاز اور طبرانی نیز روایت کیا ہے، اور اس کی مانند ابن خزیمہ نے

(١)صحيح ابن حبان، باب حق الوالدين: ٢/ ١٤٠، رقم الحديث: ٤٠٩، باب الأدعية: ٩٠٧، مؤسسة الرسالة، بيروت، ١٤١٤هـ-١٩٩٣م

روایت کیا(۱)اوراور تفسیر بیضاوی شریف میں [ہے]

وليس في القرآن وفاقا.(۲)

وفی تفسير السراج المنيرل:

أن التـأميـن انـمـا يكون بعد الدعاء، وليس آمين من القرآن اتـفـاقـاً لـقوله عليه السلام علمني جبريل عليه السلام آمين عند فراغي من قراء ة الفاتحة. رواه البيهقي وغيره.(۳)

وفـي ابن ماجة عن النبي صلى الله عليه وسلم ما حسدتكم اليهـود عـلـى شيئ ما حسدتكم على السلام والتأمين.(٤) أخرجه ابن ماجة.

[آمین بالاتفاق قرآن میں سے نہیں ہے۔ تفسیر سراج منیر میں ہے: بلاشبہ تأمین (آمین کہنا) دعا کے بعد ہوتی ہے، اور بالاتفاق آمین قرآن میں سے نہیں ہے۔ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے سورہ فاتحہ سے ختم کرنے کے بعد آمین کی تعلیم دی۔ (بیہقی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد

(۱)مسـنـد البـزار، مسـنـد عـمـار بن ياسر رضي الله عنهما، رقم الحديث: ١٤٠٥، مسـنـد عبـد الله بـن الـحارث، رقم الحديث: ٣٧٩٠، المعجم الكبير للطبراني،باب الامـام يـجهـر بالتأمين في صلاة الجهر، رقم: ١٩٩٠، ١٠٩٥٢، ١٥٦٤٧، صحيح ابـن خـزيـمة، باب استحباب الاجتهاد في العبادة في رمضان ......الخ، رقم: ١٨٨٨، المكتب الاسلامي بيروت، الطبعة الثانية

(۲)تفسير البيضاوي، سورة الفاتحة:١/٨٣، دار الفكر بيروت

(۳)تفسير السراج المنير للشربيني، سورة الفاتحة:١/١٨، دار الكتب العلمية بيروت

(٤)سنن ابن ماجة،أبواب اقامة الصلوات والسنة فيها، باب الجهر بآمين، رقم:٨٥٦، دار السلام، الرياض

فرمایا: یہود تمہارے ساتھ کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا کہ وہ سلام اور آمین کہنے پر حسد کرتے ہیں]۔

آمین کا دعا ہونا نہ قرآن سے ثابت [ہے] نہ حدیث سے ثابت ہے، اگر کسی کے قول سے ثابت، وہ لائق حجت پکڑنے کے نہیں، کیونکہ بے دلیل ہے:

وفي صحيح البخاري(١)أخبره ابن عباس رضي الله عنهماأن رفع الصوت بالذكر حين ينصرف الناس من المكتوبة كان على عهد النبي صلى الله عليه وسلم، وقال ابن عباس كنت أعلم اذا انصرفوا بذلك اذا سمعته.(٢) انتهىٰ.

[حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابومعبد کو بتایا کہ جب لوگ فرض نماز سے فارغ ہوتے تو عہد نبوی (ﷺ) میں بلند آواز سے ذکر کرنا رائج تھا، حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ جب میں سنتا کہ لوگ ذکر کرتے ہوئے لوٹے تو معلوم ہو جاتا کہ نماز ختم ہوگئی ہے]۔

ابن ماجہ کی روایت (۳) میں ہے:

وعن ابن عباس رضي الله عنهما قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما حسدتكم اليهود على شيئ ما حسدتكم على السلام والتأمين. رواه ابن ماجة في باب الجهر بآمين.(٤)

حافظ عبدالعظیم منذریؒ نے کتاب ترغیب وترہیب (۵) میں کہا:

عن عائشة رضى الله عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم

---

(۱) صحیح بخاری، مطبوعہ احمدی، صفحہ:۱۱۶، حوالہ از صاحب فتاویٰ (٢) صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، رقم:٨٤١، دار السلام، الرياض

(۳) سنن ابن ماجہ، چھاپہ اول دہلی صفحہ ۱۳۱، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(٤) سنن ابن ماجة،أبواب اقامة الصلوات والسنة فيها، باب الجهر بآمين، رقم:٨٥٦، دار السلام، الرياض (۵) ترغیب وترہیب، چھاپہ اول دہلی، صفحہ:۱۳۰، حوالہ از صاحب فتاویٰ

ماحسدتكم اليهود على شيئ ماحسدتكم على السلام والتأمين. رواه ابن ماجة باسناد صحيح وابن خزيمة فى صحيحه وأحمد.(۱)

([حضرت] عائشہ رضی اللہ عنہا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: یہود تمہارے ساتھ اتنا کسی چیز پر حسد نہیں کرتے جتنا سلام اور آمین کہنے پر) اسے ابن ماجہ نے صحیح اسناد سے روایت کیا ہے، اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

اور معنی آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً ......الآية﴾(۲) [سے استدلال] کرکے دلیل پکڑنا خفیہ آمین کہنے پر، آج تک کسی مفسر نے بھی خفیہ آمین کہنے کی نہیں کی۔ تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر بیضاوی اور تفسیر کبیر اور تفسیر مدارک اور تفسیر جلالین اور تفسیر فتح البیان وغیرہ تفسیریں دیکھ لیجیے۔

دوسری [بات] آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً ......الآية﴾(۳) سے آہستہ کہنا دعا کا ثابت، نہ آہستہ کہنا آمین کا۔ آہستہ کہنا آمین کا اس سے اس وقت ثابت ہو کہ [جب کہ] آمین دعا ہو، اور آمین کا دعا ہونا نہ قرآن سے ثابت، نہ حدیث سے، صرف تابعی کے قول سے [ثابت] جس کو عینی نے لیا، وہ بھی آمین اندر نماز کی بحث میں، اور مولوی احمد علی صاحب نے جس قرآن [کے] حاشیہ پر تفسیر ابن عباس کو

(۱)الترغيب والترهيب، كتاب الصلاة، الترغيب فى الأذان وماجاء فى فضله، رقم:٧٣٤،٧٣٨، صحيح ابن خزيمة، كتاب الصلاة، باب ذكر حسد اليهود المؤمنين على تأمينهم، رقم: ١٥٨٥، سنن ابن ماجة،أبواب اقامة الصلوات والسنة فيها، باب الجهر بآمين، رقم:٨٥٦، دار السلام، الرياض، مسند الامام أحمد بن حنبل، مسند عائشة، رقم:٢٥٧٧١، اس میں الفاظ حدیث یہ ہے: على قولنا خلف الامام آمين.

(۲)الأعراف: ٥٥ (۳)الأعراف: ٥٥

چڑھایا، اس میں [ہے]

"تضرعاً علانية، وخفيةً سراً، ويقال تضرعاً [أى] مستكيناً وخيفة أى خوفاً.(۱) انتهى"۔

سائل خارج صلوٰۃ سے یعنی باہر نماز کے، مقتدیوں کا پیچھے امام کے دعا میں آمین کہنے کو پوچھ رہا ہے، مجیب لا جواب بلا سمجھے، بے فہمی وکج فہمی سے اڑا اڑا کر کبھی مساوی، کبھی قیاسی، کبھی اجتہادی، کبھی قیاس مع الفارغ، کبھی مکروہ، کبھی جائز، کبھی خلط مبحث، کبھی افضل، کبھی جہر مفرط، کبھی عموم وخصوص، کبھی ممنوعیت بتا رہا ہے، سوال از آسمان جواب از ریسمان دکھا رہا ہے، سر وپیر کی خبر نہیں، معقول ومنقول ایک کر رہا ہے، کل ذلك عند ربك مكروهاً، خدا کو نہیں ڈرتا، نمود ونمائش دنیا کاف میم نون یائے، ہائے، خاتم بلا نگینہ، سفینہ بلا سینہ سے اللہ تعالیٰ بچاوے۔

ع   زکس گر نترسی بترس از خدا

اللہ تعالیٰ توفیق علم وعمل عنایت فرماوے اور توفیق تحقیق وتدقیق وتنقیح کرامت فرماوے، آمین۔ اور آمین کے باب میں جہاں تک طبع آزمائی کی گئی اندر نماز کے، حالانکہ سوال سائل کا باہر نماز میں دعا مانگنے میں مقتدیوں کا ساتھ امام کے قبولیت دعا میں آمین یعنی استجب ربی کا کہنا جواب ندارد، (اور) محول اندر نماز کر کے اڑایا گیا اندر نماز کے تو مصرح فرمایا ملا علی قاری حنفی نے اپنی تصنیف کردہ "مرقاۃ شرح مشکاۃ" میں، [چنانچہ وہ] لکھتے ہیں:

عن عطاء رضي الله عنه قال: أدركت مأتين من الصحابة، اذا قال الامام ولا الضالين رفعوا أصواتهم بآمين. رواه البيهقي وابن حبان فى [الثقات].(۲)

وعن أبى هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم

---

(۱) تنوير المقياس من تفسير ابن عباس، سورة الأعراف، رقم الآية:٥٥، رقم الصفحة:١١١، ١٢٩، دار الكتب العلمية لبنان

(۲) مرقاة المفاتيح لعلي القارى، كتاب الصلاة، باب القراءة فى الصلاة، الفصل الثاني،٢/ ٥٠٦، دار الفيصل للنشر والتوزيع، ديوبند

قال: وكل به سبعون ملكاً (يعنى الركن اليماني) فمن قال: اللهمّ انى أسئلك العفو والعافية فى الدنيا والآخرة، ربنا آتنا فى الدنيا حسنة وفى الآخرة حسنة وقنا عذاب النار، قالوا: آمين. رواه ابن ماجة.(١)

وعن أبى الدرداء رضي الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: دعوة المرء المسلم لأخيه –بظهر الغيب– مستجابة، عند رأسه ملَكٌ موَكّلٌ، كلّما دعا لأخيه بخير، قال الملَك الموَكّل به: آمين، ولك بمثل. رواه مسلم.(٢)

وعن وائل بن حجر رضي الله عنه أنه صلى خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فجهر بآمين.(٣) رواه أبو داؤد.(٤)

وعن وائل بن حجر رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين، فقال: آمين، مد بها صوته. (٥)رواه الترمذي وأبو داؤد والدارمى وابن ماجة.(٦)

---

(١)سنن ابن ماجة، أبواب المناسك، باب فضل الطواف، رقم: ٢٩٥٧، دار السلام، الرياض

(٢)صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الدعاء للمسلمين بظهر الغيب، رقم: ٢٧٣٢، ٢٧٣٣، دار السلام، الرياض

(٣)سنن ابوداؤد، چھاپہ ۱۲۷۲ھ، صفحہ: ۱۳۴، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(٤)سنن أبى داؤد، كتاب الصلاة، باب التأمين وراء الامام، رقم: ٩٣٣، دار السلام، الرياض

(٥)یہ حدیث مشکاۃ میں "باب القراءة فى الصلوٰة" [کی] دوسری فصل میں ہے، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(٦)جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء فى التأمين، رقم: ٢٤٨، سنن أبى داؤد، بلفظ "رفع بها صوته" فى كتاب الصلاة، باب التأمين وراء الامام، رقم: ٩٣٢، دار السلام، الرياض، سنن الدرامي، كتاب الصلاة، باب الجهر بالتأمين، رقم: ١٢٩٢، سنن ابن ماجة، كتاب اقامة الصلوات والسنة فيها: باب الجهر بآمين، رقم: ٨٥٣، ٨٥٥، دار السلام، الرياض

[حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے سنا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا، تو آپ نے آمین کہی، اس کے ساتھ اپنی آواز دراز کی]۔

وعـن أبـى هـريـرة رضي الله عنه قال: كان رسول اللهﷺ اللّٰه عـليه وسلم اذا تلا "غير المغضوب عليهم و لا الضالين" قـال: آمـين، حتى يسمع من يليه من الصف الأول. (۱) رواه أبو داؤد. (۲)

وعن وائل بن حجر رضي الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قرأ و لا الضالين، قال: آمين، ورفع بها صوته. (۳)

وأيـضـاً عـن بـلال رضـي الله عنه أنه قال: يا رسول الله! لا تسبقني بآمين. (٤) رواه أبو داؤد.

اور [حضرت] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان رسـول الله صلى الله عليه وسلم قال: اذا قال أحدكم آمين، وقـالـت الملائكة في السماء آمين فوافقت احداهما الأخرىٰ، غفر له ما تقدم من ذنبه. (٥) رواه البخارى ومسلم. (٦)

---

(۱) یہ حدیث [سنن ابوداؤد] چھاپہ اول مطبوعہ ۱۲۷۲ھ، صفحہ ۱۳۴ میں ہے، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(۲) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب التأمين وراء الامام، رقم: ٩٣٤؛ سنن ابن ماجة، كتاب اقامة الصلوات والسنة فيها، باب الجهر بآمين، رقم: ٨٥٣، دار السلام، الرياض

(۳) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب التأمين وراء الامام، رقم: ٩٣٢

(٤) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب التأمين وراء الامام، رقم: ٩٣٧

(٥) صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب فضل التأمين، رقم: ٧٨١، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التسبيح والتحميد والتأمين، رقم: ٤١٠، دار السلام، الرياض

(٦) حدیث بخاری چھاپہ میرٹھ کے صفحہ ۱۰۸/ میں اور مسلم میں جو کہ مع شرح نووی چھاپا گیا، اس کے صفحہ ۱۷۶/ میں ہے، حوالہ از صاحب فتاویٰ۔

دیگر روایتیں صحیحہ سے جملہ اندر نماز کے بابت، اور سوال سائل کا باہر نماز کے ہے، اس کو محول اندر کرکے جواب اڑا گیا، کچھ خبر نہیں سوال وجواب سے۔ فتح القدیر میں (۱) ہے:

وقد رجح الدارقطني وغيره رواية سفيان بأنه أحفظ، وقد روى البيهقي عن شعبة في الحديث...... [ولو كان اليّ في هذا شيءٌ لوفّقت بأنّ] رواية الخفض يراد بها عدم القرع العنيف. (۲)

(اگر میرے پاس کوئی دلیل ہوتی تو میں یوں مطابقت دیتا کہ آہستہ کہنے کی کہ روایت سے یہ مراد ہے [کہ] کڑک سخت نہ ہو۔ اس کو سن کرتا وقتیکہ جہر عنیف نہ ہو، یعنی شدت آواز سے، ورنہ مکروہ ہوگا)۔

اس قول کا پتہ نہیں، بے اصل وبے سند گڑھنت، سکران کا سا قول، کیونکہ روایات متعددہ منقول متقدم ہوچکیں سنت پر، باوجود یہ کہ باتیں اندر نماز [کی ہیں] سوال باہر کا ہے۔ مولانا بحر العلوم [عبد العلی فرنگی محلی لکھنویؒ] ارکان اربعہ میں فرماتے ہیں:

وأما الاسرار بالتأمين فهو مذهبنا ولم يرو فيه الا ما روى الحاكم عن علقمة بن وائل عن أبيه أنه مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فاذا بلغ ولا الضالين قال: آمين، وأخفى بها صوته، وهو ضعيف، وقد بين في فتح القدير وجه ضعفه. انتهى. (۳)

[اور جہاں تک آمین کو آہستہ کہنے کی بات ہے تو یہ ہمارا مسلک ہے،

---

(۱) فتح القدیر، چھاپہ نول کشور، جلد اول صفحہ ۱۲۱، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(۲) فتح القدير شرح الهداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۳۰۱-۳۰۲، تعليق وتخريج: الشيخ عبد الرزاق غالب المهدي، الطبعة الثانية ۲۰۰۹م، دار الكتب العلمية بيروت

(۳) رسائل الأحكام: ۷۶، المطبع العلوي بلكناؤ

اور اس میں کوئی روایت اس کے علاوہ نہیں ہے جو کہ محدث حاکم نے علقمہ بن وائل سے روایت کی ہے کہ وہ اپنے والد سے کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب قرأت کرتے ہوئے والا الضالین پر پہونچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آمین کہا اور آہستہ کہا، اور یہ ضعیف ہے، اور بیشک اس کی وجہ ضعف فتح القدیر میں بتائی گئی ہے]۔

چنانچہ شیخ ابن الہمام حنفی نے فتح القدیر(۱) میں کہا:

ذكر الترمذي في علله الكبير: أنه سئل البخاري هل سمع علقمة عن أبيه؟ فقال: أنه ولد بعد موت أبيه بستة أشهر.(۲)

(ذکر کیا[امام] ترمذیؒ نے بیچ کتاب علل کبیر کے، کہ میں نے بخاری سے پوچھا کہ آیا[حضرت] علقمہؒ نے اپنے باپ سے سنا ہے؟ پس کہا بخاری نے کہ وہ اپنے باپ مرنے کے چھ مہینہ پیچھے پیدا ہوئے تھے)۔

---

(۱) فتح القدیر، چھاپہ نول کشور، جلد اول صفحہ ۱۲۱، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(۲) یہ عبارت قابل غور ہے کہ حضرت علقمہ کا اپنے والد حضرت وائل بن حجرؓ سے سماع ثابت نہیں ہے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان (علقمہ) کا اپنے والد (وائل) سے سماع بلا شک وشبہ ثابت ہے، حضرت وائل کے دو صاحبزادے تھے ایک علقمہ بن وائل اور دوسرے عبد الجبار بن وائل، علقمہ عمر میں بڑے تھے اور عبد الجبار چھوٹے تھے، اور عبد الجبار اپنے والد کی وفات کے چھ ماہ بعد پیدا ہوئے تھے، علقمہ نہیں تھے۔ امام ترمذی نے ابواب الحدود، باب ما جاء في المرأة اذا استكرهت على الزنا میں ایک حدیث کے تحت لکھا "سمعت محمداً يقول عبد الجبار بن وائل بن حجر لم يسمع من أبيه ولا أدركه، يقال انه ولد موت أبيه بأشهر" اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ امام بخاری کا یہ قول عبد الجبار بن وائل کے بارے میں ہے، نہ کہ علقمہ کے بارے میں ہے، اسی باب کے اخیر میں امام ترمذی یہ تصریح بھی کردی "وعلقمة بن وائل بن حجر سمع من أبيه، وهو أكبر من عبد الجبار بن وائل، وعبد الجبار بن وائل لم يسمع من أبيه" یہ پوری تفصیل علامہ ظہیر احسن شوق محدث نیمویؒ کی شہرہ آفاق کتاب "آثار السنن مع التعليق الحسن مع تعليق التعليق" الجزء الاول ۱۹۲-۱۹۷، سلمان عثمان اینڈ کمپنی دیوبند ۱۴۲۳ھ طبع اول میں ملاحظہ ہو۔

[التعليق الممجّد على الموطا للامام محمد](۱) میں ہے:

والانصاف أن الجهر قوي من حيث الدليل.(۲)

[شرح موطا امام محمد رحمہ اللہ میں مولانا ابوالحسنات عبدالحی لکھنویؒ نے لکھا ہے: اعتدال کی بات یہ ہے کہ بحیثیت دلیل آمین بالجہر قوی ہے]

اور [امام] زیلعیؒ نے "تخريج أحاديث الهداية" میں بھی بسط سے بیان کیا۔ یہ باتیں اندر نماز کی ہیں، نہ خارج نماز کی۔ اور عینی میں بھی اختلاف مذاہب میں بیان کیا۔

نماز کے اندر آمین کا دعا کہنا قول عطاء تابعیؒ کا ہے، جس حدیث کو صحیح بخاری چھاپہ احمدی میرٹھ کے صفحہ ۱۰۷ میں سے کچھ لیا اور سب چھوڑ دیا گیا، پوری روایت صحیح بخاری [کی] یہ ہے:

قال عطاء: آمين دعاءٌ، وأمّن ابن الزبير ومن وراءه حتى أن للمسجد للجة، وكان أبو هريرة ينادي الامام لا تفتني بآمين، وقال نافع: كان ابن عمر لا يدعه ويحضهم وسمعت منه في ذالك خبراً.(۳)

(عطاء نے کہا: آمین دعا ہے، اور آمین کہی ابن زبیرؓ نے اور ان کے پیچھے والوں نے، یہاں تک کہ مسجد ہل گئی اور [حضرت] ابوہریرہؓ امام کو کہہ دیتے تھے بلند آواز سے مجھ سے آمین کا کہنا فوت نہ کر۔ اور نافع نے کہا کہ [حضرت] ابن عمرؓ آمین کہنا نہیں چھوڑتے تھے اور

---

(۱) التعليق الممجّد على الموطا للامام محمد رحمه الله للشيخ مولانا أبي الحسنات عبد الحي اللكهنوي رحمه الله: ۱۰۳، المطبع المصطفائي [بلكناؤ]، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(۲) التعليق الممجد للعلامة اللكناوي، أبواب الصلاة، باب آمين في الصلاة: ۱/۴۴۶، تعليق وتحقيق: الدكتور تقي الدين الندوي، الطبعة الثانية ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۸م

(۳) صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الجهر بالتأمين، رقم الباب: ۱۱۱، دار السلام الرياض

لوگوں کو رغبت دیتے تھے۔ اور نافع نے کہا: میں نے [حضرت] عبد اللہ بن عمرؓ سے آمین بالجہر کے باب میں ایک حدیث سنی۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا)۔

پس اجتہاد [حضرت] عطاء کا آمین کہنا دعا ہونا راجح ٹھرا، پس حکایت احوال کو امر اجتہاد پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ ہم عطاء کے اس اجتہاد کو بغیر دلیل کے نہیں مانتے بخلاف امر حکایت واخبار کے کہ اس کے قبول کرنے سے نہ ہم کو چارہ، نہ تم کو، کیونکہ حکایت قبول نہ کرنے سے لازم آتا ہے کہ حاکی (حکایت بیان کرنے والا) کاذب [ہے]، اور جب اس حاکی کی صداقت معلوم ہو چکی تو اس کی حکایت ضرور تسلیم کرنا پڑے گی، بخلاف اجتہاد کے کہ وہ بغیر دلیل، حجت نہیں۔ اور عطاء کی ثقاہت میں کسی کو کلام نہیں، جس کو شبہ ہو، حافظ ذہبیؒ کی میزان اور ملا علی قاریؒ کی شرح مسند امام اعظم رحمہ اللہ اور خلاصہ میں دیکھیے، اور خود امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی سے ملاقات نہیں کی کہ وہ افضل ہو عطاء سے۔

عن عطاء قال: أدركت مأتين من الصحابة، اذا قال الامام ولا الضالين رفعوا أصواتهم بآمين. رواه البيهقي وابن حبان في [كتاب الثقات].(۱)

[حضرت عطاءؒ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے دو سو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو پایا ہے، جب امام ولا الضالین کہتے تو اپنی آوازوں کو آمین سے بلند کرتے تھے۔ بیہقی اور ابن حبانؒ نے "کتاب الثقات" میں یہ روایت نقل کی ہے]

[حضرت] عطاء تابعیؒ کے قول مذکور پر اعتقاد جما کر اس بات کا قائل ہو جانا کہ آمین دعا ہے، ایسا ہے جیسا کوئی آیت قرآن ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ﴾ (۲) سے سمجھ بیٹھے کہ نماز

(۱) كتاب الثقات، أتباع التابعين الذين رووا عن التابعين، باب الحاء، رقم الترجمة: ۱۱۹۳، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولى ۱٤۱۹ھ-۱۹۹۸م (۲) النساء: ٤۳

پڑھنے سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، اور ﴿ وَأَنْتُمْ سُكَارَى ﴾(۱) کی طرف دیکھے ہی نہیں، کیونکہ جہاں [حضرت] عطاءؒ نے آمین کو دعا کہا ہے وہاں اس کا پکار کر کہنا تو بتا دیا ہے۔
دیکھ لیجیے وہ پوری روایت صحیح بخاری کی [ہے] جو سابق میں گذر چکی
"حتىٰ أن للمسجد للجّة"(۲)
یہاں تک کہ تحقیق گونج اٹھی مسجد، اور آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً ......الآية﴾(۳) میں مراد اخفاء سے آہستہ کہنا دعا کا ثابت ہے، نہ آہستہ کہنا آمین کا، آہستہ کہنا اس سے اس وقت ثابت ہو جب کہ آمین دعا ہو، اور آمین کا دعا ہونا نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے، صرف تابعی کے سے ثابت ہے، اور آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً ......الآية﴾(٤) میں مراد اخفاء سے نہ بہت چلانا ہے، اور نہ ایسا آہستہ کہنا ہے کہ جس کو کوئی بھی نہ سن سکے، کیونکہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے
﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾(٥)
(ترجمہ: اور مت بلند آواز کر ساتھ ساتھ نماز اپنی کے، اور نہ بہت آہستہ کر ساتھ اس کے، اور ڈھونڈھ درمیان اس کی راہ)
کہا [حضرت] عائشہ رضی اللہ عنہ نے کہ یہ آیت دعا کے باب میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ بخاری (٦) میں ہے:
عن هشام عن أبيه عن عائشة رضى الله عنها [قالت]: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا، قالت: أنزل ذلك فى الدعاء.(٧)

---

(١)النساء:٤٣ (٢)صحيح البخارى، كتاب الصلاة، باب الجهر بالتأمين، رقم الباب: ١١١، دار السلام الرياض
(٣)الأعراف: ٥٥ (٤)الاعراف: ٥٥ (٥)الاسراء: ١١٠
(٦) بخاری، چھاپہ احمدی میرٹھ کے صفحہ ٦٨٧/ میں ہے، حوالہ از صاحب فتاویٰ
(٧)صحيح البخارى، كتاب التفسير، باب ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها، رقم: ٤٧٢٣

(ہشام سے روایت ہے، اس نے اپنے باپ سے نقل کیا، اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا، [حضرت عائشہ نے فرمایا] اور مت آواز بلند کر ساتھ اپنی نماز کے، اور نہ بہت آہستہ ساتھ اس کے، کہا عائشہ رضی اللہ عنہا نے: یہ آیت نازل ہوئی ہے بیچ دعا کے)۔

یہی قول نخعی، مجاہد اور مکحول کا ہے۔

اور آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً ......الآية﴾(۱) سے اگر آپ ہر دعا کا خفیہ ہی کہنا لازم جانتے ہیں، اور جن دعاؤں کا پکار کر کہنا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے ثابت ہو چکا ہے، ان کو بھی نہیں مانتے ہیں تو پھر الحمد للہ کو اور سوائے الحمد للہ کے اور دعاؤں کو کہ قرآن ہیں نماز مغرب وعشاء وفجر میں کیوں پکار کر پڑھا کرتے ہیں، اور لبیک بھی دعا ہے، تمامی حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ وغیرہ وغیرہ کیوں پکار کر کہتے ہیں۔

پس آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً ......الآية﴾(۲) کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آمین پکار کر نہ کہنا چاہیے بلکہ مطلب اس کا دعا آہستہ مانگنی چاہیے، لیکن دعا بھی آہستہ وہاں مانگنی چاہیے جہاں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے آہستہ مانگی ہو، اور جہاں پکار کر مانگی ہو وہاں پکار کر مانگنا چاہیے، اس لیے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾(۳)

(البتہ تحقیق ہے واسطے تمہارے بیچ رسول خدا کے پیروی اچھی)

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيْمٌ﴾(٤)

(کہہ! اگر تم چاہتے ہو اللہ کو پس پیروی میری کرو، چاہے [گا] اللہ اور بخشے [گا] واسطے [تمہارے] گناہوں کو تمہارے، اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

(۱) الاعراف: ۵۵ (۲) الأعراف: ۵۵ (۳) الأحزاب: ۲۱ (٤) آل عمران: ۳۱

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾(١)

(جس نے کہا مانا رسول کا پس اس نے کہا مانا اللہ کا)

اور کلام اللہ سے واقف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اور کوئی نہیں، اور حضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف ذرہ کے برابر بھی کوئی کام نہیں کرتے تھے، اور بعض دعاؤں اور نماز میں آمین پکار کر کہنا اگر آیت ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً ......الآية﴾(٢) کے خلاف اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق نہ ہوتا تو اسی وقت وحی نازل ہوتی اور حضرت کو آمین اور بعض دعائیں پکار کر کہنے کی ممانعت ہوتی، حالانکہ بعض دعائیں حضرت (ﷺ) سے سوائے آمین کے جو پکار کر کہیں معرض نقل میں آتی ہے۔

پہلی دعاء: صحیح مسلم (۳) میں ہے، روایت ہے عوف بن مالکؓ سے کہ کہا:

صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على جنازة، فحفظت من دعائه وهو يقول: اللهم! اغفرله وارحمْه وعافِه، واعفُ عنه، وأكرِمْ نُزُلَه، ووسّع مدخَلَه، واغسِلْه بالماء والثلج والبَرَد، ونقِّهِ من الخطايا كما نقَّيْتَ الثوبَ الأبيضَ من الدنَس، وأبدله داراً خيراً من داره، وأهلاً خيراً من أهله، وزوجاً خيراً من زوجه، وأدخله الجنة، وأعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار. وفي رواية: وَقِهِ فتنةَ القبرِ وعذابَ النارِ. قال: حتىّ تمنَّيْتُ أن أكون أنا ذلك الميِّتَ.(٤)

(ترجمہ: نماز پڑھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر، پس یاد

---

(١) النساء: ٨٠ (٢) الأعراف: ٥٥

(۳) صحیح مسلم، چھاپہ نول کشور، صفحہ: ۳۱۱، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(٤) صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب الدعاء للميت في الصلاة، رقم: ٩٦٣، سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الدعاء في الصلاة، رقم: ١٥٠٠، دار السلام الرياض

رکھا میں نے دعا پڑھنے کو حضرت کی کہ وہ فرماتے تھے: یا الٰہی! بخش دے گناہ اس کے، اور رحمت کر اس پر اور خلاص کر اس کو مکروہات سے اور معاف کر اس سے تقصیرات اس سے، اور بہتر کر مہمانی اس کی جنت میں اور کشادہ کر قبر اس کی اور پاک کر اس کو ساتھ پانی کے اور برف کے اور اولا کے (یعنی پاک کر گناہوں سے ساتھ طرح طرح مغفرتوں کے) اور پاک کر اس کو گناہوں سے جیسا کہ پاک کیا سفید کپڑے کو میل سے اور بدلا دے اس کو گھر (اس عالم میں) بہتر اس کے گھر سے اور اہل (یعنی خادم) بہتر اہل اس کے سے اور بہتر بی بی اس کی بی بی سے اور داخل کر اس کو جنت میں اور اور پناہ دے اس کو عذاب قبر سے، یا فرمایا: عذاب دوزخ سے، اور ایک روایت میں ہے: بچا اس کو فتنۂ قبر سے اور عذاب آگ سے۔ کہا عوف نے: جب میں نے یہ دعا حضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] سے اس میت کے لیے سنا تو رشک لے گیا میں یہاں تک کہ آرزو کی میں نے، کہ ہوتا میں یہ میت کہ حضرت میرے لیے دعا کرتے)۔

امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم (۱) میں لکھا ہے کہ اسا حدیث میں اشارہ ہے، واسطے پکار کر پڑھنے دعا کے جنازہ کی نماز میں۔ یہ عبارت امام نووی کی ہے:

وفيه اشارة الى الجهر بالدعاء في صلاة الجنازة(۲)

دوسری دعا: ابوداود وابن ماجہ میں [ہے] (۳) واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہا:

---

(۱) شرح صحیح مسلم، چھاپہ نول کشور کی جلد اول کے صفحہ ۳۱۱ر میں ہے، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(۲) المنهاج شرح صحيح مسلم للنووي، كتاب الجنائز، باب الدعاء للميت في الصلاة: ٤/٢٧٧، تحقيق: الشيخ عرفان حسونة، الطبعة الأولى: ١٤٢٠هـ-١٩٩٩م، دار احياء التراث العربي، بيروت

(۳) یہ حدیث مشکاۃ میں "باب المشي بالجنازة" کی دوسری فصل میں ہے، حوالہ از صاحب فتاویٰ

صلّى بنا رسولُ اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم على رجلٍ من المسلمين، فسمعته يقول: اللّهُمّ! انّ فلانَ بنَ فلان فى ذمّتِكَ وحبْلِ جوارِكَ، فَقِهِ من فتنةِ القبرِ وعذابِ النّارِ وأنت أهلُ الوفاءِ والحقِّ، اللّهمّ اغفِرْله وارحَمْه انّك أنت الغَفُوْرُ الرّحِيْمُ. رواه أبو داؤد وابن ماجة.(۱)

(ترجمہ: نماز پڑھی ساتھ ہمارے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص پر مسلمانوں میں سے، پس سنا میں نے حضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] کو کہ فرماتے تھے: یا الٰہی! فلان بیٹا فلان کا بیچ امان تیری، کے ہے، اس لیے کہ ایمان رکھتا تھا تجھ پر اور چنگل مارنے والا ہے ساتھ قرآن کے کہ وہ امن دینے والا ہے، پس بچا اس کو فتنہ قبر سے (عذاب اس کے سے) اور عذاب آگ سے اور تو صاحب وفا کا ہے (کہ جو عہد اور وعدہ بندوں کے ساتھ کیا ہے پورا کرتا ہے) اور تو صاحب حق کا ہے (کہ جو کچھ کہتا ہے اور کرتا ہے حق ہے) یا الٰہی! بخشش کر واسطے اس کے اور رحم کر کر اس پر، تحقیق تو بخشنے والا، مہربان ہے)۔

تیسری دعا: صحیح بخاری (۲) میں ہے، موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے، کہا موسیٰ بن عقبہ نے کہ مجھ سے [دختر] خالد بن سعید بن عاص نے حدیث بیان کیا:

انّها سمعت النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم وهو يتعوذ من عذاب القبر.(۳)

---

(۱) سنن ابى داؤد، كتاب الجنائز، باب الدعاء للميت، رقم: ۳۲۰۲، سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى الدعاء فى الصلاة، رقم: ۱۴۹۹، دار السلام الرياض

(۲) صحیح بخاری، چھاپا احمدی میرٹھ، صفحہ: ۱۸۳، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(۳) صحيح البخاري، كتاب الجنائز، بان التعوذ من عذاب القبر، رقم: ۱۳۷۶، كتاب الدعوات، باب التعوذ من عذاب القبر، رقم: ٦٣٦٤، دار السلام الرياض

(تحقیق اس نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حالانکہ وہ پناہ مانگتے تھے قبر کی عذاب سے)

چوتھی دعا: مسلم (۱) میں ہے، [حضرت] عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت [ہے]، کہا اس وقت آنحضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] نماز پڑھتے تھے نزدیک خانہ کعبہ کے، جب حضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] سجدہ میں گئے، تو مشرکین مکہ نے حضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] کے سر مبارک پر اونٹنی کی اوجھڑی وغیرہ ڈال دی، اور ہنسنے لگے، جب بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں، تو انہوں نے اٹھایا۔

فلما قضى النبي صلى الله عليه وسلم صلوٰته، رفع صوته، ثم دعا عليهم، وكان اذا دعا دعا ثلاثاً، واذا سأل سأل ثلاثاً، ثم قال: ألّلهم عليك بقريش ثلاث مرات، فلمّا سمعوا، ذهب عنهم الضحك، وخافوا دعوته.(۲)

(جب پڑھ چکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز، بلند کیا آواز اپنی پھر بد دعا کی ان پر اور جب دعا کرتے تھے، دعا کرتے تین بار اور جب سوال کرتے، سوال کرتے تین بار، پھر فرمایا: اے اللہ! سخت پکڑ قریش کو، تین بار فرمایا۔ پس جب ان لوگوں نے آواز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنیں، چلی گئی ان سے ہنسی، اور ڈر گئے ان کی بد دعا سے)۔

پانچویں دعا: بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

انّ يَهُودِيَّةً دخلت عليها، فذكرتُ عذابَ القبرِ، فقالت لها: أعاذكِ اللّٰه من عذابِ القبرِ، فسألتُ عائشةُ رسولَ اللّٰه (صلّى اللّٰه عليه وسلّم) عن عذاب القبر حق، فقال: نعم، عذاب القبر.

---

(۱) صحیح مسلم، چھاپہ نول کشور، دوسری جلد، صفحہ: ۱۰۸، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(۲) صحیح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب ما لقى النبي ﷺ من أذى المشركين والمنافقين، رقم: ۱۷۴۹

قالت عائشة [رضی اللّٰہ عنہا]: فما رأیتُ رسولَ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم بعدُ صلّی صلوٰۃً الّا تعوّذ من عذابِ القبرِ.(۱)

(تحقیق ایک یہودیہ عورت آئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس، ذکر کیا اس نے قبر کے عذاب کا، پس کہا اس عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو، پناہ میں رکھے تم کو، اللہ قبر کے عذاب سے۔ پس پوچھا حضرت عائشہؓ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حال عذاب قبر کا، پس فرمایا کہ ہاں، عذاب قبر کا حق ہے، کہا حضرت عائشہؓ نے پس نہیں دیکھا میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے اس پوچھنے کے کہ نماز پڑھی ہو کوئی نماز، مگر پناہ پکڑے ساتھ اللہ کے، قبر کے عذاب سے)

یہ حدیث مشکاۃ "باب اثبات عذاب القبر" کی پہلی فصل میں ہے۔

چھٹی حدیث دعا: صحیح مسلم (۲) میں ہے، [حضرت] براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہا:

کنا اذا صلینا خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أحببنا أن نکون عن یمینہ یقبل علینا بوجھہ، قال: سمعتہ یقول: رب قنی عذابك یوم تبعث عبادك أو تجمع عبادك(۳)

(ہم جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، دوست رکھتے تھے ہم یہ کہ حضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] کے داہنی

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر، رقم: ۱۳۷۲، کتاب الدعوات، باب التعوذ من عذاب القبر، رقم: ٦٣٦٦. صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر......الخ، رقم: ٥٨٤، ٥٨٦، دار السلام الریاض

(۲) صحیح مسلم، چھاپہ نول کشور، جلد اول صفحہ: ۲۴۷، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(۳) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب استحباب یمین الامام، رقم: ۷۰۹، دار السلام الریاض

ہوں، کہ متوجہ ہوں ہم پر ساتھ منھ اپنے کے (یعنی وقت سلام کے اول ہماری ہی طرف ہوں) کہا براء بن عازبؓ نے: پس سنا میں نے حضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] کو فرماتے تھے (بعد سلام کے) اے میرے رب! بچا مجھ کو عذاب اپنے سے اس دن کہ اٹھاوے گا تو یا جمع کرے گا اپنے بندوں کو)

"سمعته" کا لفظ اثبات کی صریح دلیل ہے کہ حضرت نے ان دعاؤں کو پکار کر کہا ہے۔

صحیح مسلم (۱) میں ہے، عبدہ سے روایت ہے کہ تحقیق حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پکار کر پڑھتے تھے "سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالیٰ جدك ولا اله غيرك" (۲) کو، بھلا جس چیز کا مسنون ہونا مبرہن ومدلل ہو، اس پر اطلاق مکروہ کا کرنا کتنی بے ادبی وشیوۂ گستاخی وجرأت، پر معصیت وخدا ناترسی ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (۳)

(اور) انصاف سے اعتساف پر جانا اہل علم کا شیوہ نہیں، سوائے سوء فہمی و بے علمی کے روشن واظہر من الشمس ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ﴾ (٤)

[خلاصہ یہ ہے کہ جہر اور عدم جہر میں ائمہ کرام دو زاویہ نگاہ رکھتے ہیں، جہر کے قائلین کے دلائل] ملاحظہ ہو:

حجة القائلين بالجهر، عن وائل بن حجر قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قال: غير المغضوب عليهم ولا الضالين، قال: آمين، ورفع بها صوته. أخرجه أبو داؤد، وفي

---

(۱) صحیح مسلم، چھاپہ نول کشور، جلد اول، صفحہ: ۱۷۲، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(۲) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة، رقم: ۳۹۹

(۳) النور: ۶۳ (٤) البقرة: ۲۰٦

روایة الترمذي عنه سمعت [النبی] صلی اللّٰہ علیه وسلم قرأ
[غیر المغضوب] ولا الضالین، وقال: آمین، مدّ بها صوته.
وفی روایة النسائی عنه، صلیت خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ
علیه وسلم ......الحدیث، وفیه: ثم قرأ فاتحة الکتاب، فلما
فرغ منها قال: آمین، یرفع بها صوته.(۱)
وفی روایة لأبی داؤد والترمذي عنه أنه صلی مع رسول اللّٰہ
صلی علیه وسلم، فجهر بآمین.(۲)
وروی ابوداؤد وابن ماجة عن ابی هریرة کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا
تلا غیر المغضوب علیهم ولا الضالین، قال: آمین، حتیٰ یسمع
من یلیه من الصف الأول. زاد ابن ماجة: فیرتج بها المسجد.(۳)
وروی اسحاق بن راهویه عن امرأة أنها صلّت مع رسول
اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم، فلّما قال: ولا الضالین، قال:
آمین، فسمعته وهی فی صف النساء.(٤)
وروی ابن حبان فی کتاب [الثقات] فی ترجمة خالد بن

---

(۱)سنن ابی داؤد، ابواب الصلاة، باب التأمین وراء الامام، رقم: ۹۳۲، جامع الترمذی، ابواب الصلاة عن رسول اللّٰہﷺ، باب ما جاء فی التأمین، رقم: ۲٤۸، ورد الحدیث بکلماته هذه "...... ثم یقرأ بفاتحة الکتاب......الخ، سنن النسائی، کتاب الافتتاح، رفع الیدین حیال الأذنین، رقم: ۸۸۰، دار السلام الریاض

(۲)سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب التأمین وراء الامام، رقم: ۹۳۳،دار السلام الریاض. وماوردت فی جامع الترمذی هذه الالفاظ

(۳)سنن ابی داؤد، ابواب الصلاة، باب التأمین وراء الامام، رقم: ۹۳٤، سنن ابن ماجة، ابواب اقامة الصلوات والسنة فیها، باب الجهر بآمین، رقم: ۸۵۳، دار السلام الریاض

(٤)معرفة السنن والآثار، کتاب الصلاة، باب التأمین، رقم: ۷۳۹، دار الکتب العلمیة بیروت، سنة الطباعة: ۱٤۲۲ه-۲۰۰۱م

أبی نوفٍ، عنه، عن عطاء بن أبی رباح، [قال] أدركت مأتين من أصحاب رسول الله ﷺ فی هذا المسجد [يعنی المسجد] الحرام، اذا قال الامام: ولا الضالين، رفعوا أصواتهم بآمين.(۱)

وفی صحيح البخاری عن عطاء تعليقاً: أمّن عبد الله بن زبير ومن وراءه حتّی أن للمسجد للجّة.(۲)

وأخرج أبو داؤد والنسائی وابن ماجة عن أبی سعيد قال؛ قال رسول الله ﷺ: اذا قرأ (الامام) غير المغضوب عليهم ولا الضالين، فقولوا آمين، يجبكم الله. (۳) قال الامام النووي: وهو بالجيم أی يستجب دعائكم، وهذا حثٌ عظيمٌ على التأمين، فيتأكّد الاهتمام[به].(٤) فأقول: أی معناه يستجيب.

[آمین بالجہر کے قائلین کی دلیلیں: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب "غیر المغضوب عليهم ولا الضالين" پڑھتے تو (اس کے بعد) آمین

---

(۱) كتاب الثقات، أتباع التابعين الذين رووا عن التابعين، باب الحاء، رقم الترجمة: ۱۱۹۳، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱٤۱۹ھ-۱۹۹۸م

(۲) صحيح البخاری، كتاب الصلاة، باب الجهر بالتأمين، رقم الباب: ۱۱۱، دار السلام الرياض

(۳) سنن أبی داؤد، كتاب الصلاة، باب التشهد، رقم: ۹۷٤، سنن النسائی، كتاب التطبيق، باب مبادرة الامام، رقم: ۸۳۱، باب قوله ربنا لك الحمد، رقم: ۱۰٦٥، باب نوع آخر من التشهد، رقم: ۱۱۸۳، سنن ابن ماجة، ابواب اقامة الصلوات والسنة فيها، باب الجهر بآمين، رقم: ۸٤٦، دار السلام الرياض

(٤) شرح النووي، كتاب الصلاة، باب التشهد فی الصلاة: ٤/ ۱۲۰، تحقيق: الشيخ عرفان حسونة، دار احياء التراث العربي، بيروت

کہتے، اور اپنی آواز کو بلند فرماتے۔ انہی سے ترمذی کی روایت ہے
کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سنا کہ آپ نے "غیر المغضوب
علیهم ولا الضالین" کی قرأت کی، اور (اس کے بعد) فرمایا:
آمین، اور اپنی آواز کو دراز فرمایا۔ نسائی کی انہی سے مروی ہے کہ میں
نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے نماز پڑھی...... (اس میں ہے)
......آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سورہ فاتحہ تلاوت فرمائی، اور جب اس سے
فارغ ہوئے تو آپ نے کہا: آمین، اور اپنی آواز آمین سے
بلند کرتے۔ ابوداؤد اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ انہوں نے حضور
(صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ نماز پڑھی تو انہوں نے آمین زور سے کہا۔ ابوداؤد
اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت کی ہے کہ جب "غیر
المغضوب علیهم ولا الضالین" پڑھتے تو آمین کہتے، یہاں تک
کہ پہلی صف والے بھی سن لیتے، ابن ماجہ نے اس میں اضافہ کیا ہے
کہ اس سے مسجد گونج جاتی۔ اسحاق بن راہویہ ایک خاتون سے
روایت کرتے ہیں کہ اس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ نماز
پڑھی، جب آپ نے ولا الضالین کہا، تو آمین کہا، میں نے اس کو سنا
اس حال میں کہ خواتین کی صف میں تھی۔ ابن حبان نے کتاب
الثقات میں خالد بن ابونوف کے ترجمہ میں، انہی سے اور انہوں نے
عطاء بن ابی رباح سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے دوسو
صحابہ کرام کو اس مسجد میں پایا ہے کہ جب امام ولا الضالین کہتا تو وہ
اپنی آوازیں آمین سے بلند کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں عطاء سے
تعلیقاً مروی ہے کہ عبداللہ بن زبیر اور ان کے پیچھے جو تھے، ان سب
نے آمین کہا یہاں تک کہ مسجد گونج اٹھی۔

ابوداؤد و نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: جب امام "غیر المغضوب علیهم و لا الضالين" پڑھے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرے گا۔ امام نوویؒ نے فرمایا: یجب جیم کے ساتھ ہے، یعنی تماری دعا قبول فرمائے گا، اور یہ آمین کہنے پر زبردست ابھارنا ہے، چنانچہ اس کے اہتمام کی تاکید ہو جاتی ہے، میں کہتا ہوں کہ اس کے معنی "يستجيب" کے ہیں]۔

وحجة القائلين بالسر ما أخرجه أحمد وأبو يعلىٰ والحاكم من حديث شعبة، عن سلَمَةَ بنِ كُهَيْل، عن حُجْرٍ أبى العَنْبَسِ، عن علقَمَة بن وائِلٍ، عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما بلغ غير المغضوب عليهم ولا الضالين، قال: آمين، وأخفى صوته، ولفظ الحاكم: خفض صوته. لكن قد أجمع الحفاظ منهم البخارى وغيره أنّ شعبة وهِم فى قوله خفض صوته، وانّما هو مدّ صوته، لأنّ سفيان كان أحفظ من شعبة، [وهو] ومحمد بن سلمة وغيرهما رَوَوْه عن سلمة بن كهيل هكذا. وقد بسط الكلام فى اثبات عِلَل هذه الرواية الزيلعيّ فى تخريج أحاديث الهداية وابن الهُمَام فى فتح القدير(١) وغيرهما من محدثى أصحاب الحنفية. (٢) فهذه سنة

(١)تخريج احاديث الهداية للزيلعي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة ١/٤٤٥-٤٤٩، مكتبة دار الايمان سهارن فور الهند، الطبعة الأولىٰ، ١٤٢٧ھ-٢٠٠٦م. فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة ١/٣٣٠-٣٠٢، دار الكتب العلمية بيروت، سنة الطباعة: ٢٠٠٩م، الطبعة الثانية

(٢)التعليق الممجّد على موطا الامام محمد الشيباني ١/٤٤٦، الجامعة الاسلامية بأعظمگره، الهند، الطبعة الثانية ١٤١٨ھ-١٩٩٨م

بالبراهين وحجة بسلطان مبين. فاطلاق المكروه على المسنون اثم عظيم. والله يعلم، وهو أعلم.

[آمین بالجہر کے مانعین کی دلیلیں: علقمہ بن وائل عن أبیہ والی روایت کی تخریج امام احمد بن حنبل، ابو یعلی، اور حاکم نے کی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب "غير المغضوب عليهم ولا الضالين" پر پہنچے تو کہا: آمین، اور اپنی آواز پست رکھی، حاکم کے یہاں "خفض صوته" ہے، حفاظ حدیث کا اس بات پر اجماع ہے جن میں امام بخاری شامل ہیں کہ شعبہ کو اپنے قول "خفض صوته" میں وہم ہو گیا ہے، جب کہ وہ "مدّ صوته" ہے، اور اس لیے بھی کہ سفیان شعبہ کے مقابلہ میں احفظ ہیں، وہ اور محمد بن سلمہ وغیرہ سلمہ بن کہیل سے اسی طرح نقل کرتے ہیں، اس روایت کی علتوں کے اثبات میں امام زیلعی نے "تخريج أحاديث الهداية" میں مفصل کلام کیا ہے، اور علامہ ابن ہمام نے "فتح القدير" میں اس پر بحث کی ہے، ان کے علاوہ محدثین احناف نے بھی کلام کیا ہے۔ یہ دلائل کے ساتھ مسنون ہے، واضح دلیل کے ساتھ حجت ہے، پس مسنون پر مکروہ کا اطلاق گناہ عظیم ہے۔ والله يعلم، وهو أعلم]۔

سبحانك لا علم لنا الا ما علّمتنا انك أنت العليم الحكيم، سبحانك ما يكون لی أن أقول ما ليس لی بحق، وما توفيقی الا بالله، عليه توكلت واليه أنيب، وآخردعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

حرّره الراجی عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الدقيق والسمين.

تارک صلوٰۃ کا حکم (۱)

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، تارک الصلوٰۃ عمداً (جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا) کافر مطلق ہے یا نہیں؟

والله الموفق الصواب

جواب: انه كافر مطلق عن الملة، وقد ورد فيه دليل من الكتاب والسنة وأقوال الأئمة من الصحابة ومن بعدهم، كما سيجيئ ان شاء الله تعالىٰ،

قال الله تعالى:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (٢)

وقال تعالى:

﴿فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا☆إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً......الآية﴾ (٣)

وقال تعالى:

﴿فَإِن تَابُواْ وَأَقَامُواْ الصَّلَاةَ وَآتَوُاْ الزَّكَاةَ فَخَلُّواْ سَبِيلَهُمْ﴾ (٤)

وقال تعالى:

---

(۱) تارک الصلاۃ عمداً کے باب میں علماء کے اقوال مختلف ہیں، صحابہ میں سے حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور غیر صحابہ میں سے امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ، امام نخعیؒ، حضرت ایوب السختیانیؒ، امام ابوداود الطیالسیؒ، محدث ابن ابی شیبہؒ کا قول ہے کہ وہ شخص کافر ہو جاتا ہے، اور حضرت حماد بن زیدؒ، حضرت مکحولؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک کافر تو نہیں ہوتا مگر قتل کیا جائے گا، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفر اور قتل کا حکم نہیں دیا جائے گا، مگر قید شدید میں رکھا جائے گا اور خوب سزا دی جائے گی، اور اس قدر مارا جائے گا کہ بدن سے خون نکلے یہاں تک کہ توبہ کرے یا اسی حالت میں مر جائے۔

(٢) الروم: ٣١ (٣) مريم: ٥٩–٦٠ (٤) التوبة: ٥

﴿فَإِن تَابُواْ وَأَقَامُواْ الصَّلَاةَ وَآتَوُاْ الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ﴾(۱)

وقال تعالیٰ:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللّهِ الإِسْلاَمُ﴾(۲)

وعن عوف بن مالك الأشجعي [يقول، سمعت] رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم [يقول]: خيار أئمتكم الذين تحبونهم ويحبونكم، وتصلون عليهم ويصلون عليكم، وشرار أئمتكم الذين تبغضونهم ويبغضونكم وتلعنونهم ويلعنونكم، قال، قلنا: يا رسول اللّٰه! أفلا ننابذهم عند ذلك؟ قال: لا، ما أقام فيكم الصلوٰة.(۳) الحديث أخرجه مسلم.

وعن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال، قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلوٰة. أخرجه مسلم والترمذي وصحّحه وابن ماجة(٤)

قال النووي: أى الذى يمنع من كفره كونه لم يترك الصلوٰة، فان تركها لم يبق بينه وبين الكفر حائل.(٥)

وعن ثوبان رضي اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: بين العبد وبين الكفر والايمان الصلوٰة،

---

(۱)التوبة: ۱۱ (۲)آل عمران: ۱۹

(۳)صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب خيار الائمة وشرارهم، رقم: ۱۸۵۵

(٤)صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، رقم: ۸۲، جامع الترمذى، ابواب الصلاة، باب ما جاء فى ترك الصلاة، رقم: ۲٦۱۸-۲٦۲۱، سنن ابن ماجة، ابواب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيمن ترك الصلاة، رقم: ۱۰۷۸ـ دار السلام الرياض

(٥)شرح النووى، كتاب الايمان، باب اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ۱٤٥/۲، دار احياء التراث العربى بيروت

فاذا تركها فقد أشرك. أخرجه هبة الله الطبري، وقال: اسناده على شرط مسلم(۱)

وعن أنس (رضى الله عنه) قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس بين العبد والشرك الّا ترك الصلوٰة، فاذا تركها فقد أشرك. أخرجه ابن ماجة(۲)

وعن بُرَيْدة(رضى الله عنه) قال، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: العهد الذى بيننا وبينهم الصلوٰة، فمن تركها فقد كفر. أخرجه أحمد والترمذي والنسائي وابن ماجة بأسانيد صحيحة(۳)

وعن أنس رضي الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ترك الصلوٰة متعمداً فقد كفر جهاراً". أخرجه الطبراني فى الأوسط باسنادٍ حسنٍ، وأخرجه البزّار عن أبى الدرداء مرفوعاً بغير قوله "جهاراً". (٤)

---

(۱)الترغيب والترهيب للمنذرى، الترهيب من ترك الصلاة تعمداً واخراجها عن وقتها تهاوناً ۱/۳۷۹، التعليق المغنى على الدارقطنى ۲/۵۲، عالم الكتب بيروت، الطبعة الثالثة، ۱٤۱۳ھ– ۱۹۹۳م

(۲)سنن ابن ماجة، أبواب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيمن ترك الصلاة، رقم: ۱۰۸۰، دار السلام، الرياض

(۳)جامع الترمذى، ابواب الصلاة، باب ما جاء فى ترك الصلاة، رقم: ۲٦۲۱، سنن النسائى، كتاب الصلاة، باب الحكم فى تارك الصلاة، رقم: ٤٦٤، سنن ابن ماجة، أبواب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيمن ترك الصلاة، رقم: ۱۰۸۰، دار السلام، الرياض

(٤)المعجم الاوسط للطبرانى، رقم: ۳۳٤۸، ولم نطلع على هذا الحديث فى مسند البزار بلا كلمة "جهاراً" ولكن ورد برقم ٤۱٤۸ فى مسنده بكلماته "فمن تركها متعمداً فقد كفر" والله أعلم بالصواب

وعن بريدة بن الحصيب رضي الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بكّروا بالصلوٰة فى يوم الغيم، فانّه من تركَ الصلاة فقد كفر. أخرجه ابن حبان فى صحيحه(۱)

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه ذكر الصلوٰة يوماً فقال: من حافظ عليها كانت له نوراً وبرهاناً ونجاة يوم القيامة، ومن لم يحافظ عليها لم تكن له نوراً وبرهاناً وكان يوم القيامة مع قارون وفرعون وهامان وأبيّ بن خلف. أخرجه أحمد فى مسنده، وفى الزواجر سنده جيّد، والدارمي والبيهقي فى شعب الايمان وأبو حاتم فى صحيحه والطبراني فى الكبير.(۲)

وعن عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال: أوصاني النبي صلى الله عليه وسلم فقال: لا تشركوا بالله شيئاً ولا تتركوا الصلوٰة عمداً، فمن تركها عمداً متعمداً، فقد خرج عن الملة. أخرجه عبد الرحمٰن بن أبى حاتم فى سننه، والطبراني نحوه باسناد، لا بأس بهما(۳)

---

(۱)صحيح ابن حبان، باب الوعيد على ترك الصلاة، رقم: ۱٤٦۱، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية ۱٤۱۷ھ- ۱۹۹٦م

(۲)مسند احمد بن حنبل، مسند النساء، حديث أم ايمن، رقم: ٦٥۷٦، بيت الأفكار الدولية الرياض، سنن الدارمى، كتاب الرقاق، باب فى المحافظة على الصلاة، رقم: ۲٦۲۱، دار القلم دمشق، ۱٤۱۷ھ-۱۹۹٦م، الطبعة الثالثة، شعب الايمان، باب فى الصلوات، فصل فى الصلوات وما فى أدائهن من الكفارات، رقم: ۲۸۳۳، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولىٰ، ۱٤۲۱ھ-۲۰۰۰م

(۳)الترغيب والترهيب للمنذرى، الترهيب من ترك الصلاة تعمداً واخراجها عن وقتها تهاوناً ۳۷۸/۱، كنز العمال لعلى المتقى الهندى، رقم: ٤٤۰٥۰، تعظيم قدر الصلاة للمروزى، باب ذكر اكفار تارك الصلاة ۸۸۹/۲، جامع العلوم والحكم ۸۹/۱، مكتبة الباز مكة المكرمة، ۱٤۱۷ھ- ۱۹۹٦م، الطبعة الثانية

وعن معاذ بن جبل رضي اللّٰه عنه قال، قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من ترك صلاة مكتوبة [متعمداً] فقد برأت منه ذمة اللّٰه. أخرجه أحمد وأبو داود(۱)

وعن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال، قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا اله الا اللّٰه وأن محمداً رسول اللّٰه ويقيموا الصلوٰة ويؤتوا الزكوٰة ......الحديث. أخرجه الشيخان(۲)

عن عمر رضي اللّٰه عنه قال: الصلوٰة عماد الدين فمن تركها فقد هدم الدين. أخرجه البيهقي(۳)

وعن علي رضي اللّٰه عنه قال: من لم يصل فهو كافر. أخرجه ابن أبي شيبة، والبخاري في تاريخه(٤)

وعن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: من ترك الصلاة فقد كفر. أخرجه محمد بن نصر و[ابن]عبد البر(٥)

---

(۱)مسند احمد بن حنبل، رقم: ۲۲۰۷۹، مصنف ابن ابی شیبۃ، رقم: ۸۷، الترغیب والترهیب للمنذری، الترهیب من ترك الصلاة تعمداً واخراجها عن وقتها تهاوناً ۳۸۲/۱

(۲)صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب:۱۷، رقم: ۲۵، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یشهدوا "لا الہ الا اللّٰه ومحمد رسول اللّٰه......الخ"، رقم: ۲۰، ۲۱، ۲۲، دار السلام، الریاض

(۳)اتحاف السادة المتقين للزبیدی:۸/۳

(٤)مصنف ابن أبی شیبۃ، تحقیق: الشیخ محمد محمد عوامة حفظه اللّٰه ورعاه، کتاب الایمان والرأیا، رقم: ۳۱۰۷۵، الترغیب والترهیب للمنذری، الترهیب من ترك الصلاة تعمداً واخراجها عن وقتها تهاوناً ۳۸۵/۱، التعلیق المغنی علی الدارقطنی،۵٤/۲، عالم الکتب بیروت، الطبعة الثالثة، ۱٤۱۳ھ- ۱۹۹۳م

(٥)الترغیب والترهیب للمنذری:۳۸۵/۱، التعلیق المغنی علی الدارقطنی نقلاً عن المروزی وابن عبد البر: ۵٤/۲، عالم الکتب بیروت، الطبعة الثالثة، ۱٤۱۳ھ- ۱۹۹۳م

وعـن أبی الدرداء رضي اللّٰه عنه قال: لا ایمانَ لمن لا صلوٰة [له] ولا صلوٰة لمن لا وضوءَ له. أخرجه [ابن]عبد البر(۱)

وقـال [أبـو]محمد ابن حزم: وقد جاء عن عمر، وعبد الرحمٰن بـن عـوف، ومـعـاذ بن جبل، وأبی هریرة وغیرهم من الصحابة رضـي اللّٰه عـنهم: أنّ من ترك صلوٰةً فرضٍ واحدةً متعمداً حتی یـخـرج وقتها فهو کافر مرتدٌ، قالوا: ولا نعلم لهؤلاء مخالفاً من الصحابة. هکذا قال الشیخ ابن القیم فی کتاب الصلوٰة.(۲)

وعـن عبـد اللّٰه بـن شقیق العقلي قال: کان أصحاب رسول اللّٰه صـلـی اللّٰه عـلیـه وسلم لا یرون شیئاً من الأعمال ترکُه کـفـرٌ غیرَ الصلوٰة.أخرجه الترمذي والحاکم فی مستدرکه وصحّحه علی شرطهما(۳)

وحـکـیٰ مـحـمد عن ابن المبارك قال: من أخّر صلوٰة حتی یفوت وقتها متعمداً من غیر عذر فقد کفر.(٤)

وقـال یـحییٰ بـن معین: قیل لعبد اللّٰه بن المبارك! ان هؤلاء

---

(۱)التعلیق المغنی علی الدارقطنی نقلاً عن ابن عبد البر:۲/٥٤، علم الکتب بیروت، الطبعة الثالثة، ۱٤۱۳ھ– ۱۹۹۳م، الترغیب والترهیب للمنذری:۱/۳۸٦

(۲)الـصـلاة وأحـکـام تـارکها، المسئلة الثالثة: بماذا یقتل، هل یقتل بترك صلاة أو صـلاتیـن أو ثـلاث صـلـوات:۲ ٥، دار ابـن حـزم بیروت، الطبعة الأولیٰ، ۱٤۱٦ھ– ۱۹۹٦م، الترغیب والترهیب للمنذری:۱/۳۹۳

(۳)جـامـع الـتـرمـذی، ابـواب الـصـلاة، باب ما جاء فی ترك الصلاة، رقم: ۲٦۲۲، الـمستـدرك عـلـی الصحیحین للحاکم، کتاب الایمان:۱/٤۸، رقم: ۱۲، مکتبة دار الباز مکة المکرمة، الترغیب والترهیب للمنذری:۱/۳۷۹

(٤)الصلاة واحکام تارکها، المسئلة الثالثة: بماذا یقتل، هل یقتل بترك صلاة أو صلاتین أو ثلاث صلوات/ ۸۲، دار ابن حزم بیروت، الطبعة الأولیٰ، ۱٤۱٦ھ– ۱۹۹٦م

یقولون: من لم یصمْ ولم یصلِّ بعد أن یقرّ به فهو مؤمن مستکمل الایمان؟ فقال عبد اللّٰه: لا نقول نحن ما یقول هؤلاء، من ترك الصلوٰة متعمداً من غیر علة حتی أدخل وقتاً فی وقتٍ، فهو کافر.(۱)

وقال ابن أبی شیبة، قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من ترك الصلوٰة فقد کفر. فیقال له: ارجع عن الکفر فان فعل والا قتل بعد أن یؤجله الوالی ثلاثة أیام.(۲)

وقال أحمد بن یسار سمعتُ صدقة بن الفضل وسئل عن تارك الصلاة؟ فقال: کافر، فقال له السائل: أتبین منه امرأته؟ فقال صدقة: وأین الکفر من الطلاق، لو أنّ رجلاً کفر لم تطلق منه امرأته(۳)

وقال أیّوب(رضی اللّٰه عنه): ترك الصلوٰة کفر، لا یختلف فیه.(٤)

قال محمد بن نصر المروزي سمعت اسحاق یقول؛ صح عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: أنّ تارك الصلوٰة کافر،

---

(۱)الصلاة واحکام تارکها، المسئلة الثالثة: بماذا یقتل، هل یقتل بترك صلاة أو صلاتین أو ثلاث صلوات/ ۸۲، دار ابن حزم بیروت، الطبعة الأولیٰ، ۱٤۱٦ھ- ۱۹۹٦م

(۲)تعظیم قدر الصلاة للمروزی، ۲/۹۲۷، رقم: ۹۸۸، نقلاً عن ابن ابی شیبة، تحقیق: عبد الرحمن عبد الجبار الفریوائی، مکتبة الدار الطبعة الاولیٰ ۱٤۰٦ھ

(۳)الصلاة واحکام تارکها، المسئلة الثالثة: بماذا یقتل، هل یقتل بترك صلاة أو صلاتین أو ثلاث صلوات/ ۸۳، دار ابن حزم بیروت، الطبعة الأولیٰ، ۱٤۱٦ھ- ۱۹۹٦م

(٤)الترغیب والترهیب للمنذری ۱/۳۸٦، جامع العلوم والحکم ۱/۹۰، دار الخیر بیروت، الطبعة الثانیة، ۱۹۹٦م، الصلاة واحکام تارکها، المسئلة الثالثة: بماذا یقتل، هل یقتل بترك صلاة أو صلاتین أو ثلاث صلوات/ ۸۳، دار ابن حزم بیروت، الطبعة الأولیٰ، ۱٤۱٦ھ- ۱۹۹٦م

وكذلك كان رأيُ أهل العلم من لدن النبيِّ الى يومنا هذا أنَّ تاركَ الصلوٰة عمْداً من غير عذرٍ حتىٰ يذهب وقتُهَا كافرٌ.(۱)
وفى الميزان للشعراني: والمختار عند أصحاب أحمد أنه يقتل لكفره كالمرتد وتجرى عليه أحكام المرتدين فلا يصلى عليه ولا يورث ويكون ماله فيءً ولا يجوز الاستدلال على عدم تكفيره بالحديث من قال: لا اله الا الله فقد دخل الجنة ونظائره، لأنها كما تقيد وتشترط بالاجتناب عن الشرك والكفر والتصديق بالقلب والايمان بما جاء به الرسل والأنبياء والايمان باليوم الآخر والايمان بالقدر، تقيد بالصلوٰة والزكوٰة لأنه لا يصح الايمان بلا عمل ولا العمل بلا ايمان(۲)
قال عليه الصلاة والسلام: لا يقبل ايمان بلا عمل، ولا عمل بلا ايمان. أخرجه الطبراني فى الكبير باسناد حسن.(۳)
وقال الشيخ ابن القيم فى كتاب الصلوٰة: قال قتادة عن أنس رضي الله عنه لم يكن رسول الله صلى الله عليه يقبل من أجابه الى الاسلام الا باقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة. انتهىٰ.(٤)
[ترجمہ: ایسا شخص کافر مطلق ہے، کتاب وسنت اور صحابہ کرام اوران

(۱)الصلاة واحكام تاركها، المسئلة الثالثة: بماذا يقتل، هل يقتل بترك صلاة أو صلاتين أو ثلاث صلوات/ ۸۳، دار ابن حزم بيروت، الطبعة الأولىٰ، ١٤١٦ھ-١٩٩٦م، الترغيب والترهيب للمنذرى ٣٨٦/١
(۲)الميزان الكبرىٰ......؟ (۳)المعجم الكبير للطبرانى، مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب رضى الله عنهما، رقم: ١٣٩١٨
(٤)الصلاة واحكام تاركها، المسئلة الثالثة: بماذا يقتل، هل يقتل بترك صلاة أو صلاتين أو ثلاث صلوات/ ۸۳، دار ابن حزم بيروت، الطبعة الأولىٰ، ١٤١٦ھ- ١٩٩٦م

کے بعد کے ائمہ کے اقوال اس کے بارے میں وارد ہیں، جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور نماز قائم کرو اور شرک کرنے والوں میں مت ہو جانا" اور ارشاد الٰہی ہے کہ "پھر ان کے بعد ان کے ناخلف جانشین ہوئے جنھوں نے نمازیں ضائع کردیں اور وہ خواہشات کے پیچھے لگ گئے تو وہ آگے کجی میں پڑ جائیں گے، ہاں جنھوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک کام کئے تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کے ساتھ ذرا بھی نا انصافی نہ ہوگی" اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تم ان کا راستہ چھوڑ دو" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں" اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "بیشک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے"۔

حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تمارے اچھے حاکم وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہیں، وہ تمہارے لیے دعا کرتے ہیں اور تم ان کے لیے دعا کرتے ہو۔ اور تمہارے برے حاکم وہ ہیں کہ جن سے تم بغض ونفرت رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض ونفرت کرتے ہیں، تم ان پر لعنت کرتے ہو اور وہ تم پر لعنت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ایسے برے حاکم کو ہم دور نہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی اور شرک وکفر کے درمیان نماز کا ترک کرنا ہے۔ امام

نوویؒ نے فرمایا کہ یعنی جو چیز اس کو کفر سے روکے وہ اس کا نماز نہ چھوڑنا ہے، اگر اس نے نماز چھوڑ دی تو اس کے اور کفر کے درمیان کوئی حائل ہونے والی چیز نہیں ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "بندہ اور کفر اور نماز کے درمیان (فرق کرنے والی چیز) صرف نماز ہے، جب وہ اس (نماز) کو ترک کرے تو اس نے شرک کیا۔ اس حدیث کی تخریج ہبۃ اللہ طبری نے کی، اور کہا کہ اس کی سند مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ اور شرک کے درمیان سوائے نماز ترک کرنے کے کوئی چیز حائل نہیں ہے، جب اس نے نماز چھوڑی تو اس نے شرک کیا۔ (سنن ابن ماجہ) حضرت بُریدہؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور ان کے مابین جو معاہدہ قائم ہے وہ نماز ہے، جس نے اس کو ترک کیا تو اس نے کفر کیا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کھلم کھلا کفر کیا۔ (امام طبرانیؒ نے المعجم الاوسط میں حسن درجہ کی سند سے روایت کی ہے، اور مسند البزاز میں بغیر "جہاراً" حضرت ابوالدرداء سے مرفوعاً مروی ہے)۔

حضرت بریدہ بن الحصیبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بادل کے دن نماز میں جلدی کرو، اس لیے کہ جس نے نماز ترک کردی اس نے کفر کیا۔ (صحیح ابن حبان) حضرت عمرو بن عبداللہ بن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نماز

کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس نے نماز کی پابندی کی، قیامت کے دن نماز اس کے لیے نور اور دلیل اور ذریعہ نجات ہوگی، اور جس نے نماز کی پابندی نہیں کی تو نماز اس کے حق میں نور اور دلیل اور نجات کا ذریعہ نہیں ہوگی، روز قیامت وہ قارون، فرعون اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (''مسند'' میں امام احمد بن حنبلؒ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے، اور ''الزواجر'' میں اس کی سند اچھی ہے، اور دارمی اور بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں اور ابوحاتم نے اپنی صحیح میں اور طبرانی نے ''کبیر'' میں روایت کیا ہے)۔

حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو وصیت فرمائی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور جان بوجھ کر نماز ترک نہ کرو، جس نے جانتے بوجھتے کر نماز ترک کر دی تو وہ ملت (اسلام) سے خارج ہوگیا۔ (محدث عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے اپنی سنن میں اور امام طبرانی نے اس حدیث کی تخریج کی ہے، ایسی سند کے ساتھ ان دونوں روایتوں میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے کوئی فرض نماز جان بوجھ کر ترک کر دی تو اللہ کا ذمہ اس سے بری ہے۔ (مسند احمد، سنن ابوداود) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز دین کی بنیاد ہے، جس نے اس کو ترک کر دیا اس نے دین (کی عمارت) کو منہدم کر دیا۔ (بیہقی) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ جس نے نماز نہیں پڑھی تو وہ کافر ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، بخاری فی التاریخ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔ (کتاب

الصلاۃ للمروزی، ابن عبد البر) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کا کوئی ایمان نہیں جس کی نماز نہیں، اس کی نماز قابل قبول نہیں جسے طہارت حاصل نہیں۔ (ابن عبدالبر)۔

امام ابومحمد ابن حزم [ظاہریؒ] نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو ہریرۃؓ اور صحابہ کرامؓ سے یہ منقول ہے کہ جس نے ایک فرض نماز جان بوجھ کر ترک کر دی یہاں تک کہ اس (نماز) کا وقت نکل جائے، تو وہ کافر اور مرتد ہے، ان لوگوں نے کہا کہ ہم ان کے صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو مخالف نہیں جانتے۔ اسی طرح شیخ ابن القیم [حنبلی] نے کتاب الصلاۃ میں ذکر کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن شقیق العقلی نے کہا: صحابہ کرامؓ اعمال میں سے کسی بھی عمل کو کہ جس کا ترک کرنا کفر ہے سوائے نماز کے نہیں سمجھتے تھے۔ اس حدیث کی تخریج امام ترمذیؒ نے اور حاکم نے مستدرک میں کی ہے، اور اس کو امام بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے۔ محمد نے حضرت عبداللہ بن المبارک سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس نے کسی نماز میں جان بوجھ کر بغیر کسی عذر (شرعی) کے تاخیر کی یہاں تک کہ اس کا وقت فوت ہو جائے تو اس نے کفر کیا۔ اور امام یحییٰ بن معین نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن المبارکؒ سے عرض کیا گیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جس نے روزہ نہیں رکھا اور نماز نہیں پڑھی بعد اس کے کہ اس نے اقرار کیا ہے تو کیا وہ مؤمن کامل الایمان ہے؟ حضرت عبداللہ بن المبارک نے فرمایا کہ ہم وہ نہیں کہتے جس کو وہ لوگ کہتے ہیں کہ جس نے جان بوجھ کر بغیر کسی

علت (شرعی عذر) کے نماز چھوڑ دے یہاں تک کہ ایک وقت کو دوسرے ایک وقت میں داخل کر دے تو وہ کافر ہے۔ امام ابن ابی شیبہؒ نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جس نے نماز ترک کر دی اس نے کفر کیا" اس سے کہا جائے گا کہ کفر سے واپس آجاؤ، اگر وہ ایسا کرے تو ٹھیک ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا والی (حاکم) کے اس کو تین دن تک کی مہلت دینے کے بعد۔ احمد بن یسار نے کہا کہ میں نے صدقہ بن الفضل کو سنا کہ ان سے تارک الصلاۃ کے بارے میں سوال کیا گیا؟ آپ نے جواب دیا کہ وہ کافر ہے۔ تو سائل نے ان سے کہا کہ کیا اس سے اس کی بیوی الگ ہو جائے گی؟ صدقہ نے کہا: طلاق کا کفر سے کیا تعلق؟ اگر کسی آدمی نے کفر کیا تو بھی اس کی بیوی مطلقہ نہیں ہوگی۔

اور حضرت ایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز کا ترک کرنے والا کافر ہے، (یہ ایک ایسی بات ہے) جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ محدث محمد بن نصر المروزیؒ نے کہا کہ میں نے اسحاق کو کہتے ہوئے سنا کہ نبی ﷺ سے (صحیح سند سے) منقول ہے کہ نماز کا ترک کرنے والا کافر ہے، نبی اکرم ﷺ کے دور سے آج تک اہل علم کی رائے یہ ہے کہ نماز کا ترک کرنے والا بغیر کسی عذر (شرعی) کے جان بوجھ کر یہاں تک کہ اس کا وقت نکل جائے، کافر ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی کی "میزان" نامی کتاب میں ہے کہ امام احمد بن حنبل کے اصحاب کے نزدیک قول مختار یہ ہے کہ اس کو اس کے کفر کی وجہ سے قتل کیا جائے گا جیسا کہ مرتد ہے، اور اس پر مرتدین کے احکام جاری ہوں گے، چنانچہ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی،

اور نہ وہ وارث ہوگا، اور اس کا مال فی تصور کیا جائے گا، حدیث:

"من قال: لا الہ الا اللّٰہ فقد دخل الجنۃ"

اور اس جیسی حدیثوں سے اس کے عدم کفر پر استدلال جائز نہیں ہے، اس لیے یہ (قول یا کلمہ) جیسا کہ مقید اور شرط ہے شرک وکفر سے اجتناب کرنے سے اور تصدیق بالقلب سے، اس چیز پر ایمان سے جو رسول اور] انبیاء لے کر آئے، ایمان بالقدر اور ایمان بالآخرت سے، اور یہ کلمہ نماز اور زکوۃ سے بھی مقید ہے، اس لیے کہ ایمان عمل کے بغیر صحیح نہیں ہوتا اور عمل بغیر ایمان کے صحیح نہیں ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان بغیر عمل کے مقبول نہیں اور عمل بغیر ایمان کے مقبول نہیں ہے۔ امام طبرانی نے "کبیر" میں حسن درجہ کی سند سے حدیث کی تخریج کی ہے۔ شیخ ابن القیمؒ نے کتاب الصلاۃ میں کہا ہے کہ حضرت قتادہؒ نے حضرت انسؓ سے نقل کر کے فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ قبول نہیں کرتے تھے اس شخص سے جو اسلام میں داخل ہوا ہے مگر نماز قائم کرنے سے اور زکاۃ کی ادائیگی سے۔]

واللّٰہ أعلم وعلمہ أتم وأحکم، رقمہ محمد أمین حسني الحسیني، عفا اللّٰہ عنہ ذنوبہ وستر عیوبہ

نماز باجماعت ترک کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جماعت چھوڑ کر علاحدہ نماز پڑھے، درآنحالیکہ جماعت ہو رہی ہے، ایک ہی مسجد میں جماعت علاحدہ اور وہ شخص علاحدہ نماز پڑھتا ہو، نماز جماعت چھوڑنے والے کی ہو جائے گی یا نہیں؟ ایک جماعت پہلے سے کھڑی ہے، اور دوسری جماعت ایک وقت میں اس شخص نے علاحدہ قائم کی، پس دونوں جماعتوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

هو المصوب

جواب: بشرط صدق سوال، حکم عدولی کرنے والا جناب باری تعالیٰ کے حکم ﴿وَارْكَعُواْ مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾(۱) کا ہوگا۔اور خلاف پیروی سرور کائنات علیہ التحیات والتسلیمات کی، وعید شدید کا خوف کرے:

”من فارق الجماعة شبراً، فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه“(۲)

[ترجمہ: جس نے جماعت سے بالشت برابر علاحدگی اختیار کی اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتارلیا]

کے عموم سے ڈرے۔

والله أعلم، وعلمه أتم وأحكم، نقمه محمد أمين حسني الحسيني عفي عنه وتجاوز الله عن ذنبه الدقيق والسمين.

ترک جماعت اور اشیاء مسجد سے انتفاع؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ [جو] شخص باشندہ ملحق مسجد ہے، اور نماز قبل جماعت تنہا پڑھ کر چلا جاتا ہے۔اور جو لوگ مسجد کے پانی (اور) ڈوبچی ولوٹا سے حقہ تازہ کرتے ہیں۔گنہگار ہیں یا نہیں؟ فقط۔

هو المعين

جواب: قبل جماعت تنہا پڑھ کر چلا جانا اگر بنظر دیری وفوت ہونے فضیلت وقت اول کے ہے تو ایسا ہی حکم ہے، وبعد اگر جماعت پاوے [تو] شرکت کرے۔ چنانچہ فرمایا نبی علیہ السلام نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو:

كيف أنت اذا بقيت في قوم يؤخرون الصلاة عن وقتها،

---

(۱) البقرة: ۴۳۔ [اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو]

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب السنة، فصل فی الخوارج، رقم: ۴۷۵۸، دار السلام، مسند احمد بن حنبل، حديث أبي ذر الغفاری، رقم: ۲۱۵۶۱، مؤسسة الرسالة

قال؛ قال: ما تأمرُنا؟ قال: صلّ الصلاة لوقتها، ثم اذهب لحاجتك، فان أقيمتِ الصلاةُ وأنت فى المسجد، فصلّ.(۱) انتهى. كذا رواه مسلم.

[کیا ہوگا تمہارا جب تم ایسے لوگوں کے درمیان ہوگے جو نماز کو اس کے وقت سے تاخیر کرتے ہیں، واری کہتا ہے کہ انہوں نے سوال کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: نماز کو اس کے وقت پر ادا کرو، پھر اپنے کام کے لیے چلے جاؤ، اور اگر نماز کھڑی ہو جائے اس حال میں کہ تم مسجد میں ہو، تو نماز پڑھ لو]۔

بلا عذر و بلا رخصت شریعت کے، گنہگار رہوں گے۔

(اور) حقہ تازہ کرنا مسجد کے پانی سے - جو اوقاف سے ہے - خالی سوء ادبی ومعصیت سے نہیں۔ فقط

واللّٰہ أعلم بالصواب، نقمه محمد أمين حسني الحسيني تجاوز اللّٰه عن ذنبه الخفي والمبين.

امامت کون کرے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نو مسلم نابینا حافظ قرآن شریف ہے، اور پابند صوم وصلاۃ ومتقی وپرہیزگار، ناچ ورنگ سے بیزار، آب وخورش سود خوار کے یہاں رکھتا ہے، مجبوراً عمرو جو لحاظ اوقات نماز وپابندی جماعت نہیں رکھتا اور یہی شرکت میلہ کفار اور ناچ ورنگ ودیگر بدعات سے مملو ہے حتی کہ بے ستر بھی رہتا اور کھانا مثل زید کے، لیکن بینا ہے ان دونوں میں سے کون قابل امامت ہے؟ فقط۔ جماعت کھڑی

(۱) صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب كراهة تأخير الصلاة عن وقتها المختار، وما يفعله المأموم اذا أخرها الامام، رقم: ٦٤٨، دار السلام الرياض

تھی، نماز ہوتی تھی، قصداً کوئی شخص شریک جماعت نہ ہو، تو کیسا ہے۔ فقط

هو الموفق

جواب: الأحق بالامامة الأعلم بأحكام الصلاة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، وحفظه قدر فرض، وقيل واجب، وقيل سنة. ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقراء ة، ثم الأروع أی الأكثر اتقاءً للشبهات، والتقوى: اتقاء المحرمات، ثم الأسن أی الأقدم اسلاماً. انتهیٰ. كذا فی الدر المختار.

[امامت کا سب سے زیادہ حقدار وہ شخص ہے جو صحت وفساد کے اعتبار سے احکام نماز کو زیادہ جاننے والا ہو، اس شرط کے ساتھ کہ وہ ظاہری فواحش وگناہ سے اجتناب کرے، اس کی حفاظت بقدر فرض ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بقدر واجب ہو اور کہا گیا کہ بقدر سنت ہو۔ پھر تلاوت وتجوید قرأت کے لحاظ سے اچھا ہو، پھر اروع یعنی شبہات سے بہت زیادہ بچنے والا ہو، اور تقویٰ محرمات سے بچنا ہے۔ پھر جو اسلام پہلے لانے والا ہو]۔ (۱)

"اذا كانوا ثلاثاً فليؤمهم أحدهم وأحقهم بالامامة أقرأهم".(۲) انتهیٰ. كذا رواه مسلم عن أبی سعيد.

"يؤمهم أقرأهم لكتاب اللّٰه فان كانوا فی القراء ة سواءً، فأعلمهم بالسنة.......الحديث". كذا رواه مسلم عن أبی

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار للشامي، كتاب الصلاة، باب الامامة: ۲/۲۹٤-۲۹٤، دار الكتاب العلمية بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٤ھ- ۲۰۰۳م

(۲) صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلوٰة، باب من أحق بالامامة، رقم: ٦٧٢۔ دارالسلام الرياض

مسعود الأنصاري.(۱)

[جب تین لوگ ہوں تو ان میں سے کوئی ایک ان کی امامت کرے، اور ان میں امامت کا سب سے زیادہ حقدار ان کا قاری ہے۔ اسی طرح سے مسلمؒ نے حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کی ہے۔ اور ان کی امامت کتاب اللہ کا سب سے زیادہ پڑھنے والا کرے گا، اگر قراءت میں برابر ہوں تو تو اعلم بالسنہ شخص امامت کرے گا۔ اسی طرح امام مسلمؒ نے حضرت ابومسعودؓ سے روایت کی]۔

ترک جماعت و ترک اقتداء بلا وجہ شرعی جرم جسیم واثم عظیم [ہے]۔

كما أخرجه مسلم في صحيحه:"وما يتخلف عنها الا منافق معلوم النفاق".(۲) انتهیٰ۔

[ترجمہ: جماعت سے پیچھے صرف وہی منافق رہ جاتا ہے جس کا نفاق نمایاں ہوتا ہے]۔

والله عليم بذات الصدور، رقمه محمد أمين حسنی الحسینی، عصمه عن الشرور في الدارين. فقط

امامت کا مستحق کون؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین در بارۂ اس مسئلہ کے کہ ایک شخص ذات کا قاضی ہے، اور علم قرآن دو چار پارہ پڑھتا ہے، اور وہ تعزیہ بناتا ہے۔ اور خود درمیان مسجد کے بیان کرتا ہے کہ ہم تعزیہ بناتے ہیں۔ اور اپنا ناتا رشتہ شیعوں کے ساتھ رکھتا ہے، ظاہراً میں اپنی تئیں شیخی مارتا ہے کہ ہم قوم اشراف یعنی قاضی ہیں، اور

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلوٰة، باب من أحق بالامامة، رقم: ٦٧٣۔ دارالسلام الرياض

(۲) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب: صلاة الجماعة من سنن الهدیٰ، رقم الحديث: ١٤٨٨

دوسرے ایک شخص قوم کا نور باف ہے، اور وہ علم قرآن بالکل ختم کیے ہوئے ہے، ہمیشہ روزہ، نماز اور احکام شرعی پر مستعد و سرگرم اور اپنے تقوی و طہارت سے خوب درست اور نماز جمعہ و تراویح اور پنج وقتی کی ہمیشہ پڑھتا ہے، آیا ان دونوں شخصوں میں سے کس کے پیچھے نماز پڑھنا ہم لوگوں کو درست ہے؟ اور کس کے ہاتھ کا ذبیحہ اور نماز جنازہ اور نکاح پڑھوانا درست ہے؟ اور مشرک کے ساتھ میل ملاپ اور ناتا رشتہ رکھنا کیسا ہے؟ اور تعزیہ کا بنانا اور مسجد کے درمیان اقرار کرنا اور ہمیشہ پڑھانے والے کی امامت چھوڑ دینا کیسا ہے؟ اور تعزیہ بنانے والے کا خطبہ سننا (اور) نماز پڑھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا.

(مرسلہ: محمد اسماعیل از مقام برہولپور ضلع پرتاب گڑھ، ۱۳/ شوال......)

هو المصوب

جواب: جو شخص متقی و پرہیزگار، خدا ترس، خدا پرست، متبع شریعت و پیرو سنت [ہو]-شرک و بدعت و تعزیہ پرستی جو کہ بت پرستی ہے، نفرت رکھتا ہو، پیروانِ معصیت [سے تعلق] نہ رہتا ہو، کفر و شرک و فسق و فجور کرنے والوں سے رغبت نہ رکھتا ہو بلکہ نفرت و مفارقت ان سے گوارہ کرتا ہو- اسی کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے- مدار قومیت پر نہیں بلکہ تقوی پر [ہے] كما قال الله تعالى:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾(۱)

(ترجمہ: بیشک بزرگ تمہارے کا نزدیک اللہ کے متقی زیادہ و تقوی والا زیادہ تمہارے کا)

(اور) مقبولیت عمل بھی تقوی پر جیسا کہ فرمایا اللہ پاک نے:

﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾(۲)

[اللہ تو پرہیزگاروں ہی سے قبول فرماتے ہیں]-

وفی تنویر الأبصار وشرحه: ثم الأحسن تلاوة وتجويداً للقراءة ثم الأروع أي الأكثر اتقاءً للشبهات، والتقوى:

---

(۱) الحجرات:۱۳ (۲) المائدة: ۲۷

اتقاء للمحرمات.(۱)انتهیٰ.

وفي الحديث عن أبي مسعود الأنصاري رضي الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يؤم القوم أقرأهم لكتاب الله، فان كانوا في القراءة سواء، فأعلمهم بالسنة ....الخ. كذا ذكره مسلم في صحيحه.(۲)

[تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے: پھر وہ پڑھنے میں تلاوت اور تجوید کے لحاظ سے اچھا ہو، اور پھر وہ متقی ہو یعنی شکوک وشبہات سے بہت زیادہ بچنے والا ہو، اور تقویٰ نام ہی محرمات سے بچنے کا ہے۔

حدیث شریف میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قوم کی امامت وہ کرے گا جو کتاب اللہ کا سب سے زیادہ پڑھنے والا ہو، اگر وہ قرأت میں برابر ہیں تو اعلم بالسنہ شخص امامت کرے گا......الخ۔ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں اس روایت کو بیان کیا ہے]۔

جملۂ امور دینی کو ایسا ہی مقتدی کرنا چاہیے، مثل نماز جنازہ ونکاح خوانی وغیرہما۔ ذبیحہ مسلم کا حلال، مشرک کا حرام۔

والله أعلم، وعلمه أتم، حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين۔

کون لائق امامت ہے؟

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ کہ ایک قصبہ قدیم بہت

---

(۱)الدر المختار شرح تنوير الأبصار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الامامة: ۲/۲۹٤، دار الكتب العلمية بيروت، ١٤٢٤هـ - ۲۰۰۳م الطبعة الثانية

(۲)صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب من أحق بالامامة، رقم: ۳۷٦ ـ دار السلام الرياض

مدتوں سے اسلام کی بستی، اور مسکن مشائخ وسادات ودیگر طوائف اقوام مسلمین کے رہنے کی جگہ ہے نیز ان سلف سے ایک مسجد "جامع علی" قدر مابینبغی وسعت وفسحت کے ساتھ بنا، براحضار جماعت قصبہ ونواح قصبہ کے اس میں موجود ہے، اور دستور ہے اہلیان قصبہ کا سوائے ان چند مساجد عتیقہ کے کہ جن پر پہلے بھی جماعت جمعہ کی علاحدہ ہوا کرتی تھی علی العموم یوں ہی رہا کہ بالاتفاق مسجد جامع موصوفہ پر نماز پڑھتے رہے بلا کسی خلاف وشقاق کے، اور امام اس مسجد کے فقط نماز جمعہ پڑھانے کے واسطے ایک حافظ جید القرأت عالم مسائل مایجوز بہ الصلاۃ شریف القوم عرصہ بیس پچیس برس سے برضائے جمیع اہل اسلام جو اس مسجد حاضر ہوتے ہیں مقرر ہے، بالفعل ایک عالم نو وارد (اور) قوم کا سپید باف داخل قصبہ مذکور ہوکر باتفاق وتراضی قوم خود جو پہلے اس حافظ کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے، خود امامت اس مسجد کی کیا چاہتا ہے، اور دو تین جمعہ امام بھی ہوا، لیکن شرفائے قوم باوصف ہونے حافظ جید القرأت عالم مسائل ماتجوز بہ الصلاۃ اور شریف القوم کے یا اینکہ وہ امام قدیم اس مسجد کا ہے، اس عالم سپید باف کو امامت سے روکتے ہیں تاوقتیکہ حافظ یعنی امام قدیم اس کو اجازت نہ دے، تیسرے جمعہ میں جبکہ وہ عالم مثل دو گزشتہ جمعوں کی امامت کے قصد سے اٹھتا تھا بلکہ خطبہ پڑھ کے نماز پڑھانے جاتا تھا کہ ایک شخص شریف القوم نے حافظ کا مافی الضمیر درباب اجازت دریافت کیا، حافظ نے انکار کیا کہ حاشا میری رضا واجازت اس امر میں نہیں ہے، اتنے میں ایک دوسرے شخص نے جو اس عالم کا ہم قوم تھا اور جس کو اصلاً استحقاق اجازت دینے کا شرعاً یا عرفاً نہ پہنچتا تھا، امر اجازت کو اپنی طرف منسوب کیا کہ میں نے کہا ہے، پس شریف مانع ہے جو صرف حافظ کی اجازت کا منتظر تھا، اس عالم کو روکا، اور بایں خیال کہ یہ امامت بالہوس مقتضائے نفس سے منجر ہے، حافظ کو اسی وقت امامت کرنے کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ اس روز حافظ نے ہی مثل معمول قدیم اپنے کی نماز پڑھائی، بعد از نماز قوم سپید باف نے اس شریف مانع پر ایک ہنگامہ سخت بپا کیا اور شورش غیر مہذب ظاہر کرتے گئے، اس عالم اور اس کی قوم کو یہ آ پڑی کہ کچھ ہی ہو

امامت مجھ ہی کو دی جاوے، والّا تفریق اپنی جماعت کی کرلیں۔

شرفائے قوم نے ہر چند استحالت صالحانہ کی اور جمع اس تفریق کے بارے میں کوششیں کیں، لیکن کچھ سودمند نہ ہوا، اور وہ عالم خود مع اپنے ہم قوم لوگوں کے جس کا تخمینہ ساٹھ (٦٠) ستر (٧٠) یا چیزے زائد ہوگا "مسجد جامع" سے علاحدہ ہو کے ایک دوسری جگہ نماز جمعہ پڑھنے لگا، لیکن چونکہ مساجد دیگر داخل قصبہ ہیں، وہ اکثر شرفاء کی نمازگاہ ہیں، اور ان لوگوں نے باتفاق خود ہا ایک علاحدہ مسجد صرف اپنی طرف سے اپنے ہم قوم کے واسطے بنوانی چاہی ہے، اور "مسجد جامع قدیم" کو اس غرض متذکرہ سے ترک کرتے ہیں۔ اب سوال مستفتی چند امور یہ ہے:

اول:- آیا اس عالم کی نماز پیچھے اس حافظ کے بلا نقص و فساد کے صحیح ہوسکتی ہے یا نہیں؟

دوسرے:- اس عالم کو [حق] پہونچتا ہے کہ بلا اذن امام قدیم کے محض اپنے شوق سے اس کی جگہ امامت کرے یا نہیں؟

تیسرے:- اس ردوح وقدح امامت میں جس کا نتیجہ یہ ہوا، اور جماعت کی تفریق ہوئی، خطا کس کی طرف ہے؟ اور خاطی اس میں وہ شریف مانع ہے یا جن لوگوں نے بجائے حافظ کے خواہ مخواہ اس عالم کو بنانا چاہا؟

چوتھے:- اگر خطا شریف مانع کی طرف متعدی ہے تو اس کی تلافی وہ کیونکر کرسکتا ہے؟ اور کفارہ اس [کا] کیا ہے؟

پانچویں:- ایسے عالم مہوس علی الامامہ کا کیا حکم ہے کہ باوصفیکہ نماز اس کی اور اس کی قوم کی حافظ کے [پیچھے] بلا کسی نقص کے صحیح ہوسکتی ہے؟ تاہم وہ بخبر اپنی امامت کی دوسرا امام پسند نہیں کرتا اور نتیجہ جس کا یہ ہوا کہ جماعت اسلام کی تفریق ہوگئی۔

چھٹے:- جماعت قدیم کا متفرق ہوکر علاحدہ علاحدہ نماز پڑھنا موجب عصیان و خسران ہے یا نہیں؟ اور نقصان ثواب ہوجاتا ہے یا نہیں؟۔

ساتویں:- اس طرح جماعت کی تفریق کرنا اور علاحدہ سے ایک نئی مسجد کا بنانا

جائز ہے یا نہیں؟ اور جو مسجد کہ اس طرح بنائی جائے، حکم اس کا مسجد ضرار کا سا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(مرسلہ: قاضی محمد مظہر صاحب، باشندہ محلہ خواجگان از جائس ضلع رائے بریلی)

هو الملهم للحق و الصواب

سوال: تفرقہ جماعت میں ڈالنا جرم عظیم واثم اثیم ووعید شدید [ہے]۔ کما فی الحدیث:

من فارق الجماعة شبراً فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه.

رواه أحمد و أبو داؤد و كذا في المشكوٰة۔(۱)

[حدیث شریف میں ہے: جس نے بالشت بھر جماعت سے مفارقت کی، تو اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی (عہد و پیمان) کو اتار لیا]۔

پس جملہ اہل اسلام پر واجب ہے کہ ادائے نماز و اقامت جماعت بمسجد قدیم جامع [ہو]، تکاسل کو دفع کریں (اور) مصداق:

﴿وَإِذَا قَامُوٓاْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ قَامُواْ كُسَالَىٰ﴾(۲)

[اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بے دلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں]

کے نہ ہوں (اور) اولویت بالامامت اس کو جو قاری بکتاب اللہ زائد ہو جماعت میں۔ هكذا في الحديث:

اذا كانوا ثلاثة فليؤمّهم أحدهم، وأحقُّهم بالامامة أقرؤهم. كذا في مسلم عن أبي سعيد الخدري۔(۳)

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في الخوارج، رقم: ٤٧٥٨۔ دار السلام الرياض، مسند احمد بن حنبل، حديث أبي ذر الغفاري، رقم: ٢١٥٦١۔ مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى، ١٤٢١ھ۔ ٢٠٠١م (٢) النساء: ١٤٢

(٣) صحيح مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلوٰة، باب من أحق بالامامة، رقم: ٦٧٢۔ دار السلام الرياض

[یہی حدیث شریف میں ہے کہ جب تین لوگ ہوں تو ان میں کا کوئی ایک ان کی امامت کرے، اور امامت کا حقدار ان کا اقرأ (کتاب اللہ کا قاری) ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے امام مسلم نے اس طرح روایت کی ہے]۔

اسی مسلم میں روایت آخر ہے:

عن أبی مسعود الأنصاري قال، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: یؤم القوم أقرؤھم لکتاب اللّٰہ فان کانوا فی القراءۃ سواءً، فأعلمُھم بالسنۃ ......الخ.(۱) وھو مذھب أبی حنیفۃ وان کان مخالفاً ما فی الھدایۃ وغیرھا وأولی الناس بالامامۃ أعلمھم بالسنۃ وعن أبی یوسف أقرؤھم لأن القراءۃ لا بدّ منھا والحاجۃ الی العلم اذا نابت نائبۃ.(۲)

[حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کی امامت ان میں کا، کتاب اللہ کا قاری کرے گا، اگر وہ اس میں برابر ہوں تو اعلم بالسنہ آدمی امامت کرے گا......الخ۔ اور یہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے، اگرچہ ہدایہ وغیرہ کا مخالف ہے کہ لوگوں میں امامت کا اولیٰ شخص اعلم بالسنہ ہے، اور امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ سب سے زیادہ لائق اقرأ ہے، اس لیے کہ قرأت ضروری ہے اور علم کی حاجت وضرورت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی مسئلہ پیش آئے]۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، باب من أحق بالامامۃ، رقم: ۶۷۳۔ دارالسلام الریاض

(۲) الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ ۱/۲۳۴، مکتبۃ البشریٰ، لاھور باکستان، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۲۸ھ– ۲۰۰۷م

(اور) امام مسجد و محلہ کو اولویت و حقیت غیر پر [ہے]۔ کما فی تنویر الأبصار:

واعلم أن صاحب البیت أولیٰ من غیرہ، وفی شرحہ مطلقاً ومثلہ امام المسجد ھذا فی الدر المختار.(۱)

وکما فی حدیث مسلم: "لایؤمَّنَّ الرجلُ الرجلَ فی سلطانہ"(۲) معناہ ما ذکرہ أصحابنا وغیرھم ان صاحب البیت والمجلس وامام المسجد أحق من غیرہ، وان کان ذلک الغیر أفقہ و أقرء و أروع و أفضل منہ، وصاحب المکان أحق، فان شاء تقدم وان شاء قدم من یرید، وان کان ذلک الذی یقدمہ مفضولاً بالسنۃ الی باقی الحاضرین لأنہ سلطانہ فیتصرف فیہ کیف شاء.(۳) انتھیٰ.

[گھر والا اور اسی طرح مسجد کا امام راتب (معین) دوسرے کے مقابلہ میں علی الاطلاق امامت کا زیادہ حقدار ہیں۔ یقیناً آدمی کسی کی سلطنت وحکومت کی جگہ میں (میر محلہ کی موجودگی میں) اس شخص کی امامت نہ

---

(۱) تنویر کی عبارت اس طرح ہے:

"وصاحب البیت أولیٰ بالامامۃ من غیرہ".

اور درمختار کی عبارت یوں ہے:

"واعلم أن صاحب البیت ومثلہ امام المسجد الراتب أولیٰ بالامامۃ من غیرہ مطلقا".

الدر المختار شرح تنویر الأبصار مع حاشیۃ ابن عابدین، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ ۲/۲۹۷، دار الکتب العلمیۃ بیروت، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۲۴ھ–۲۰۰۳م

(۲) صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب من أحق بالامامۃ، رقم: ۶۷۳، دار السلام الریاض

(۳) المنھاج شرح صحیح مسلم، صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب من أحق بالامامۃ، ۳/۴۷۶–۴۷۷، دار التراث العربي بیروت، الطبعۃ الأولیٰ ۱۴۲۰ھ–۱۹۹۹م

کرے۔ اس کا معنی یہ ہے جس کو ہمارے اصحاب اور دیگر لوگوں نے بھی بیان کیا ہے کہ صاحب خانہ اور میر مجلس اور امام مسجد، غیر کے بالمقابل امامت کا زیادہ حقدار ہیں، اگرچہ دوسرا شخص افقہ اور اقرأ ہو، اور پرہیزگار ہو اور اس سے افضل ہو۔ گھر والا احق ہے، اگر وہ چاہے تو وہ خود آگے بڑھ جائے، اور چاہے تو کسی کو آگے بڑھا دے، اگرچہ بڑھایا گیا شخص دوسرے باقی لوگوں کے مقابلہ میں کم درجہ کا ہو، کیونکہ اس کو اختیار ہے، جیسا چاہے، اس میں تصرف کرتا ہے]۔

منازعت غیر حق کے حق والے کے ساتھ بیجا بلکہ منہی عنہ فی الشرع۔ اور اس عالم کو اقتداء ساتھ حافظ کے (اور) پیچھے پڑھنے میں اسی حافظ امام مسجد کے بلا نقص وفساد نماز صحیح ہوتی (اور) خلاف:

﴿وَلَا تَنَازَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾ (الأنفال:٤٦)

[آپس میں جھگڑا مت کرنا ورنہ تم ہار جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی]

نہ لازم آتا (اور) تفرقہ جماعت میں نہ پڑتا جس میں نکال ووبالِ آخرت کا خوف ہے، اگر خیال حدیث جو منقول فی الہدایہ ہے:

من صلى خلف عالم تقي فكأنما صلى خلف نبي، فلم أقف عليه بهذا اللفظ.(۱) انتهىٰ.

---

(۱) الهداية كتاب الصلاة، باب الامامة ۲۳٤/۱، مكتبة البشرىٰ، لاهور باكستان، الطبعة الثانية ١٤٢٨ھ- ٢٠٠٧م. ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث کتب حدیث میں نہیں ہے البتہ متعدد احادیث اس مفہوم کی ایسی پائی جاتی ہیں، هذا الحديث غريب ليس في كتب الحديث[البناية: ۳۹۰/۲] ونقل الشيخ ظفر أحمد العثماني عن مرقد الغنوي مرفوعاً:ان سركم أن تقبل صلاتكم فليؤمكم علماء كم، فانهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم، رواه الطبراني "في الكبير"قال الشيخ: حديث حسن لغيره، كذا في العزيزي، اعلاء السنن ۲۱۸/٤، نصب الراية للامام الزيلعي ۲۸/۲، میں پوری تفصیل ملاحظہ ہو، مكتبة الايمان سهارن فور، الطبعة الأولىٰ ١٤٢٧ھ- ٢٠٠٦م

[جس نے پرہیزگار عالم کے پیچھے نماز پڑھی تو گویا کہ اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مجھے نہیں ملی]۔
(اور) غیر کو [حق] نہیں پہونچتا کہ بلا اذن امام مسجد کے امامت کرے۔ جیسا [کہ] عبارت امام نوویؒ نے ظاہر کردیا بلکہ جو امامت شوق سے کرے (اور) قوم ناپسند و مکروہ جانے، اس کی امامت پر وعید وارد ہوئی۔ کما فی الحدیث:

ثلاثة لا يقبل الله منهم صلاةً: من تقدم قوماً وهم له كارهون، ورجل أتى الصلاة دِباراً والدبار أن يأتيها بعد أن تفوته، ورجل اعتبد محررةً. (۱) كذا رواه أبو داؤد وابن ماجة، وأخرج ابن ماجة من حديث ابن عباس رضي الله عنهما مرفوعاً، ثلاثة لا ترتفع صلاتهم فوق رؤوسهم شبراً: رجل أمّ قوماً وهم له كارهون، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط، وأخوان متصارمان.(۲)

[حدیث شریف میں ہے کہ تین لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوئی نماز قبول نہیں کرتا ہے۔ (۱) وہ شخص جو قوم کی امامت کے لیے آگے بڑھ جائے حالانکہ وہ لوگ اسکی امامت کو ناپسند کرتے ہوں (۲) دوسرا وہ شخص ہے جو نماز میں دیر سے آئے، اور دبا کا معنیٰ یہ ہے کہ نماز فوت ہو جانے کے بعد نماز پڑھے یا قضاء کردے (۳) اور

---

(۱) سنن أبي داؤد، أول كتاب الصلوٰة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، رقم: ۵۹۳ ـ دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض. سنن ابن ماجة، أبواب اقامة الصلوات والسنة فيها، باب من أمّ قوماً وهم له كارهون، کے الفاظ یہ ہیں: ثلاثة لا تقبل لهم صلاة: الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، والرجل لا يأتي الصلاة الا دباراً –يعني بعد ما يفوته الوقت– ومن اعتبد محرراً، رقم: ۹۷۰ ـ دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض
(۲) سنن ابن ماجة، أبواب اقامة الصلوات والسنة فيها، باب من أمّ قوماً وهم له كارهون، رقم: ۹۷۱ ـ دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض

ایک وہ شخص ہے جو کسی آزاد کو غلام بنائے۔ اسی طرح ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ تین لوگ ایسے ہیں، جن کی نمازیں ان کے سروں پر سے ایک بالشت اوپر بھی نہیں جاتی ہیں۔ (۱) ایک وہ شخص جو لوگوں کی امامت کرے اس حال میں کہ لوگ اس کی امامت کو پسند نہیں کرتے (۲) ایک وہ عورت جس نے اس حال میں رات گزاری کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو (۳) اور دو ایسے بھائی جو آپس میں لڑیں]۔

وعید عدم مقبولیت اس کی نماز کی جس سے قوم امامت میں مکروہ جانیں (اور) جس نے اپنے شوق سے امامت کی واسطے تفریق جماعت کی، خطاء تفریق طرف اس کی عائد (اور) جو مسجد بقصد تفریق جماعت مسجد قدیم بنوائی جاوے، وہ حکم میں مسجد ضرار کے ہوگی۔ جیسا کہ تفسیر کشاف و مدارک میں مرقوم ہے:

قیل: کل مسجد بنی مباهاة أو رياءً و سمعةً أو لغرضٍ سوى ابتغاء وجهِ اللّٰه أو بمالٍ غير طيبٍ فهو لاحق بمسجد الضرار. (۱) انتهىٰ.

اور تفسیر کشاف میں [ہے]:

عن عطاء لما فتح اللّٰه تعالىٰ الأمصار على يدى عمر رضي اللّٰه عنه أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا مسجدين يضار أحدهما صاحبه. (۲) انتهىٰ.

---

(۱) الكشاف للزمخشري، ۲/۲۹۵، دار احياء التراث العربي بيروت، تحقيق: عبد الرزاق المهدى، مدارك التنزيل للنسفي، ۲/۱۲۷، دار النفائس بيروت

(۲) الكشاف للزمخشري، ۲/۲۹۵، دار احياء التراث العربي بيروت، تحقيق: عبد الرزاق المهدى

(اور) صاحب تفسیر احمدی نے کہا:

فالعجب من المشائخ المتعصبين في زماننا يبنون في كل ناحية مسجداً طلباً للاسم والرسم واستعلاءً لشانهم واقتداءً بآبائهم ولم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم.(۱) انتهیٰ.

[کہا گیا ہے کہ ہر وہ مسجد جو فخر ومباھاۃ کے لیے یا ریاء ونمود یا رضائے الٰہی کے حصول کے سوا کسی اور غرض کے لیے یا مال غیر طیب (حرام وناجائز) سے بنائی جائے تو وہ مسجد ضرار سے (حکماً) ملتی ہے۔

حضرت عطاء سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر ملکوں اور شہروں کی فتح عطا فرمائی تو آپؓ نے مسلمانوں کو مساجد کی تعمیر کا حکم فرمایا، اور دو مسجدیں ایسی بنانے سے منع کیا کہ ان دونوں میں سے ایک کو دوسرے سے تکلیف پہنچے۔

صاحب تفسیر احمدی نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ کے متعصب صوفیہ سے تعجب کی بات ہے کہ وہ نام ونمود، اور اپنی شان کی بلندی ظاہر کرنے یا اپنے آباء کی اقتداء میں ہر جگہ مسجد تعمیر کرتے ہیں، اور اس آیت کریمہ اور اس قصہ میں اپنی بری حالت اور سوء اعمال کے متعلق غور وفکر سے کام نہیں لیتے]۔

والله عليم بذات الصدور واليه البدء والنشور وعلمه أحكم وأتم وعنده أم الكتاب والزبور، حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين.

---

(۱) تفسيرات آيات الأحكام للامام العلامة أحمد الشهير بملا جيون الأميتهوي: ۳۱۲، اشرفی بک ڈپو دیوبند بلاسنہ

مقلدین اور غیر مقلدین کا ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھنا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین [کہ] غیر مقلدین کو، پیچھے مقلدین کے اور مقلدین کو پیچھے غیر مقلدین کے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے، تو اس کی دلیل کیا ہے؟ (اور) بروقت جواز کیا دلیل ہے؟ (اور) اس صورت میں عدم جواز پر فتوٰی دینے والے کے بارے میں از روئے شرع شریف کے، کیا حکم ہے؟ بینوا بالكتاب[و السنة] و توجروا بالصواب، فقط.

هو الملهم للحق و الصواب

جواب: ہر ایک مقلد و غیر مقلد سے، مقتدٰی ومقتدِی ہونا (اور) ایک دوسرے کی اقتداء کرنا درست و جائز (اور) ثابت [ہے]۔ (اور) جاحد و جامد بناء تعصب سے خالی نہیں، یا ماٴخذ و اصل مدعا سے واقف نہیں یا آیت وسنت سے استدلال کرنے کو عرفان نہیں بلکہ عاری [ہے]۔ (اور) انصاف جاری نہیں (اور) اعتساف ساری [ہے] الا ما شاء الله، فهو علىٰ نور و كتاب من ربّه.

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ "[غاية] الانصاف [في بيان أسباب الاختلاف]" میں فرماتے ہیں:

> و كان السلف لا يختلفون في أصل المشروعية، و انما كان خلافهم في أولى الأمرين، و نظيره اختلاف القراء ة، وقد علّلوا كثيراً من هذا الباب، بأن الصحابة مختلفون، وانهم جميعاً على الهدىٰ. ولذلك لم يزل العلماء يجوّزون فتاوى المفتين في المسائل الاجتهادية، ويسلمون قضاء القضاة، و يعملون في بعض الأحيان بخلاف مذهبهم، و لا ترىٰ أئمة المذاهب في هذه المواضع الا وهم يصححون القول، ويبيّنون الخلاف، يقول أحدهم: هذا أحوط، وهذا

هو المختار، وهذا أحبّ اليّ، ويقول: ما بلغنا الا ذالك، وهذا كثير في المبسوط، وآثار محمد و كلام الشافعي.

ثم خلف من بعدهم قوم اختصروا كلام القوم، فقوّوا الخلاف، وثبتوا علىٰ مختار أئمتهم، والذى يروى من السلف من تأكيد الأخذ بمذهب أصحابهم، وأن لا يخرج بحال، فان ذالك امّاالأمر جبليّ، فان كل انسان يحب ما هو مختار أصحابه و قومه، حتى فى الزي والمطاعم أو لصولة ناشئة من ملاحظة الدليل أو لنحو ذالك من الأسباب، فظن البعض تعصباً دينياً، حاشاهم من ذالك.

وقد كان فى الصحابة والتابعين ومن بعدهم من يقرأ البسملة، ومنهم من لا يقرأ ها، ومنهم من يجهر بها، ومنهم من لا يجهر بها ، وكان منهم من يقنت فى الفجر، ومنهم من لا يقنت فى الفجر، ومنهم من يتوضأ من الحجامة والرعاف و القيء، ومنهم من لا يتوضأ من ذالك، ومنهم من يتوضأ من مس الذكر و مس النساء بشهوة، ومنهم من لا يتوضأ من ذالك، ومنهم من يتوضأ ممّا مست النار، ومنهم من لا يتوضأ من ذلك، ومنهم من يتوضأ من أكل الابل، ومنهم من لا يتوضأ من ذالك.

ومع هذا فكان بعضهم يصلى خلف بعض، مثل ما كان أبو حنيفة أو أصحابه، والشافعي وغيرهم رضي اللّٰه عنهم يصلون خلف أئمة المدينة من المالكية وغيرهم، وان كانوا لا يقرؤون البسملة، لا سرّاً ولا جهراً.

وصلى الرشيد اماماً وقد احتجم، فصلى الامام أبو يوسف خلفه ولم يعد. وكان أفتاه الامام مالك بأنه لا وضوء عليه۔ وكان الامام أحمد بن حنبل يرى الوضوء من الرعاف والحجامة، قيل له: فان كان الامام قد خرج منه الدم، ولم يتوضأ، هل تصلى خلفه؟ فقال: كيف لا أصلى خلف الامام مالك و سعيد بن المسيّب؟

وروي أن أبا يوسف و محمداً كانا يكبّران تكبيرَ ابن عباسٍ، لأنّ هارون الرشيد كان يحب تكبير جدّه. وصلى الشافعي رحمه الله الصبح قريباً من مقبرة أبى حنيفة رحمه الله، فلم يقنت تأدباً معه، وقال أيضاً: ربما انحدرنا الى مذهب أهل العراق. وقال المالك رحمه الله للمنصوروهارون الرشيد ما ذكرنا عنه سابقاً.

وفى البزازية عن الامام الثانى وهو أبو يوسف رحمه الله أنه صلى يوم الجمعة مغتسلاً من الحمام، وصلى بالناس وتفرقوا، ثم أخبر بوجود فارة ميتة فى بئر الحمام، فقال: اذاً نأخذ بقول اخواننا من أهل المدينة، اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثاً. انتهىٰ.(۱)

(ترجمہ: اور سلف کا اصل مشروعیت اور جواز میں اختلاف نہیں تھا، اُن کا اختلاف صرف اسی میں تھا کہ ان دونوں امر [معاملہ] میں سے اولیٰ کیا ہے؟ اور وجوہ قرأت میں قاریوں کا مختلف ہونا بھی اسی کے

---

(۱) حجة الله البالغة، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها: ۳۵۹/۱، كتب خانه رشيديه دهلی، فيصل بك ڈپو ديوبند، دار المعرفة ۳۶۰/۱-۳۶۱ تحقيق: محمد طعمة حلبي، الطبعة الثانية ۱٤۲٥ھ/۲۰۰٤م

مثل ہے، اور اس قسم کے اکثر امور پر وہ یہی دلیل لاتے ہیں کہ صحابہ کا باہم اختلاف تھا، اور وہ سب کے سب راہ راست پر تھے، اور اسی سبب سے اجتہادی مسئلوں میں مفتیوں کے فتووں کو علماء نے ہمیشہ جائز رکھا ہے، اور قاضیوں کا حکم تسلیم کیا اور کبھی اپنے کے، خلاف بھی وہ عمل کرتے تھے، اور ایسے مقامات میں تو مذاہب کے ائمہ کو اس کے سوا نہیں دیکھتا کہ وہ قول میں نرمی کرتے ہیں، [اقوال کی اصلاح کرتے ہیں] اور خلاف [اختلاف] کو بیان کرتے ہیں، کوئی اس میں اس طرح کہتا ہے کہ اس میں زیادہ احتیاط ہے اور یہ بہتر ہے اور یہ مجھے بہت پسند ہے، اور کوئی اس طرح کہتا ہے کہ مجھے یہی پہنچا ہے، اور مبسوط [امام سرخسیؒ]، آثار [امام] محمدؒ اور کلام [امام] شافعیؒ میں اس قسم کے قول بہت سے ہیں۔

جو لوگ کہ ان کے پیچھے [بعد میں] ہوئے [آئے] انہوں نے قوم [ائمہ سلف] کے کلام کو مختصر کیا اور خلاف [اختلاف] کو قوی [مضبوط کر کے پیش] کر دیا اور ائمہ کی رائے پر اڑ گئے اور سلف سے جو تاکید منقول ہے کہ انہیں کے مذاہب کو اختیار کریں اور کسی [بھی مسلک کے] حاملین اس سے خارج نہ ہویں، تو اس کا سبب یا تو امر جبلی [طبعی معاملہ] ہے کہ ہر ایک انسان اپنے اصحاب اور قوم کی رائے پسند کرتا ہے یہاں تک کہ پوشش و خورش میں بھی، یا صولت ہے [جو] دلیل کے دیکھنے سے پیدا ہوئی ہے، یا اسی قسم کی اور سبب ہیں۔ پس بعض نے اس کو تعصب اور گمراہی گمان کیا، وہ لوگ اس سے بہت دور ہیں۔

اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین میں سے بعض لوگ بسم اللہ پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے، اور بعض بسم اللہ کو پکار کر کہتے تھے اور

بعض پکار کر نہیں کہتے تھے، اور بعض صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے، اور پچھنا لگانے اور نکسیر [اور قے] سے وضو کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے، [اور بعض لوگ آلہ تناسل کے چھونے، اور عورتوں کو شہوت کے ساتھ چھونے سے وضو کرتے تھے، اور بعض لوگ نہیں کرتے تھے، بعض لوگ "مما مست النار" (جس کو آگ چھولے) سے کرتے تھے، اور بعض نہیں کرتے تھے، بعض لوگ اونٹ کے گوشت کھانے سے وضو کرتے تھے، اور بعض نہیں کرتے تھے] اور باوجود اس کے، وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اور جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگرد اور [امام] شافعیؒ وغیرہ مدینہ کے مالکی اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، اگر چہ وہ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے، نہ آہستہ، نہ پکار کر۔

اور ہارون رشید نے پچھنا لگا کر نماز پڑھائی اور امام ابو یوسفؒ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اور اعادہ نہیں کیا۔ اور امام مالکؒ نے ہارون رشید کو یہ فتوی دیا تھا کہ پچھنا لگانے سے وضو نہیں جاتا۔

اور امام احمد بن حنبلؒ کی رائے یہ تھی کہ پچھنا لگانے اور نکسیر [پھوٹنے] سے وضو کرنا چاہیے، کسی نے امام احمدؒ سے پوچھا کہ اگر امام [کو] خون نکل آوے اور وضو نہ کرے، تو آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے؟ امام احمدؒ نے کہا: امام مالکؒ اور [امام] سعید بن مسیبؒ کے پیچھے میں کس طرح نماز نہیں پڑھنے کا ہوں؟ اور یہ روایت ہے کہ [امام] ابو یوسفؒ اور [امام] محمدؒ عیدین میں [حضرت] ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سی تکبیر، اس سبب سے کہتے تھے کہ ہارون رشید اپنے دادا کی تکبیر کو پسند کرتا تھا۔ اور امام شافعیؒ نے صبح کی نماز [امام] ابو حنیفہؒ کے مقبرہ

کے قریب پڑھی، پس ان کے ادب سے قنوت نہیں پڑھی اور یہ بھی کہا کہ ہم کبھی اہل عراق کے مذہب کی طرف اترتے ہیں اور اسے اختیار کرتے ہیں اور امام مالکؒ نے [خلیفہ] منصور [اور خلیفہ] ہارون سے وہ کہا کہ جس کو ہم پہلے بیان کر چکے۔

بزازیہ میں دوسرے امام سے (وہ [امام] ابو یوسفؒ ہیں) یہ روایت ہے کہ [امام] ابو یوسفؒ نے حمام سے غسل کر کے جمعہ کی نماز لوگوں کو پڑھائی، اور وہ لوگ متفرق ہو گئے پھر [امام] ابو یوسف کو یہ خبر ہوئی کہ حمام کے کنویں میں مرا ہوا چوہا ہے، [امام] ابو یوسفؒ نے کہا: اس وقت ہم اپنے مدینہ والے بھائیوں کے قول پر عمل کر لیں گے، جس وقت کہ پانی قلتین ہو، تو وہ نجس نہیں ہوتا۔ [فتاوی] بزازیہ کی عبارت ختم ہوئی)۔

اور عبارتِ انصاف بعینہٖ "حجة الله البالغة" میں بھی موجود ہے جو مصنفہٗ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ العزیز [میں] سے بھی ہے "من شاء التفصیل فلیرجع الیہ" (۱) [جو تفصیل خواہ ہو اصل کتاب کی طرف رجوع کرے]۔ (اور) جبکہ مقلد و غیر مقلدین [میں] شعائر دین وخواص اسلام کے، شرائط اس کے، [میں] سے پائے جاویں، تب [بھی] آپس میں تنا کر وتباغض منہی عنہما کیسا؟ بلکہ اخوت اسلام

"وکونوا عباد الله اخواناً" (۲)

---

(۱) حجة الله البالغة، باب حكاية أهل الناس قبل المأة الرابعة وبعدها: ۱/۳۴۶-۳۶۶، دار المعرفة، تحقيق: محمد طعمة حلبي: ۱/۱۵۲-۱۶۳، كتب خانه رشيديه دهلي، فيصل بك ڈپو ديوبند

(۲) صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهىٰ عن التحاسد والتدابر، رقم الحديث: ۶۰۶۴، ۶۰۶۵، ۶۰۶۶

[اللہ کے بندوں! آپس میں بھائی ہو جاؤ]

کی راہ [کو اپنا] کر اتحاد و اتفاق [کرنا] لازمی و حتمی [ہے] (اور) دلیل اسلامی، امور بالا کی، یہ ہے:

”عن أنس بن مالك قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلّى صلاتنا، واستقبل قبلتنا، وأكل ذبيحتنا، فذلك المسلم الذي له ذمة الله وذمة رسوله، فلا تخفروا الله في ذمته. انتهى. هكذا رواه البخاري في صحيحه. (١)

[ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو ہماری نماز کی طرح نماز پڑھے، اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے، ہمارے ذبیحہ کو کھائے، تو وہ ایسا مسلم ہے، جس کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد حاصل ہے، پس تم اس کے حق میں اللہ کے ذمہ اور عہد کو نہ توڑو“ حدیث پوری ہوئی، اسی طرح امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو روایت کیا ہے]۔

والله أعلم بالصواب، وعنده أم الكتاب، واليه المرجع والمآب فقط،

حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين.

ناپسندیدہ امام کی امامت؟

سوال: [شریعت کا کیا حکم ہے اس مسئلہ میں کہ] جامع مسجد قدیم کا جو کہ امام ہے، اس سے کل جماعت متفق الرای ناخوش ہے، ان کو امامت سے باز رکھتے ہیں، تو امام صاحب باز نہیں آتے، بلکہ آمادہ فساد پر ہیں، کل جماعت جامع مسجد جدید پر نماز پڑھنے لگے، اس صورت میں کل جماعت مقتدی خلاف پر ہیں؟ یا امام صاحب؟ چونکہ

(١) صحيح البخاري، كتاب الصلوٰة، باب فضل استقبال القبلة، رقم الحديث: ٣٩١

امام صاحب کے عقائد خلاف اہل اسلام پائے جاتے ہیں۔لہٰذا ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ موافق آیات وحدیث کے تحریر فرمائیں۔اجر بے حساب پائیں۔

هو المصوب

جواب: اگر درحقیقت ساری جماعت ناخوش ہے امامت سے باعتبار خلاف عقائد اہل سنت والجماعت کے، تو ایسے کو امامت سے باز رہنا چاہیے، کہ وعید شدید "امام قوم وهم له كارهون"(۱) پر وارد ہوئی ہے۔

والله عليم بذات الصدور، حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني عفا الله عنه ذنوبه ومحا اللهعنه عيوبه

بدعقیدہ شخص کے متعین کئے ہوئے امام کی امامت؟

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، چہ می فرمانید مفتیان شرع متین اندریں صورت کہ در جامع مسجد وعیدگاہ قصبۂ کشنی ہم مثل قصبات دیگر یہ دستور تھا کہ باسترضائے روساء وسکناء قصبہ وقریات از خاندان قاضی ومفتی وخطیب و چودھری ومتولی، بعد زوال سلطنت دہلی حسب مناصب جس کو بہتر تصور کیا، باقتداء امامت اور نماز جمعہ وعیدین ادا کیا، بخلاف آن از عرصہ چند، بابو اعظم علی خان تعلقہ دار دیوگاؤں کہ مذہب امامیہ ہیں بزور حکومت صرف بنظر شکشت دادن نام ونشان، عہدہ وقضاء وغیرہ، (اور) استحکامی سلسلہ حکمرانی عملداری خود کہ عرصہ چند سے ریاست دہی قصبہ مذکور پر بہی قابض ہیں (اور) یا براہ حکمت عملی جو کچھ کہ بخیال مصلحت وقت وبہبود مذہبی تصور کیا

(۱) مصنف ابن أبي شيبة، باب في الامام يؤم القوم وهم له كارهون، رقم:٤١٣٢، ٤١٣٣، ٤١٣٤، ٤١٣٥، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراتشي باكستان، سنن ابن ماجة، أبواب اقامة الصلوات والسنة فيها، باب من أم قوماً وهم له كارهون، رقم:٩٧٠، ٩٧١، دار السلام، الرياض. صحيح ابن حبان، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ذكر نفي قبول الصلاة من أقوام بأعيانهم من أجل أوصاف ارتكبوها، رقم:١٧٥٧، مؤسسة الرسالة، بيروت، ١٤٠٨ھ-١٩٩٨م، الطبعة الأولى

ہو، ایک امام بالمشاہرہ از جانب خود بالخصوص بنا بر نماز جمعہ وعیدین مقرر رکھا ہے۔

الغرض نماز جمعہ وعیدین، اہل تسنن [کی] باقتداء اسی امامتِ امام مقرر کردہ تعلقہ دار مذکور الصدر درست ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ بذریعہ خوش آمد نماز جمعہ وعیدین باقتدائے امامت اسی امام کے ادا کریں، ان کو کیا تصور کرنا چاہیے؟ بینوا توجروا.

(مرسلہ: خواجہ محمد فاروق احمد صاحب از قصبہ کشنی تحصیل مسافر خانہ ضلع سلطان پور)

الجواب وهو الموفق للصدق والصواب

جواب: درست ہے۔ بشرطیکہ امام مقرر کردہ اہل تسنن سے ہے (اور) مظنہ تقیہ کرنے کا اس کی طرف عائد نہیں، باوجودیکہ اجرت بر امامت بہ حیلہ شرعیہ فقہیہ وجہ توجیہ درجۂ اجازت واباحت، الاخالی از فیہ ما فیہ نہیں۔ مگر بنظر حدیث:

"صلوا خلف بر و فاجر"(۱)

[ہر نیک اور فاسق وفاجر کے پیچھے نماز پڑھو]

جو نماز پڑھ لینے پر دلالت کرتی ہے، اگر امام فاجر بھی ہو، باقی امام متقی وپرہیزگار (اور) قوم امامت اس کی سے راضی (اور) بمرضی اہل سنت والجماعت متعین ہو۔ ہونا چاہیے خدا پرست، نہ [کہ] ہوا پرست۔ کما فی تنویر الأبصار وفی شرحہ:

ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقراءة ثم الأروع أى الأكثر اتقاءً للشبهات، والتقوى: اتقاء المحرمات. (۲) انتهىٰ.

[تنویر الابصار اور اس کی شرح میں ہے: پھر جو تلاوت وقرأت کے

(۱) سنن دار القطني، باب صفة من تجوز الصلاة معه والصلاة عليه، رقم: ۱۰، (۵۷/۲) عالم الكتب بيروت، الطبعة الثالثة، ۱۴۱۳ھ- ۱۹۹۳م، نصب الراية تخريج أحاديث الهداية للزيلعي، كتاب الصلاة، باب الامامة ۲۹/۲، دار الايمان سهارن فور، الطبعة الأولىٰ، ۱۴۲۷ھ- ۲۰۰۶م

(۲) الدر المختار شرح تنوير الأبصار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الامامة، ۲۹۴/۲، دار الكتب العلمية بيروت، ۱۴۲۴ھ- ۲۰۰۳م الطبعة الثانية

لحاظ سے اچھا ہو، پھر اروع ہو یعنی شبہات سے بہت بچنے والا ہو، اور تقویٰ حرام چیزوں سے بچنا ہے]۔

درصورت تعذر اجازت امام اسلام، بوجہ فقدان حکومت اسلام، دیار وامصار اپنے سے نا تفاق باہمی ایک کو امام مقرر کر کے جمعہ وعیدین ادا کرنا [چاہیے]۔ کما فی رد المحتار:

لو مات الوالی أو لم یحضر لفتنة أولم یوجد ممّن له حق التقدم فی اقامة الجمعة نصب العامة لهم خطیباً للضرورة مع أنه لا أمیر ولا قاضي ثمة [أصلاً]. (۱)انتهیٰ.

اور [یہ] بھی اسی میں ہے:

ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین. (۲)انتهیٰ.

[ردالمحتار میں ہے کہ اگر والی مرجائے، یا کسی فتنہ کی وجہ سے حاضر نہ ہو، یا ان میں سے کوئی ایسا شخص بھی نہ پایا جائے جس کو قیام جمعہ کے لیے حق تقدم حاصل ہے، تو لوگ ضرورۃً اپنے لیے کوئی خطیب متعین کریں، باوجود اس کے کہ اصلاً نہ کوئی امیر ہے اور نہ کوئی قاضی۔ اور قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہو جاتا ہے]۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

لو تعذر الاستئذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بهم الجمعة جاز، کذا فی التهذیب. (۳)

---

(۱)رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الامامة، ۲/۲۹٤، دار الکتب العلمیة بیروت، ۱٤۲٤ھ– ۲۰۰۳م الطبعة الثانیة

(۲)رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة: ۳/۱٤، دار الکتب العلمیة بیروت، ۱٤۲٤ھ– ۲۰۰۳م الطبعة الثانیة

(۳)الفتاوی الهندیة مع البزازیة والخانیة، کتاب الصلاۃ، الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعة، ۱/۱٤٦، مکتبة زکریا دیوبند، غیر مؤرخ

اور [یہ] بھی اسی میں ہے:

بلاد علیها ولاة كفار يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين. وكذا في معراج الدراية.(۱) انتهیٰ.

وفی مجمع الفتاویٰ: غلب علی المسلمین ولاة الکفار یجوز للمسلمين اقامة الجمع والأعياد.(۲) انتهیٰ.

[فتاویٰ عالم گیری میں ہے کہ اگر امام وقت سے اجازت لینا مشکل ہو، تو لوگ ایک ایسے شخص پر متفق ہوجائیں جو جمعہ میں ان کو نماز پڑھائے، تو ایسا کرنا جائز ہے۔ ایسے ملک وشہر جہاں پر کافر حکمراں ہوں تو مسلمانوں کے لیے جمعہ کو قائم کرنا جائز ہے اور قاضی مسلمانوں کی آپسی رضامندی سے قاضی ہوجائے گا۔ اسی طرح سے معراج الدرایہ میں لکھا ہے۔ اور مجمع الفتاویٰ میں ہے کہ مسلمانوں پر کافر حکمراں غالب ہوں تو اہل اسلام کے لیے جمعے اور عیدین کا قائم کرنا جائز ہے]۔

واللّٰہ أعلم، وعلمه أتم وأحكم، حرّره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني، تجاوز اللّٰہ عن ذنبه الخفي و المبين.

جمعہ فی القریٰ (۳)

سوال: جمعہ چھوٹے گاؤں میں ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں پڑھے تو گنہگار

---

(۱) الفتاوی الهندية مع البزازية والخانية، تاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة، ۱/۱٤٦، مكتبة زكريا ديوبند، غير مؤرخ

(۲) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الايضاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة/۵۰۷، اكادمية شيخ الهند، ديوبند، الطبعة الأولىٰ ۱٤۲۸ھ- ۲۰۰۷م

(۳) جمعہ فی القریٰ کا مسئلہ مسالک کے مابین ایک اہم اور......... باقی اگلے صفحہ پر......

ہوگا یا نہیں؟ اور آپ [صلی اللہ علیہ وسلم] کے زمانہ یا صحابہ [رضی اللہ عنہم أجمعین] کے زمانہ میں جمعہ چھوٹی بستیوں میں تھا یا نہیں؟ قرآن کی آیت سے فرضیت جمعہ کی ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ اور جمعہ پہلے کہاں فرض ہوا تھا؟ امید ہے کہ آنحضرت سے پوری طمانیت حاصل ہوگی۔

(کمترین محمد شمس الحق از کجرا کول، ۲۸/ذی قعدہ ۱۳۲۷ہجری)

هو المصوب والموفق

جواب: نماز جمعہ مثل نماز پنجگانہ کے فرض ہے، جو شرطیں ان میں ہیں، وہ اس میں ہے، فقط دو خطبوں کی زیادتی ہے، شہر ہو یا دیہات ہر جگہ بلا شرط شہر و بادشاہ یا اس کے نائب کے، صحیح ہے۔

............باقی حاشیہ...... بڑا معرکۃ الآرا مسئلہ ہے، اس سلسلہ میں علمائے احناف کا مسلک یہ ہے کہ جمعہ فی القریٰ درست نہیں ہے، حضرت مولانا سید ابو المحاسن محمد امین محدث نصیر آبادیؒ جمعہ فی القریٰ کے قولاً و فعلاً عامل تھے، اور جہاں حضرت محدث نصیر آبادیؒ نے جمعہ فی القریٰ قائم فرمایا ہے آج تک ان مقامات میں جمعہ کی نمازیں پابندی کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ نیز اس سلسلہ میں حنفی مسلک اور نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہر چیز کے کچھ اصول اور ضوابط ہوتے ہیں، اگر یہ اصول پائے جائیں تو اس پر عمل کیا جائے گا، ورنہ عمل کرنا ضروری نہیں ہے، اور وہ تمام شرطیں جمعہ فی القریٰ میں جمع نہیں ہیں اس لیے علمائے احناف نے جمعہ فی القریٰ سے منع کیا ہے۔ حنفی نقطۂ نظر کی تحقیق و تفہیم میں بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اردو میں تحقیق و تفہیم اور تفصیلات کے لیے قطب الارشاد مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ اور امام الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے رسائل و کتب کا مطالعہ مفید ہے، حضرت گنگوہیؒ نے "اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعة فی القریٰ" اور شیخ الہندؒ نے "احسن القریٰ فی توضیح اوثق العریٰ" اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے "التحقیق فی اشتراط المصر للتجمیع" نام سے قیمتی رسالہ تحریر فرمایا۔ راقم سطور کی رائے ہے کہ جمعہ فی القریٰ کے مسئلہ میں قصبے اور بڑے گاؤں میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بالاتفاق جائز ہے، چھوٹے گاؤں کی دو قسمیں کر لی جائیں تو بہتر طریقہ سے مسئلہ کا حل ہو سکتا ہے تاکہ امت ایک نقطۂ اتحاد پر آسکے، ایک قریہ صغیرہ اور دوسرا قریہ صغریٰ، اور قریہ صغیرہ میں جمعہ فی القریٰ کی اجازت دی جائے۔ اور جن گاؤں میں جمعہ فی القریٰ پہلے سے قائم ہے وہاں سے ختم نہ کیا جائے، استعمال الناس حجة یجب علیها العمل کو سامنے رکھتے ہوئے اس کو علیٰ حالہ باقی رکھا جائے۔

امام بخاریؒ نے "باب الجمعة فی القریٰ والمدن" میں روایت کی ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنهما [أنّه] قال: ان أوّل جمعةٍ جمِّعَتْ بعد جمعةٍ فی مسجد رسول الله صلی الله علیه وسلم فی مسجد عبد القیس بجُوَاثیٰ من البحرین"(۱)

[مسجد نبوی ﷺ میں جو جمعہ ادا کیا گیا تھا اس کے بعد سب سے پہلا جمعہ جواثی کی مسجد عبدالقیس میں پڑھا گیا جو بحرین میں ہے۔]

اوراسی طرح امام ابوداودؒ نے روایت کی ہے، اور ان کی روایت میں لفظ "جُوَاثاء قریةٍ من قری البحرین "(۲) کا [اضافہ] ہے، پھر امام بخاریؒ نے روایت کی ہے:

عن ابن عمر رضی الله عنهما قال؛ سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: کلُّکمْ راع، وزاد اللیثُ: قال یونس: وکتب رُزَیْقُ بنُ حُکَیْم الی ابن شهابٍ وأنا معه یومئذٍ بوادی القریٰ، هل تریٰ أن أجمع؟ وزُرَیقٌ عَامِلٌ علی أرضٍ یعملها وفیها جماعة من السودان وغیرهم، ورزیقٌ [یومئذٍ] علی أیْلِه، فکتب ابنُ شهابٍ وأنا أسمع، یأمره أن یجمِّعَ......الخ.(۳)

[حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ہر کوئی نگراں ہے، لیث نے اس میں اضافہ کیا کہ یونس نے کہا کہ میں ان دنوں وادی القریٰ میں ابن شہابؒ کے ساتھ تھا، رزیق بن حکیم نے ابن شہاب کو لکھا کہ

---

(۱)صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القریٰ والمدن، رقم: ۸۹۲، دار السلام الریاض

(۲)سنن أبی داؤد، أبواب الجمعة، باب الجمعة فی القریٰ، رقم: ۱۰۶۸، دار السلام الریاض

(۳)صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القریٰ والمدن، رقم: ۸۹۳، دار السلام الریاض

آپ کی کیا رائے ہے اگر میں یہاں نماز جمعہ قائم کروں، اور رزیق ایک ایسی زمین کے عامل تھے جس کی وہ کاشت کرتے تھے، وہاں پر اس وقت حبشی اور دیگر لوگ تھے، رزیق ایلہ کے حاکم تھے، ابن شہابؒ نے لکھا اس حال میں کہ میں سن رہا تھا کہ وہ ان کو حکم دے رہے تھے کہ جمعہ قائم کرو......الخ۔]

حاصل ان حدیثوں کا [یہ ہے] کہ جواثی میں کہ وہ ایک گاؤں ہے بحرین سے، صحابہؓ نے وہاں نماز جمعہ پڑھی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے، اور تابعیوں نے بھی، اور ان کے زمانہ میں برابر جاری رہی، اور بعض نے جو قریہ کو معنیٰ میں شہر کے لے کر جواثی کو شہر لکھا ہے، قول مردود ہے۔ کیونکہ جب امام بخاریؒ اور ابوداؤد نے [جو] کہ مقدم اور افضل ہیں اور بعد ان کے اکابر محدثین نے بھی جواثی کو دیہات ہی لکھا ہے، پھر متاخرین کے اقوال ان اکابر دین کے مقابل میں کب ہو سکتے ہیں؟ اور اگر متاخرین کے اقوال صحیح مان لیے جاویں، تو بھی کچھ خرابی نہیں، مطابقت متقدمین اور متاخرین کے اقوال میں یوں ہوگی کہ جواثی زمانہ قدیم صحابہ میں ایک چھوٹی بستی ہو، پھر تھوڑے دنوں کے بعد بڑھتے بڑھتے ایک شہر ہو گیا ہو، اسی ہندوستان میں دیکھو کہ زمانہ قدیم میں جو بعض بعض بستیاں تھیں اب وہ شہر ہیں، کچھ جائے تعجب نہیں ہے۔

اور ''مصنف ابن شیبہ'' میں ایک روایت آئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ [نے] طرف بحرین کی لکھ بھیجا کہ جمعہ ادا کیا کرو جس جگہ کے ہو۔(۱) اور اس کی [محدث] ابن خزیمہؒ نے تصحیح کی، اور لفظ ''جس جگہ'' شامل ہے شہر اور دیہات دونوں کو۔(۲)

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الجمعة، من كان يرى الجمعة في القرىٰ وغيرها، رقم: ۵۱۰۸، تحقيق وتخريج: الشيخ محمد محمد عوامة حفظه الله، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشي، الطبعة الثانية، ۱۴۲۸ھ- ۲۰۰۷م

(۲) عون المعبود شرح ابي داؤد، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرىٰ والمدن ۳/ ۲۹۵، دار الفكر بيروت، ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۵م

اور [امام] بیہقی نے [حضرت] لیث بن سعد سے روایت کی ہے کہ اہل مصر وسواحل حضرت عمر [بن الخطاب] وحضرت عثمان [بن عفان] رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں، ان کے حکم سے جمعہ ادا کرتے تھے، اور ان میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت تھی۔(۱) اور اس مضمون کی حدیث بہت آئیں بخیال طول نہیں لکھی جاتی۔

اور وہ جو صاحب ہدایہ نے لکھا ہے: کہ صحیح نہیں ہے جمعہ مگر مصر جامع یعنی شہر میں یا مصلیٰ میں اس کے، اور نہیں جائز ہے دیہات میں بسبب اس حدیث کے ''کہ نہیں جائز ہے جمعہ اور تشریق اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ مگر مصر جامع میں'' اور مصر جامع وہ ہے جہاں کوئی حاکم ہو اور قاضی جو احکام جاری کرتا ہو اور قائم رکھتا ہو حدود۔ یہ روایت ہے [امام] ابو یوسفؒ سے اور انہی [امام ابو یوسفؒ ہی مراد ہیں] سے دوسری روایت ہے کہ مصر جامع وہ جگہ ہے کہ اگر جمع ہوں وہاں کے رہنے والے اس کی بڑی مسجد میں تو سما نہ سکیں۔ اور پہلی روایت کو اختیار کیا ہے [امام] کرخیؒ نے اور دوسرے کو [امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی بغدادیؒ کے ایک شاگرد، امام ابو عبداللہ محمد بن الشجاع] ثلجیؒ نے(۲) یا وہ جو شیخ ابن الہمام ''فتح القدیر'' میں لکھتے ہیں کہ جمعہ ایسی جگہ ہو جہاں گلیاں اور بازار ہوں، اور اس میں والی ہو کہ انصاف مظلوم کا کرتا ہو ظالم سے، اور ایک عالم ہو کہ حوادث میں ان کی طرف رجوع کرتے ہوں۔(۳)

---

(۱) التعليق المغني على الدارقطني، كتاب الصلاة، باب الجمعة فى القرىٰ ۹/۲، عالم الكتب بيروت، الطبعة الثالثة، ۱٤۱۳ھ- ۱۹۹۳م، عون المعبود شرح أبى داؤد، كتاب الصلاة، باب الجمعة فى القرىٰ والمدن ۲۹۷/۳، دار الفكر بيروت، ۱٤۱۵ھ-۱۹۹۵م، نيل الاوطار، كتاب الصلاة، أبواب الجمعة، باب انعقاد الجمعة بأربعين واقامتها فى القرىٰ أيضاً.

(۲) الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة ۳۷۱/۱- ۳۷۲، مكتبة البشرىٰ كراتشى، الطبعة الثانية ۱٤۲۸ھ-۲۰۰۷م

(۳) فتح القدير للامام ابن الهمام الحنفى السكندرى، كتاب الصلاة، باب الجمعة ۵۰/۲، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية، ۲۰۰۹م، تعليق وتخريج: الشيخ عبد الرزاق غالب المهدى

مجروح ومخدوش ہے قابل تسلیم نہیں کئی وجوہ سے:

[۱] ایک یہ کہ حدیث "لا تشریق......الخ" موقوف و منقطع ہے، اور حدیث منقطع کسی کتاب کی معارض حدیث بخاری کی نہیں ہو سکتی، کیونکہ معارضہ میں مساوات شرط ہے باتفاق جمہور محدثین۔

[۲] دوسری یہ کہ تفسیر مصر کی درست نہیں ہے، نہ موافق [ہے] کرخی کے نہ ثلجی کے۔ چونکہ آنحضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] کے مدینہ منورہ میں قبل تشریف آوری، [حضرت] اسعد بن زرارہؓ نے ساتھ اور صحابیوں کے بدون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز جمعہ پڑھی۔ حالانکہ اس وقت حکومت آپ کی مدینہ میں نہ تھی اور نہ حدود وقصاص بالفعل جاری تھا، نہ قوت اس کی رکھتے تھے، مسلمان محض مغلوب تھے اور نہ وہاں کئی مسجدیں تھیں جو تفسیر ثلجی کی صادق آوے جیسا کہ تفسیر نیشاپوری سے ظاہر ہوتا ہے، اور جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے، نماز جمعہ کی پہلی مسجد بنی سالم کی بطن وادی میں پڑھی، اس وقت بھی وہاں تسلط کا نام نہ تھا جو احکام حدود وقصاص جاری کر سکیں اور نہ کئی مسجدیں تھیں جیسا کہ بحر الرائق و شمنی شرح نقایہ اور محلی شرح مؤطا سے مستفاد ہوتا ہے، اور نہ تفسیر صاحب فتح القدیر کی صحیح ہے، کیونکہ زمانہ یزید شقی میں صحابہ نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے، اور حالانکہ اس وقت انصاف کا نام نہ تھا، خونِ صحابہ بے دریغ ہوتا تھا، اور اقامت حدود کو کون پوچھتا ہے؟ اور جس زمانہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے، حکومت اپنی رہائی کی قوت نہیں رکھتی تھی، کیسے اصحاب رضی اللہ عنہم نے نماز جمعہ پڑھی؟ اس طرح کی تقریر مولانا بحر العلوم [عبد العلی] لکھنویؒ نے بتفصیل تمام "ارکان اربعہ" میں کی ہے، اور تفسیر مصر میں خوب جرح کیا ہے، جس کا جی چاہے ان کی "ارکان" میں دیکھ لے، یہاں اکثر روایتیں بوجہ طول ہو جانے فتویٰ کے، نہیں لکھی گئیں۔

[۳] تیسری یہ کہ اس حدیث کو محمول اوپر ندب کے کرتا ہوں، یعنی بشرط بادشاہ اور مصر کی نماز جمعہ عمدہ اور مستحب ہوگی، نہ یہ کہ بغیر ان شرطوں کے نماز ہی نہیں ادا ہوگی،

جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے، ''مصفی شرح مؤطا امام مالک'' میں فرماتے ہیں: پس نماز جمعہ دو رکعت است در وقت ظہر بجماعت عظیمہ از مسلمین در قریہ یا در شہر......الخ۔(۱)

اور دوبارہ شرط ہونے شاہ یا نائب کے اسی کتاب میں لکھتے ہیں: واما امامت خلیفہ یا نائب او پس امر مستمر بود ومنشاء آں امر است بتقدیم والی در محل ولایت خویش پس مخصوص باشد، بحضور والی وبطریق استحباب باشد، چنانچہ تقدیم اقرأ بر اعلم وسائر نظائر واثر حضرت علی اربع علی الامام محمول بزیدت تقدم والی در محل ولایت خود است۔(۲)

اور جناب شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی اپنی کتاب ''فتح المنان فی تأیید مذهب النعمان'' میں ان شرطوں کو شروط اولیت سے لکھا ہے۔(۳)

[۴] چوتھی یہ کہ اس حدیث پر عمل کیونکر ہوسکتا ہے، اس لیے کہ مصر کی تفسیر میں اختلاف اٹکل میں نکالے جاتے ہیں، کوئی معنیٰ ابھی تک متعین نہیں ہوا، اور وحی آسمانی آتی نہیں، شارع سے تفصیل وتعیین اس کی پائی جاتی نہیں کہ کس کی تفسیر کو اس پر جانچ کر ترجیح دی جاوے، اور معمول بہا ہوسکے۔

---

(۱)المصفی، کتاب الصلاۃ، باب التشدید علی من ترک الجمعۃ بغیر عذر:۱/۳۰۰، رقم: ۳۷۷، ونقل الأستاذ السید سلمان الندوی المصفی شرح المؤطا من الفارسیۃ الی العربیۃ، وطبعہ ونشرہ من المعھد العالی للدراسات الشرعیۃ بدار العلوم ندوۃ العلماء لکناؤ، فصلاۃ الجمعۃ رکعتان فی وقت الظھر بجماعۃ عظیمۃ من المسلمین فی قریۃ أو مدینۃ

(۲)نفس المصدر السابق آنفاً ۱/۳۰۱-۳۰۲، وأما امامۃ الخلیفۃ أو من ینوب عنہ، فاستمر علیہ العمل، والفرض منہ تقدیم الوالی فی محل ولایتہ، فیختص بحضور الوالی علی طریق الاستحباب مثل تقدیم الأقرأ علی الأعلم، وسائر نظائر ھذہ المسئلۃ وأثر سیدنا علی رضی اللہ عنہ ''أربع الی الامام'' فمحمول علی استحباب تقدیم الوالی فی محل ولایتہ

(۳)فتح المنان فی تأیید مذھب النعمان......؟

پس یہ حدیث مضطرب بالمتن ہوئی، تخصیص آیت اس اٹکل سے کیونکر ہو سکتی ہے، عمل تو دور رہا اور اگر یہی خود رائی ہے اور نصوص سے چشم پوشی ہے تو بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ معنی مصر کے گاؤں کے ہیں۔ کیونکہ دلیل نہ ان مفسرین مصر کے پاس [ہے]، نہ میرے پاس، رعایت لغت وعرف عام کی نہ انہوں نے کی، نہ میں نے کی، ان سے بھی اٹکل ہے، اور ہم سے بھی اٹکل ہے۔

[۵] پانچویں یہ کہ شرط ہونا بادشاہ یا نائب اس کا اور مصر کا، واسطے وجوب ادا کے ہی تسلیم بھی کر لیں تو بھی فرض نہ ہونا جمعہ کا غیر مصر میں یا وہاں جہاں بادشاہ یا نائب اس کا نہ ہو، لازم نہیں آتا بلکہ فرض ہی باقی رہتا ہے، کیونکہ کسی سے کئی شرطیں ادا کی فوت ہو جانے سے بسبب عذر کے باطل ہو جانا عین شئی کا، کلیۃً لازم نہیں آتا بلکہ باندازۂ عذر دیکھو؛ فرائض پنجگانہ کے لیے طہارت وستر عورت وغیرہ شرط ہیں مگر وقت عذر کے یہ شرطیں بلکہ اکثر ارکان نماز کے مثل قیام وغیرہ معذور سے ساقط ہیں، حالانکہ نماز اس سے ساقط نہیں ہوتی، ایسے ہی حال نماز جمعہ کا ہے کہ جہاں بادشاہ اور مصر نہ ہوں، مسلمان وہاں ان شرطوں سے معذور ہیں، مصر یا بادشاہ کہاں سے پیدا کریں؟ جیسے ننگا مفلس لنگڑا کپڑا قیام کہاں سے لائے؟ لامحالہ یہی کہو گے کہ نماز پڑھ لے، ہاں جن شرطوں میں معذور نہیں ہیں، ان کی نہ کرنے سے نماز اس کی فاسد ہو جاوے گی، یہی کیفیت نماز جمعہ کی بھی ہے کہ جہاں بادشاہ ہو، وہاں نماز عمدہ، بغیر بادشاہ یا اس کے نائب کے درست نہ ہو گی، یا جو شخص مصر میں ہو، پھر خاص کر کسی گاؤں میں اسی مصر کے متصل نماز جمعہ پڑھے، [تو] صحیح نہ ہو گی۔ کیونکہ اس کو قدرت تھی کہ بادشاہ یا اس کے نائب [کے] ساتھ ادا کر سکتا تھا، اور یہ شخص بھی نماز شہر میں ادا کر سکتا تھا، اور قصداً خلاف اس کے کیا۔

غرض ہماری اس تقریر سے یہ ہے کہ جہاں ان شرطوں کا وجود ہو، وہاں رعایت ان کی واجب ہو، ورنہ درست نہ ہو۔ اور جہاں ان شرطوں کا وجود نہیں نماز بلا رعایت ان کی صحیح ہو گی، مسلمان وہاں کے معذور ہوئے، اور معذور پر تکلیف مالایطاق یعنی تکلیف اس کی جس پر قادر

نہیں، شارع نے نہیں دی باتفاق جمہور مسلمین۔ اور میری اس تقریر کی تائید کرتی ہے، تحریر محققین حنفیہ کی بھی۔ گو ظاہر میں عنوان بیان اور ہے، مگر معنون اور مآل موافق میرے ہے۔
[فتاویٰ] عالمگیریہ میں لکھا ہے:

لو تعذر الاستئذان من الامام فاجتمع الناس على رجل يصلّى بهم الجمعة جاز. كذا فى التهذيب.(١)

(ترجمہ: جب معذور ہوں مسلمان اذن لینے میں امام وقت سے، پس مجتمع ہوں مسلمان، اور کسی شخص کو امام بنا دیں، وہ امام سبھوں کے ساتھ نماز جمعہ پڑھاوے تو جائز ہے)۔

اور پھر عالمگیری میں لکھا ہے:

بلاد عليها ولاة كفار، يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضى قاضياً لتراضى المسلمين، ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً. كذا فى معراج الدراية.(٢)

(ترجمہ: ایسے بلاد ہوں، جہاں حاکم کافر ہوں تو جائز ہے مسلمانوں کو کہ پڑھیں وہاں نماز جمعہ، اور ہوئے قاضی قاضی واسطے راضی ہونے مسلمانوں کے، اور چاہیے ان کو کہ تلاش [کریں] حاکم مسلمان کو)۔

اور "رد المحتار" میں لکھا ہے:

ولذا لو مات الوالى أو لم يحضر لفتنةٍ أولم يوجد ممّن له حق اقامة الجمعة، نصب العامة لهم خطيباً للضرورة. كما سيأتى مع أنه لا أمير ولا قاضي ثمة.(٣)

---

(١) الفتاوى الهندية مع البزازية والخانية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة: ١٤٦/١، مكتبة زكريا ديوبند بدون تاريخ الطباعة والنشر

(٢) نفس المصدر السابق آنفاً

(٣) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة ٦/٣، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٤ھ- ٢٠٠٣م

(ترجمہ: اور اسی لیے اگر مر گیا ہو حاکم یا نہ حاضر ہوا بسبب کسی فساد کے (اور) نہ پایا وہ شخص جس کے واسطے حق اقامتِ امامت ہے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ آپس میں مشورہ کر کے کسی کو خطیب مقرر کریں بسبب ضرورت کے، حالانکہ نہیں ہے اس جگہ امیر نہ قاضی)۔

اب دیکھئے کہ یہ عبارتیں صاف کہہ دیتی ہیں کہ عذر کے وقت، اذن والی [حاکم یا اس کے نائب] سے یا امام متعین کے ہونے سے بلا ان شرطوں کے صحیح ہے، اور شرطیں ساقط ہیں، اور ولایت کفار میں بھی نماز جمعہ جائز ہے، حالانکہ نہ سلطان ہے نہ امام۔ پس میری تقریر صادق آئی کہ وقت عذر کے، ان شرطوں کا اعتبار نہیں، اب سب مسلمان کو چاہیے کہ کسی گمراہ کے بہکانے سے نماز جمعہ کو- کہ رکن اعظم اسلام ہے اور اس میں شوکت و رونق دین ہے- نہ چھوڑیں، اللہ تعالیٰ سے ڈریں، اور فریب گمراہوں میں آ کر شرطیں جمعہ پر کہ بالکل اٹکل اور خود آرائی ہیں، دلیل سے کچھ سروکار نہیں کاربند ہوں، اور دیہات اور شہر جہاں چاہیں نماز جمعہ و عیدین بلا دغدغہ پڑھا کریں، اگرچہ کافروں کی ولایت میں ہوں۔

''مجمع الفتاویٰ'' میں لکھا ہے:

غلب علی المسلمین ولاة الکفار، یجوز للمسلمین اقامة الجمعة والأعیاد ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین ویجب علیهم أن یلتمسوا والیاً مسلماً. انتهیٰ ما فی مفتاح السعادة، کذا فی الطحاوی.(۱)

(ترجمہ: جب غالب ہو جاویں کفار مسلمانوں پر تو چاہیے مسلمانوں کو کہ جاری و قائم رکھیں نماز جمعہ اور عیدین کو، اور ہوئے قاضی قاضی

---

(۱) حاشیة الامام الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، کتاب الصلاة، باب الجمعة/۵۰۷، مجمع شیخ الهند دیوبند، الهند، الطبعة الاولیٰ ۱۴۲۸ھ-۲۰۰۷م

ساتھ [مسلمانوں کی] رضا کے، واجب ہے اوپر ان کے کہ تلاش کریں والی مسلم کو)۔

مولوی سلام اللہ حنفی نے "محلی شرح موطا امام مالک" میں لکھا ہے:
کہا [امام] شمنیؒ نے: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو آئے، [تو] دوشنبہ اور منگل اور بدھ اور جمعرات کے دن تک قبیلۂ بنی عمر بن عوف کے بیچ ٹھرے، پھر وہاں سے نکلے، پس حضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] کو بنی سالم بن عوف میں جمعہ کا دن آیا، پس حضرت نے پڑھا بیچ مسجد کے جو کہ بطن وادی میں [ہے] یعنی جنگل میں، اور اول جمعہ وہی تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا۔ اسی طرح شیخ محمد طاہر حنفی نے "مجمع البحار" [میں] لکھا۔(۱)

اور شیخ عبدالحق حنفی [محدث دہلویؒ] نے "شرح سفر السعادت" میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [نے] بعد اقامت [تین] دن کے، قبا کے بیچ جمعہ کے دن مدینہ مطہرہ آنے کا قصد کیا اور پھر درمیان راہ نماز جمعہ ادا کی۔(۲)

اور شیخ عبدالحق حنفی [محدث دہلویؒ] نے "جذب القلوب" (۳) میں لکھا ہے:
بطن وادی یعنی جنگل میں کہ قبا کے قریب ہے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جمعہ کا وقت پہونچا اور جمعہ اسی موضع میں -کہ اب وہ جگہ ساتھ مسجد کے مشہور ہے- پڑھا۔(۴)

---

(۱) مجمع البحار، چھاپہ نول کشور، تیسری جلد، صفحہ: ۵۳۳، حوالہ از صاحب فتاویٰ۔ مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار ٤/٢٦٩، مکتبة دار الایمان المدینة المنورة، الطباعة الثالثة ١٤١٥هـ-١٩٩٤م

(۲) شرح سفر السعادت (فارسی) /۱۷۰، مطبوعہ مطبع نول کشور لکھنؤ۔ فارسی کی اصل عبارت یہ ہے:
وآن حضرت صلی الله علیه وسلم بعد از اقامت سه روز بقبا روز جمعه قصد در آمدن مدینه مطهره کرد، وهم درمیان راه نماز جمعه گزارد

(۳) جذب القلوب، چھاپہ نول کشور، صفحہ: ۶۳، حوالہ از صاحب فتاویٰ

(٤) جذب القلوب الی دیار المحبوب /٦٥، سال طباعت ماہ ستمبر ۱۹۰۴ء۔ مطبع منشی نول کشور واقع کان پور۔ اصل فارسی عبارت یہ ہے:
در بطن وادی که قریب قبا ست وقت نماز جمعه در رسید واقامت جمعه همدران موضع که الآن بمسجد جمعه مشهور ست فرمود

اور بخاری اور ابوداؤد وغیرہ میں ابن عباسؓ سے یہ روایت ہے کہ کہا: تحقیق اول جمعہ کہ اسلام میں جمعہ پڑھا گیا، اس جمعہ کے بعد کہ [جو] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں مدینہ میں پڑھا گیا۔ البتہ [وہ] جمعہ ہے کہ [جو] جمعہ جواثی میں پڑھا گیا، کہ گاؤں ہے گاؤں بحرین [میں] سے۔ کہا عثمان نے: وہ گاؤں گاؤوں عبد القیس [میں] سے۔ (۱)

اور مولوی سلام اللہ حنفی [محدث دہلویؒ] نے "محلی شرح مؤطا امام مالك" میں لکھا ہے کہ جواثی گاؤں کا نام ہے گاؤں بحرین سے، اسی طرح ہے وکیع کی روایت میں ابن طہمان سے نزدیک ابوداؤد کے، اور اس کے ساتھ امام شافعی اور امام احمد اور [امام] اسحاق نے گاؤں میں جمعہ پڑھنے کی دلیل پکڑی ہے۔ (۲)

فائدہ: ابوداؤد کی حدیث جو اوپر مذکور ہوئی، وکیع اس کا راوی ہے اور وہ اس حدیث کی یہ تفسیر کرتا ہے کہ جواثی گاؤں ہے۔ اور قسطلانی شرح صحیح بخاری (۳) میں ہے کہ کہا [امام] نوویؒ نے کہ مذہب امام شافعی اور محقق اصولیین [کا] یہ ہے کہ راوی کی تحقیق تفسیر مقدم ہے جس وقت کہ ظاہر کے مخالف نہ ہو، اس سے بھی معلوم ہوا کہ

(۱) اور لفظ ابوداود کے ہیں، یہ حدیث بخاری چھاپہ احمدی میرٹھ، صفحہ ۱۲۲ا ر میں اور ابوداؤد جو ۱۲۷۳ھ دہلی میں چھاپا گیا، اس کے صفحہ ۱۵۲/ میں ہے۔ منہ۔ ترجمۂ حدیث میں بعض کلمات کو بدل کر اس کے مرادف الفاظ رکھے گئے ہیں۔ م ن ن) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوٰة، باب تفريع أبواب الجمعة، باب الجمعة في القرىٰ، رقم: ١٠٦٨ / صحيح البخاري، كتاب الصلاة، أبواب الجمعة، باب الجمعة في القرىٰ والمدن، رقم: ٨٥٢، كتاب المغازي، باب وفد عبد القيس، رقم: ٤١١٣، دار السلام، الرياض

(٢) حواشي الشيخ محمد مظهر النانوتوي على المؤطا للامام مالك بن أنس نقلاً عن المحلىٰ للشيخ المحدث سلام الله الحنفي الدهلوي، ما جاء في الامام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ٣٧، المكتبة الاشرفية بديوبند، الهند

(٣) ارشاد السارى شرح البخاري للامام القسطلاني، كتاب البيوع، باب بيع الملامسة: ٤/٦٣، الطبعة السادسة، ١٣٢٣ه، المطبعة الأميرية الكبرىٰ، قال النووي: ومذهب الشافعي ومحققي الأصوليين أن تفسير الراوي مقدم اذا لم يخالف الظاهر

جوائی گاؤں ہے، شہر نہیں۔

واللّٰہ أعلم، حرره الراجی عفو ربه المتین محمد أمین حسني الحسیني، تجاوز اللّٰہ عن ذنبه الدقیق والسمین.

متعدد جمعہ وعیدین

سوال: کیا فرماتے علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کہ جس مقام میں قبریں متعدد ہوں اور بخوبی معلوم نہ ہو کہ قبرستان قدیم یا عیدگاہ ہے، کیونکہ دونوں کا ثبوت علی التساوی ہے۔

پس [۱] اولاً بسبب قبور کے کہ مقتدی وہاں کے داہنے بائیں (اور) آگے پڑھتے ہیں اور ایسا مقام لائق مصلی کے موافق حدیثوں کے وکتب فقہ کے نہیں ہے۔

[۲] دوئم: بوجہ عذرات شرعیہ کے کہ ہر طرح سے فساد دینی ودنیوی وہاں ہوئے، اور ابھی موجود ہیں، بباعث ان وجوہات کے اگر کوئی مقتدا سے مصلی میں واسطے ادائے صلوٰۃ عیدین نہ جاوے، اوران کے ہمراہ بکثرت آدمی ہیں، کہ کسی مسجد میں اندر شہر کے نہ جاویں، اور بحالت مجبوری دوسری طرف جا کر جہاں کسی نوع کا نقص دینی ودنیوی نہیں ہے، ادائے صلاۃ عیدین کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

درصورت ثانیہ کہ نماز جمعہ جو نص قطعی سے ثبوت ہے یعنی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾(۱)

اس کے لیے علماء مخالف ہیں، بعض کہتے [ہیں کہ] ہر شہر میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نماز درست نہیں، جیسا کہ مذہب حنفی میں حضرت [ابو] یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ [اس کے قائل ہیں] اور [بعض] موافق [ہیں، جیسا کہ] حضرت امام محمد رحمہ اللہ: ایک شہر میں متعدد نماز جمعہ جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ پس جیسا بسبب عذر کے نماز فریضہ میں

---

(۱) الجمعة: ۹

تعدد ہوسکتا ہے کہ جس پر فتویٰ ہو چکا ہے، تو اس نمازِ عیدین میں کہ جس کے وجوب میں علماء مخالف ہیں بباعث نقصانات شرعیہ تعدد جائز ہو جاوے گا، یا پھر گونہ تعدد نمازِ عیدین کا جائز ہوتا، کتب فقہ مثل الدر المختار وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے، یعنی:

ولو أمكنه الذهاب الى امام آخر، فعل. لأنها تودى لمصر واحد بمواضع كثيرة.(۱)

نمازِ عیدین میں تو مصلیٰ اسی کو کہتے ہیں کہ جہاں صلوٰۃ عیدین ادا کریں، خواہ میدان ہو یا مسجد یا عیدگاہ، یا نہیں یا جب خارج مسجد ہوگا اور میدان میں جا کر عمارت تعمیر کرنے سے مصلیٰ ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

(مرسلہ: مولوی محمد یحیٰ نگرامیؒ، از سلون)

هو المصوب

جواب: لاریب اس مسئلہ میں کہ قبرستان میں نماز مکروہ ہے، (اور) ہرگاہ کہ روبرو قبر ہوگی بدرجۂ اولیٰ مکروہ [ہوگی]۔ باقی یہ مسئلہ مشتبہ ہوا کہ شک ہے آیا گورستان ہے یا عیدگاہ، ہرگاہ سابق سے نمازِ عیدین ہوتی چلی آئی، (اور) عیدگاہ مشہور ہے۔ "لا يحكم بالمقبرة" پس حکم نہ دیا جائے گا ساتھ قبرستان کے جیسا کہ اصول فقہ سے معلوم ہوتا ہے:

اليقين لا يزول بالشك.(۲)

مصلیٰ [عیدگاہ] کی علامت ہونی چاہیے، تاکہ متعارف و مشتہر رہے، واسطے جمعیت واجتماع ناس کے۔ كما في البخاري:

قيل له، أشهدتَ العيدَ مع النبي صلى الله عليه وسلم. قال:

---

(۱)الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين ۲/۱۷۶

(۲)الأشباه والنظائر لابن نجيم، القاعدة الثانية للفن الأول:۷۵، تحقيق: عبد الكريم الفضيلي، الطبعة الأولىٰ ۱۴۱۸ھ– ۱۹۹۸م، المكتبة العصرية. غمز عيون البصائر للحموي:۱/ ۱۹۳، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، باكستان، ۱۴۰۹ھ– ۱۹۸۸م

نـعـم، ولـو لا مـكانی من الصغر ما شهدته، خرج حتیٰ أتی العلَم الذی عند دار كثير بن الصلت.(١)

قـال: يـعـنـی قـال القسطلاني: والدار المذكورة بعد العهد النبوي، وانما عرف المصلی لشهرتها.(٢) انتهیٰ.

خروج الی المصلیٰ سنت مؤکدہ (اور) تعدد مصلیٰ غیر ثابت، اگرچہ تعدد صلوٰۃ جائز [ہے]۔ كما نقل المجيب فی جوابه من الدر المختار.(٣)

وفـی الـظهيـرية: فـان صلّوا فی مساجد المصر من غير عذر جازت صلاتهم، و تركوا [السنة]. هذا هو الصحيح.(٤)

وفی الخلاصة والخانية: السنة أن يخرج الامام الی الجبانة، ويستـخـلف غيره ليصلّی فی المصر بالضعفاء بناءً علی أن صلاة العيدين فی الموضعين جائزة بالاتفاق.(٥)انتهیٰ.

اجتماع واژدہام خاص وعام نماز عیدین، مدنظر وپیش بصر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ كما ورد فی الحديث:

---

(١) صـحيح البخاری، كتاب العيدين، باب العلم الذی بالمصلیٰ، رقم:٩٧٧، كتاب الاعتـصـام، بـاب مـا ذكـر الـنبي صـلـی الله عـليـه وسـلـم وحض علی اتفاق أهل العلم......الخ، رقم:٧٣٢٥

(٢) ارشـاد الـسـاری لـلـقسـطـلاني، كتـاب الـعيدين، باب موعظة الامام النساء يوم العيد:٢/ ٢٢١

(٣) كتاب الصلاة، باب العيدين:٣/ ٤٩، دار الكتب العلمية بيروت

(٤) عـمـدة الـرعاية مع شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب العيدين:١/ ١٩٢، مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ، ١٣١٤ھ-١٩٢٢ء

(٥) رد الـمـحتـار مـع الدر، كتاب الصلاة، باب العيدين:٣/ ٤٩، دار الكتب العلمية، الـفتاویٰ العالمگيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر فی صلاة العيدين:١/ ١٥٠، مـكتبة زكـريـا ديـوبـنـد، عـمـدة الـرعـاية مع شرح الوقـاية، كتـاب الصلاة، بـاب العيدين:١/ ١٩٢، مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ

أمرنا أن نخرج، فتخرج الحيض والعواتق وذوات الخدور.

وفی روایة أخریٰ: لتخرج العواتق و ذوات الخدور.(۱)

پس پھر بتقدیر مفارقت امام ومقتدی مع جماعت کثیرہ خوف وعید تفرق بالجماعہ کیا جاتا ہے۔جیسا کہ وارد ہے:

من شذّ شذّ فی النار.(۲)

ودیگر حدیث وعید کی منقول وموجود ہے، بوجہ اس کے مقتدی کو خوف وخشیت الٰہی مقدم ہوئے، ونظر ﴿قَوْلاً لَّيِّناً﴾ (۳) پر رکھ کر ﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ (٤) کی راہ سے ایک مصلّٰی پر ایک جماعت کے ساتھ پڑھے، ومقولہ عوام کو جو شامل تشنیع ہوں بفوائے آیت کریمہ ﴿وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَاماً﴾ (٥) ممانعت بلا مصلحت شرعیہ ہرگز ہرگز نہ رکھے، ومانع مصداق اس کا آیت کریمہ ﴿أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ☆ عَبْداً إِذَا صَلَّىٰ﴾ (٦) و جملہ منہیات سے احتراز و پرہیز میں جمیع مؤمنین کو شریک رکھے (اور) کرے، تا اتحاد بالجماعت متصور رہے۔ فقط

واللّٰہ أعلم بالصواب، وعنده أم الکتاب، حرره الراجی عفو ربه المتین محمد أمین حسنی الحسینی النصیر آبادی، تجاوز اللّٰہ عن ذنبه الخفی والمبین.

---

(۱)صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب اعتزال الحیّض المصلی، رقم:۹۸۱، باب اذا لم یکن لها جلباب فی العید، رقم:۹۸۰، کتاب الحیض باب شهود العیدین ودعوة المسلمین، ویعتزلن المصلیٰ، رقم:۳۲٤، وکتاب الحج باب تقضی الحائض المناسك کلها الا الطواف بالبیت، رقم:۱٦٥۲

(۲)سنن الترمذی، أبواب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعة، رقم:۲۱٦۷، مشکاة المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، رقم:۱٦٤

(۳)طه: ٤٤ ترجمہ:-[نرم گفتگو]

(٤)النحل: ۱۲٥ [اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلاتے رہیے]

(٥)الفرقان: ۷۲ [اور جب لغویات کے پاس سے گزرتے ہیں تو شریفانہ گزر جاتے ہیں]

(٦)العلق: ۹-۱۰ [آپ نے اس کو دیکھا جو روکتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے]

جمعہ سے پہلے اور بعد کی سنتیں؟

سوال: کاشف دقائق فروع واصول، واقف حقائق معقول ومنقول، مجمع الفضائل، منبع الفواضل، رہنمائے دین متین، جناب مولانا سید امین صاحب ادام اللہ فیضہٗ۔

پس از سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، التماس یہ ہے کہ نماز جمعہ کی نیت میں بہت اختلاف ہے، لہٰذا مکلف آں ذات فیض سمات ہوں کہ فرض جمعہ کے قبل جو چار رکعت سنت پڑھی جاتی ہیں اور دو رکعت فرض جمعہ اور بعد فرض کے جو چار رکعت (اور) بعد چار کے جو دو رکعت پڑھی جاتی ہیں۔ ان سب کے طریقۂ نیت سے آگاہ کیا جاؤں تا کہ اطمینان حاصل ہو زیادہ۔

(سردار حسین پسر الطاف حسین وکیل، از چنار گڑھ ضلع مرزاپور، المرقوم ۱۱ر ستمبر ۹۷ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم- نحمدہ و نصلی علی رسول اللہ

بخلیق ولئیق سعید وحمید حافظ میر سردار حسین صاحب، سلمہ ربہ، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مسرت نامہ مشتمل در ذکر مسئلہ شرعیہ پہونچا، مسرور فرمایا، اللہ تعالیٰ خوش وخرم رکھے، آمین۔ حسب ایماء سعادتمند کے جواب مرقوم ہوتا ہے، فقط، زیادہ، والسلام سنت الاسلام۔

هو المصوب(۱)

جواب: جمعہ کی نیت فرض کہ جو بہ تخصیص کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور در باب سنت قبل جمعہ کے مولانا بحر العلوم [عبد العلی فرنگی محلی] رسائل الأرکان

(۱) جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعات پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، اور جمعہ کے بعد چار رکعت سنت مؤکدہ ہیں اور اس کے بعد دو رکعت سنت غیر مؤکدہ ہیں۔ درمختار میں ہے: وأربع قبل الجمعة وأربع بعدها بتسليمة. اور غنیۃ میں ہے: وعند أبي يوسف السنة بعد الجمعة ست ركعات، وهو مروى عن علي (رضي الله عنه) والأفضل أن يصلي أربعاً ثم ركعتين للخروج عن الخلاف

میں فرماتے ہیں:

وأما راتبة الجمعة فقبلها أربع ركعات و بعدها أربع ركعات عند أئمتنا الثلاثة، وزاد الامام أبو يوسف اثنتين بعد الأربع التي بعدها، أما الأربع التي قبلها فلأن الأربعة التي قبل الظهر صلاة واظب عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم لما أنها يفتح بعد الزوال أبواب السماء وفي يوم الجمعة هذا الفتح متحقق بل أكد، فيكون الجمعة أيضاً أحق بهذه الأربع ولم يطرأ عليه مزيل، ولم يقم بدل كما قام في مقام الظهر الخطبة وصلاة الجمعة، وأما كون المواظبة لفتح أبواب السماء، فلما روى عبد الله بن السائب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي أربعاً بعد الزوال قبل الظهر، قال: انها ساعة يفتح فيها أبواب السماء، وأحب أن يصعد لي فيها عمل صالح. رواه الترمذي (۱). انتهیٰ.

[اور جہاں تک جمعہ کی سنن راتبہ کی بات ہے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چار رکعات قبلیہ ہیں اور فرض کے بعد چار ہیں، امام ابو یوسف نے بعد کے چار میں دو کا اضافہ کیا ہے۔ چار رکعات قبلیہ کا تعلق ہے تو یہ ظہر سے پہلے وہ چار ہیں جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی فرمائی ہیں، اس لیے کہ زوال کے بعد آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور جمعہ کے دن اس کا کھولنا یقینی ہے بلکہ زیادہ مؤکد ہے، چنانچہ جمعہ بھی ان چار رکعات کا زیادہ مستحق ہے، اس کو زائل کرنے والا بھی نہیں، اور نہ اس کا بدل ہے، جیسا کہ ظہر کی جگہ

---

(۱) جامع الترمذي، أبواب الوتر، باب ما جاء في الصلوٰة عند الزوال، رقم: ۴۷۸۔ دار السلام الرياض

نماز جمعہ اور خطبہ (دونوں) ہیں، اور آسمان کے دروازے کھولنے کی وجہ سے مواظبت کی جہاں تک بات ہے، تو اس روایت کی وجہ سے ہے جو حضرت عبداللہ بن السائب سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زوال کے بعد ظہر سے قبل چار رکعات نماز پڑھتے تھے۔ نیز فرمایا: بیشک یہ ایک ایسا وقت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور میں چاہتا ہوں کہ اس وقت میں میرے لیے نیک عمل اوپر (اللہ تعالیٰ کے پاس) پہنچے]

لیکن چار [رکعات ہیں] بعد جمعہ کے۔ فکما أخرجه مسلم فی صحیحه:

عن أبی هريرة، اذا صلى أحدكم الجمعة فليصل بعدها أربعاً. (۱)

وفی رواية: اذا صليتم بعد الجمعة فصلوا أربعاً. (۲)

وفی رواية: من كان منكم مصلياً بعد الجمعة فليصل أربعاً. (۳)

وفی رواية: أنه صلى الله عليه وسلم كان يصلى بعدها ركعتين. (٤) انتهى.

[امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ سے حدیث کی تخریج کی

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، رقم: ۸۸۱۔ دار السلام الرياض

(۲) صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، رقم: ۸۸۱۔ دار السلام الرياض

(۳) صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، رقم: ۸۸۱۔ جامع الترمذي، أبواب الجمعة، باب ما جاء فی الصلاة قبل الجمعة وبعدها، رقم: ۵۲۳۔ دار السلام الرياض

(٤) صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، رقم: ۸۸۲۔ جامع الترمذي، أبواب الجمعة، باب ما جاء فی الصلاة قبل الجمعة وبعدها، رقم: ۵۲۱۔ دار السلام الرياض

ہے کہ تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز پڑھے تو اس کے بعد چار رکعات (سنت) پڑھے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب جمعہ کے بعد نماز پڑھو تو چار رکعات پڑھو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ تم میں سے جو کوئی جمعہ کے بعد نماز پڑھے تو چار رکعات پڑھے۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد دو رکعات پڑھتے تھے]۔

وفي النووي شرح صحيح مسلم: في هذه الأحاديث استحباب سنة الجمعة بعدها والحث عليها، وان أقلها ركعتين وأكملها أربع، فنبه النبي صلى الله عليه وسلم بقوله؛ اذا صلى أحدكم بعد الجمعة فليصل بعدها أربعاً، على الحث عليها، فأتى بصيغة الأمر، و نبه بقوله صلى الله عليه وسلم من كان مصلياً على أنها سنة ليست بواجبة، وذكر الأربع لفضيلتها، وقبل الركعتين في أوقات بياناً، لأن أقلها ركعتان.(۱) انتهىٰ.

[نووی شرح مسلم میں ہے کہ ان احادیث میں جمعہ کے بعد کی سنت کا استحباب بیان ہے اور اس پر ابھارنا اور شوق دلاتا ہے، کہ کم از کم رکعت دو ہیں اور کامل چار رکعات ہیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول کے ذریعہ آگاہ کیا "اذا صلى أحدكم بعد الجمعة فليصل بعدها أربعا" اس پر ابھارنے کے لیے صیغہ امر استعمال فرمایا، اور اس قول "من كان مصلياً" کے ذریعہ یہ بھی بتا

(۱) المنهاج شرح صحيح مسلم للنووي، ٤/١٨٩-١٩٠ ـ دار التراث العربي، بيروت

دیا کہ یہ سنت ہے، واجب نہیں۔ اس کی فضیلت کی وجہ سے چار کا ذکر کیا ہے، اور دو رکعت سے قبل مختلف وقتوں میں (عمل کا) بیان ہے، اور اس لیے کہ اقل رکعت دو ہیں]۔

وأخرج الترمذي عن عطاء، قال: رأيت ابن عمر صلى بعد الجمعة ركعتين ثم صلى [بعد ذلك] أربعاً. (١) انتهىٰ. فأخذ أبو يوسف الركعتين بفعل ابن عمر۔ كذا قال بحر العلوم [عبد العلي اللكناوي] في رسائل الأركان. (٢) والله أعلم بالصواب.

[امام ترمذی نے حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ آپؓ نے جمعہ کے بعد دو رکعت نماز پڑھی اور اس کے بعد چار رکعات نماز پڑھی۔ بس امام ابو یوسف نے حضرت ابن عمر کے فعل کو اپنایا۔ اسی طرح بحر العلوم علامہ عبد العلی لکھنویؒ نے اپنی کتاب ''رسائل الارکان'' میں بیان فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب]۔

خطبہ کے دوران سلام وکلام اور سنت پڑھنا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین چو مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جب خطیب خطبہ پڑھنا شروع کرے، یا مؤذن اذان کہے، ان دونوں وقتوں میں کسی کو السلام علیکم آواز سے خواہ اشارہ سے کرنا یا جواب سلام دینا درست ہے یا نہیں؟

دیگر [یہ ہے کہ] اگر روز جمعہ خطیب نے خطبہ پڑھنا شروع کیا اور کوئی مقتدی

(١) جامع الترمذي، أبواب الجمعة، باب ما جاء في الصلاة قبل الجمعة وبعدها، رقم: ٥٢٣۔ دار السلام الرياض

(٢) رسائل الأركان، كتاب الصلاة، فصل في النوافل من الصلوات: ٢٥٢، مطبع سعيدي كولكاته

بعد کو پہنچا تو اس وقت میں چار رکعت سنت قبل جمعہ کے، خطبہ پڑھتے وقت پڑھ لیوے یا اول خطبہ سن کر خطبہ ثانی کے وقت پڑھے یا بعد نماز فرض کے پڑھے؟ فقط

هو الموفق

جواب: جب خطیب خطبہ پڑھنا شروع کرے [تو] خاموش رہے اور خطبہ سنے۔ کما فی الحدیث:

اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة انصت، والامام يخطب فقد لغوت. أخرجه الشيخان عن أبي هريرة رضي الله عنه. (۱) انتهىٰ.

یا دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے جیسا کہ حدیث میں وارد [ہے] مسلم میں [حضرت] جابرؓ سے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اذا جاء أحدكم يوم الجمعة، والامام يخطب، فليركع ركعتين وليتجوز فيهما. (۲) انتهىٰ.

اور چار رکعت نہ وقت خطبہ اول، نہ ثانی اور مؤذن جب اذان کہتا ہو تو جواب اذان دیوے۔ (۳) جیسا کہ حدیث میں وارد [ہے]

(۱) صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الانصات يوم الجمعة والامام يخطب، رقم: ۹۳۴، صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب فى الانصات يوم الجمعة فى الخطبة، رقم: ۸۵۱، سنن ابى داؤد، كتاب الصلاة، باب تفريع ابواب الجمعة، باب الكلام والامام يخطب، رقم: ۱۱۱۲، سنن ابن ماجة، ابواب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فى الاستماع للخطبة والانصات لها، رقم: ۱۱۱۰

(۲) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التحية والامام يخطب، رقم: ۸۷۵، صحيح البخاري، كتاب التهجد، باب ما جاء فى التطوع مثنىٰ مثنىٰ، رقم: ۱۱۷۰، سنن ابى داؤد، كتاب الصلاة، باب تفريع ابواب الجمعة، باب اذا دخل الرجل والامام يخطب، رقم: ۱۱۱۷

(۳) خطبہ کی اذان کا جواب دینا اور اس کے بعد دعا مانگنا جو اذان کے بعد ہوتی ہے، اس بارے میں علماء وفقہائے اسلام کی رائے مختلف ہے.......... باقی اگلے صفحہ پر......

"فقولوا مثل ما يقول". كذا في مسلم.(۱)

والله أعلم وعلمه أتم وأحكم. حرّره محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه. فقط

میت مشکل میں تجہیز و تکفین کا شرعی حکم؟

سوال: چہ می فرمانید علماء دین دریں مسئلہ کہ شخصے از اہل اسلام وشخصے از اہل کفر در جائی بآتش افتند وسوختند کہ امتیازے درآں کساں باقی نماند، پس بچہ طور در تجہیز و تکفین ودر ہمہ احکام میت کردہ آید، وبکدام وجہ تعیین لاش دراں شخصان سوختہ نمودہ شود؟ بینوا بحوالة الكتاب توجروا بيوم الحساب، فقط۔

............بقیہ حاشیہ......اس سلسلہ میں اصح قول یہی ہے کہ اذان کا جواب دینا، اور بعد اذان دعا مانگنا دونوں مکروہ ہیں، کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ

"اذا خرج الامام للخطبة فلا صلوٰة ولا كلام"

اوراسی طرح دوسری حدیث میں ہے

"من قال لغيره انصت والامام يخطب، فقد لغا"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوران خطبہ دوسرے کو خاموشی کا حکم کرنا ممنوع ہے، اور پہلی حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ خطبہ جمعہ کے لیے جب امام نکلے تو ہر قسم کی نماز اور ہر طرح کا کام منع ہے، انصات (خاموشی) کے ساتھ خطبہ سننا لازمی ہے، اسی دوران خطبہ تلاوت قرآن، تسبیح وتہلیل اور تحمید وغیرہ سب ممنوع ہیں۔ الدرالمختار شرح تنویرالابصار میں ہے:

واجابته الأذان حينئذٍ مكروه.

فتاویٰ شامی میں علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے:

كل ما حرم في الصلوٰة حرم في الخطبة يحرم أكل وشرب وكلام ولو تسبيحاً ورد سلام أو أمراً بمعروف، الا من الخطيب لأن الأمر بالمعروف منها بلا فرق بين قريب وبعيد في الأصح

(۱) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن......الخ، رقم: ۳۸۳، صحيح البخاري، كتاب الاذان، باب ما يقول اذا سمع، رقم: ۶۱۱، ۳۶۱۴، جامع الترمذي، ابواب الصلاة، باب ما يقول الرجل اذا أذّن المؤذن، رقم: ۲۰۸

[کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلم شخص اور ایک کافر دونوں ایک ہی جگہ آگ سے جل گئے، اور اب دونوں میں کچھ فرق نہیں رہا، اب تجہیز و تکفین اور جملہ احکام میت کس طور پر انجام دیں؟ اور ان دونوں کی لاش کی تعیین کس طرح ہوگی؟ کتاب کے حوالے ساتھ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں اور روز محشر اجر کے مستحق ہوں، فقط]۔

هو المصوب

جواب: دریں صورت ہر دو غسل دادہ شوند مثل غسل سائر اموات و در باب دفن وصلوٰۃ جنازہ اختلاف است۔ در غنیۃ شرح منیہ می آرد:

اذا اختلط موتى المسلمين وموتى المشركين، فان وجدت علامة عمل بها، وان لم توجد علامة، وكان المسلمون أكثر، غسل الكل، وصلى عليهم، وينوى المسلمين، وان كان الكفار أكثر، غسلوا ولم يصل عليهم، وان كانوا سواءً، قيل يصلى عليهم، وقيل: لا.

وأما الدفن قيل: يدفنون فى مقابر المسلمين، وقيل: فى مقابر المشركين، وقيل: تتخذ لهم مقابر على حدة، وتسوى قبورهم، ولا تسنم. انتهىٰ.(۱)

و در حلیہ شرح منیہ می نویسد:

فينبغى الصلوٰة عليهم فى الأحوال الثلاث، وبه قالت الأئمة الثلاثة، وهو أوجه.(۲) انتهىٰ.

---

(۱) غنية المستملى شرح منية المصلى، كتاب الجنائز: ٦٠٦، مطبوعہ در سعادت باب عالی جادۂ سندھ، کتب خانہ جہاں نومرو

(۲) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الجنائز، مطلب فى حديث كل سبب ونسب منقطع الا سببى ونسبى: ۱/۵۷۷، دار الطباعة المصرية، ۱۲۷۲ هجرية

[ان دونوں کو تمام اموات کے غسل دینے کی طرح غسل دیا جائے،
دفن اور نماز جنازہ میں اختلاف ہے۔ چنانچہ غنیۃ شرح منیہ میں ہے
کہ جب مسلمانوں اور کافروں کی لاشیں خلط ملط ہو جائیں، تو اگر
کوئی علامت (نشان) پائی جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا، اور اگر
مسلمان زیادہ ہوں تو سب کو غسل دیا جائے گا، اور سب کی نماز جنازہ
پڑھی جائے گی، اور مسلمانوں کے لیے نیت کر لی جائے گی۔
اگر کافر زیادہ ہوں تو سب کو غسل دیا جائے گا، نماز نہیں پڑھی جائے
گی۔ اور اگر دونوں برابر اور یکساں ہوں تو کہا گیا ہے کہ نماز پڑھی
جائے گی، اور یہ بھی کہا گیا کہ نماز نہیں پڑھی جائے گی۔
جہاں تک دفن کی بات ہے تو اس میں یہ منقول ہے کہ مسلمانوں کی
قبرستان میں دفن کیئے جائیں گے، اور یہ بھی منقول ہے کہ مشرکین کے
گورستان میں مدفون ہوں گے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ الگ سے ان کی
قبریں بنائی جائیں گی اور پھر قبریں (لاشیں دفن ہونے کے بعد) برابر
ہموار کر دی جائیں گی، اونچی کوہان کی طرح نہیں کی جائیں گی۔
حلیہ شرح منیہ میں ہے کہ تینوں حالتوں (حالت اکثریت اہل اسلام،
اکثریت کفار، اور برابری واستواء کی حالت) میں ان کی نماز پڑھنی
چاہیے، ائمہ ثلاثہ نے یہی فرمایا ہے، اور یہی درست ہے]۔
واللہ أعلم، حرره الراجي عفو ربه القوي أبو الحسنات محمد عبد
الحي تجاوز الله عن ذنبه الجلي والخفي [مہر]۔

کتاب الزکوٰۃ

زیور کی زکوۃ

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زیور استعمالی پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کا جزء فروخت کرکے ادا کی جائے یا علاحدہ سے اس کی قیمت کا حساب کرکے دی جاوے؟ اور یہ بھی [بتائیں] کہ زیور کو وزن کراکے موافق نرخ کی قیمت لگا کر دیوے یا انداز[ہ] کرکے اس کی زکوۃ دیوے؟ مثلاً ......۵۰/کا زیور مالیت میں ہے جس کا زید کو علم ہے تو جس قدر......۵۰/ پر زکوۃ ہو، اس سے زائد دیوے یا خواہ مخواہ وزن زیور کا کیا جاوے؟۔

اور یہ بھی دریافت طلب ہے کہ مثلاً......۵۰/خواہ......۶۰/کا زیور ہے، زکوۃ مع کثرات کے محسوب کی جاوے گی یا نہیں؟ اور تا بقائے زیور زکوۃ دینا چاہیے یا صرف ایک ہی سال؟ اور جن سالوں کی زکوۃ ادا نہیں ہے، وہ ادا کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور لباس قیمتی مثلاً گوٹہ وغیرہ لگا ہوا ہے، یا ریشمی یا زرروزی یا دوشالہ ہو، اور نیز ظروف نقرئی و طلائی جو استعمال میں رہتے ہیں اور خود نصاب تک پہونچے، اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اور کل مال جس پر زکوۃ واجب ہو چکی، خیرات کردے تو زکوۃ ساقط ہو جائے گی یا واجب الادا؟ بینوا بالکتاب [والسنۃ] توجروا الیٰ یوم الحساب، انتہیٰ۔

هو المصوب

جواب: زیور استعمالی پر زکوۃ واجب ہے۔ کما فی الهداية:

وفی تبر الذهب والفضة وحليهما وأوانيهما الزكاة. (۱) انتهیٰ.
و[فی] شرح الوقاية: وفی معموله وتبره وعرض تجارة قيمته نصاب من أحدهما مقوماً بالأنفع للفقراء ربع عشر. (۲) كما ورد فی الحديث: "أنّ امرأتين أتتا رسولَ اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم، وفی أيديهما سِواران من ذهبٍ. فقال لهما: أتؤدّيان زكوٰته؟ قالتا: لا. فقال لهما رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أتحبّان أن يُسَوّر كما اللّٰه بسِوارَين من نارٍ؟ قالتا: لا. قال: فأدّيَا زكاتَه". (۳) انتهیٰ.

[ہدایہ میں ہے: بغیر ڈھلے ہوئے سونے اور چاندی کے ٹکڑوں، اور ان کے زیورات، اور ان کے برتنوں میں زکوٰۃ ہے۔ شرح الوقایہ میں ہے کہ سونے، چاندی سے بنائی ہوئی چیزوں، اور غیر مضروب سونے چاندی کے ٹکڑوں، اور سامان تجارت جن کی قیمت دونوں (سونے اور چاندی) میں سے کسی ایک سے جو فقراء کے لیے زیادہ نفع بخش ہو، نصاب کو پہنچتا ہو، وہ چالیسواں حصہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ دو خواتین حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور ان

---

(۱) الهداية مع الدراية، كتاب الزكاة، باب زكوٰة المال، فصل فی الذهب: ۱/۱۹۵، زکریا کتب خانہ جیسور چوراستہ بنگلہ دیش، بلا سنہ طباعت

(۲) وقاية الرواية بشرح الوقاية مع عمدة الرعاية للامام اللكناوي، كتاب الزكاة، بيان نصاب الذهب والفضة: ۱/۲۲۹، مکتبہ تھانوی دیوبند، باہتمام وقار علی بن مختار علی، بلا سنہ طباعت، شرح الوقایہ مع حاشیۂ علامہ ملا حسن چلپی: ۶۹، مطبوعہ منشی نول کشور لکھنؤ

(۳) جامع الترمذی، أبواب الزكاة، باب ما جاء فی زكاة الحلي، رقم: ۶۳۷، دار السلام الرياض، مطبع مجتبائی دہلی: ۱/۸۱، باہتمام مولوی عبد العلیم خلف الرشید مولوی عبد الاحد مرحوم۔ شرح السنة للبغوي، كتاب الزكاة، باب زكاة الحلي: ۲۸/۴، [رقم: ۱۵۸۳] دار الفكر بيروت، ۱۴۲۶ھ-۲۰۰۵ء

دونوں کے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن تھے، پس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان دونوں سے فرمایا کہ کیا تم نے ان کی زکوٰۃ نکال دی؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان دونوں سے فرمایا: کیا تم پسند کرتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو آگ کے کنگن پہنائے۔]

چالیسواں جزء دینا چاہیے، خواہ اس میں سے، خواہ علاحدہ سے اس کی قیمت دیدے۔ کما فی الھدایة:

انّ أخذ القیمة فی باب الزکاة جائز.(۱)

[ترجمہ: ہدایہ میں ہے: بلاشبہ زکوٰۃ کے باب میں قیمت لینا بھی جائز ہے] انتہیٰ.

اور عموم قول اللہ تعالیٰ: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا﴾(۲) بھی دال ہے۔ وفی الکفایة:

ھو اسم للقدر الذی یخرج الی الفقیر.(۳)

موافق نرخ کر کے لگا کر دیوے۔

"من کل مأتی درهمٍ خمسة دراهم".(٤) هکذا فی الحدیث.

---

(۱) الھدایة مع الدرایة لابن حجر، کتاب الزکاة، باب صدقة السوائم، فصل فی الفصلان والحملان والعجاجیل صدقة: ۱۹۲/۱، زکریا کتب خانہ جیسور چوراستہ بنگلہ دیش، بلاسنہ طباعت

(۲) (التوبة: ۱۰۳) ترجمہ:- آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے لیجئے، آپ ان کو اس کے ذریعہ پاک کردیں گے، اور ان کا تزکیہ کردیں گے۔

(۳) الکفایة شرح الھدایة مع فتح القدیر، کتاب الزکوٰة: ۱۱۲/۱، دار احیاء التراث العربی بیروت

(٤) کتاب الآثار للامام أبی یوسف، باب الزکاة، رقم: ٤۲۹، تحقیق: الأستاذ أبو الوفاء النعمانی، دار الکتب العلمیة بیروت، اس مفہوم کی کتب صحاح میں متعدد روایات ہیں، مثلاً لیس فیما دون خمسة أواق صدقة، نصب الرایة، کتاب الزکاة، باب زکاة المال: ۳۷٤/۲، طبع اول ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳ء، مکتبة دار الایمان سهارن فور، الهند

[ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم نکالے جائیں گے۔ اسی طرح

حدیث میں وارد ہے۔]

تا بقائے کل مال سالانہ زکوۃ ہے، ساتھ کثرات کے، بشرطیکہ خمس نصاب کو

پہونچے۔ کما فی شرح الوقایة:

اعلم أن الزكاة لا تجب على الكسور عندنا الا اذا بلغ

خمس النصاب.(۱) انتهیٰ.

وجاء فی الحدیث: لیس فیما دون الأربعین صدقة.(۲)

وفی الهدایة: لا شیءَ فی الزیادة حتیٰ تبلغ أربعین.(۳) انتهیٰ.

[شرح الوقایہ میں ہے: جان لو کہ یقیناً زکوۃ ہمارے نزدیک کسور

(ٹکڑوں) میں اس وقت تک واجب نہیں ہوتی جب تک کہ نصاب

کے خمس تک نہ پہنچے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ چالیس سے کم

میں زکوۃ نہیں ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ زیادہ میں زکوۃ نہیں ہے یہاں

تک کہ چالیس (درہم) کو پہنچے۔]

اور مال موجود جس کی زکوۃ باوجود وجوب کے سال گذشتہ میں نہیں ادا کیا، ادا

کرے، واجب ہے۔ هكذا فی كتب الفقه. (اور) ظروف نقرئی وطلائی پر زکوۃ

---

(۱) شرح الوقاية مع عمدة الرعاية، كتاب الزكوة باب زكاة الأموال: ۱/۲۲۰، مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ [۱۳۴۱ھ-۱۹۲۲ء] باہتمام مولانا ابو الفیض محمد یوسف انصاری فرنگی محلیؒ، شرح الوقایہ مع حاشیہ ملا حسن چلپی: ۶۹، مطبوعہ منشی نول کشور لکھنؤ

(۲) نصب الراية فی تخريج أحاديث الهداية، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۷۷، مكتبة دار الايمان سهارن فور، [طبع اول، ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳ء] الدراية لابن حجر، كتاب الزكاة، باب صدقة السوائم، فصل فی الفصلان والحملان والعجاجيل صدقة: ۱/۱۹۵، زکریا کتب خانہ جیسور چوراستہ بنگلہ دیش، بلا سنہ طباعت

(۳) الهداية مع تعليقات العلامة اللكناوي، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، فصل فی الفضة: ۱/۱۷۶، مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ ۱۳۵۲ھ

ہے۔(۱) کما مرّ سَابقاً آنفاً۔

اور لباس استعمالی اگرچہ قیمتی ہو، زکوٰۃ نہیں۔ کما فی الدر المختار:

لا فی ثیاب البدن وأثاث المنزل ودور السکنیٰ۔(۲) انتھیٰ۔

[درمختار میں ہے کہ پہننے کے کپڑے، گھر کے سامان اور رہنے کے گھروں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔]

اور اگر کل مال جس پر زکوٰۃ واجب ہو چکی، خیرات کر دے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ کما فی شرح الوقایۃ:

ان تصدق بجمیع مالہ بلا نیۃ الزکوٰۃ، تسقط الزکوٰۃ۔ (۳) انتھیٰ۔

[شرح الوقایہ میں ہے کہ اگر کل مال زکوٰۃ کی نیت کے بغیر صدقہ کر دے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔]

واللّٰہ أعلم بالصواب، وعندہ أم الکتاب، والیہ المرجع والمآب۔

حرّرہ الراجی عفو ربہ المتین محمد أمین حسني الحسیني تجاوز اللّٰہ عن ذنبہ الخفي والجلي۔ فقط

ہر سال زکوٰۃ نکالنا؟

سوال: اگر کسی کے پاس پانچ سو روپیہ (۵۰۰) ہے، ساڑھے بارہ روپیہ اس کی

(۱) مختصر القدوري، مع الکوکب الدري للأستاذ عبد المعید الدیوبندي، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ الفضۃ والذھب: ۵۱، المطبع المجیدي ببلدۃ کان فور

(۲) الدر المختار مع کشف الأستار للشیخ نظام الدین الکیرانوي، کتاب الزکاۃ: ۱/۱۲۹، [سن طباعت ۱۳۴۱ھ-۱۹۲۲ء] مطبع مجتبائی دہلی، الدر مع الرد: ۳/۱۸۳، طبع ثانی ۲۰۰۳ء-۱۴۲۴ھ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

(۳) شرح الوقایۃ مع عمدۃ الرعایۃ، کتاب الزکوٰۃ باب زکاۃ الأموال: ۱/۲۲۱، مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ [۱۳۴۱ھ-۱۹۲۲ء] باہتمام مولانا ابوالفیض محمد یوسف انصاری فرنگی محلیؒ، شرح الوقایہ مع حاشیہ چلپی: ۶۵، مطبوعہ منشی نول کشور لکھنؤ

زکوٰۃ نکال دیا، بعد کو روپیہ تجارت میں لگایا، بعد نفع تجارت، دوسرے سال زکوٰۃ دینا ہوگی یا نہیں؟ (اور) اگر زکوٰۃ دے کر روپیہ دفن کر دیا اس خیال سے کہ دس برس یا بیس برس دفینہ میں رکھیں گے، کام میں نہیں لاویں گے، مثلاً دس برس دفینہ رہا، تو دس سال کی زکوٰۃ لگے گی یا نہیں؟

هو الموفق

جواب: ہر سال زکوٰۃ دینا ہوگا۔ جو نفع تجارت میں حاصل کیا مع منافع کے دوسرے سال زکوٰۃ دینا پڑے گا، بشرطیکہ چالیس درہم کو پہونچے، زیادتی نزدیک امام ابوحنیفہؒ۔ اور صاحبین [امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ] کے نزدیک جس مقدار [سے] ہو، حساب سے زیادتی [کے] زکوٰۃ دی جائے گی۔ ہدایہ میں ہے:

ولا بدّ من الحول، لأنّه لا بدّ من مدة يتحقّق فيها النماءُ، وقدّرها الشرع بالحول، لقوله صلّى الله عليه وسلّم "لا زكاة في مال حتىٰ يحول عليه الحول" (رواه ابن ماجة عن عائشة رضي الله عنها). ولأنه المتمكّن به من الاستنماء لاشتماله على الفصول المختلفة والغالب تفاوت الأسعار فيها، فأدير الحكم عليه.(١)

[ایک سال کا ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ ایک ایسی مدت درکار ہے جس میں نمو و اضافہ ہو، شریعت نے اس کی تقدیر سال سے کی ہے، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی مال میں زکوٰۃ نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر سال گذر جائے"، امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ بلاشبہ ایک سال کی مدت میں نمو اور اضافہ ممکن ہے، کیونکہ وہ مختلف فصلوں

(١) الهداية مع حواشي العلامة اللكنوي، كتاب الزكاة: ١٦٨/١، مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ، سن طباعت ۱۳۲۵ھ

پر مشتمل ہے، اور اکثر وبیشتر اس مدت میں نرخ متفاوت ہوتا ہے، اس لیے حکم کو سال پر دائر کر دیا گیا۔]

عنایہ میں ہے:

فأدير الحكم عليه يعني يكون الاعتبار به دون حقيقة الاستنماء، حتىٰ اذا ظهر النماء أو لم يظهر، تجب الزكاة (بحولان الحول). انتهىٰ(۱)

[ادیر الحکم علیہ کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت نمو واضافہ کے بجائے سال کا اعتبار ہے، یہاں تک کہ اس میں نمو ظاہر ہو یا نہ ہو، زکوٰۃ (سال گذرنے کی وجہ سے) واجب ہوتی ہے]

کفایہ میں ہے:

وسببها المال، لأنّها تضاف اليه، وتتكرر بتكرره. انتهىٰ(۲)

[اور اس کا سبب مال ہے، اس لیے کہ زکوٰۃ کی اضافت مال کی طرف ہے، اور مال کے تکرار سے زکوٰۃ بھی بار بار ادا کی جائے گی]

درمختار میں ہے:

ولو للتجمل والنفقة، لأنهما خلقاً أثماناً، فيزكّيهما كيف كانا. انتهىٰ(۳)

[اگرچہ وہ تجمل وخوبصورتی اور نفقہ کے لیے ہو، اس لیے کہ یہ اثمان خلقیہ ہیں، پس دونوں کی زکوٰۃ نکالے گا چاہے، کیسے بھی ہوں]

---

(۱) العناية على الهداية، كتاب الزكاة:۲/۱۱٤، دار احياء التراث العربي بيروت

(۲) الكفاية على الهداية مع فتح القدير، كتاب الزكاة:۲/۱۱٤، دار احياء التراث العربي بيروت

(۳) الدر المختار مع الرد، كتاب الزكاة، باب زكاة المال:۳/۲۲۷، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية ۱٤۲٤ھ-۲۰۰۳م

اسی ہدایہ میں ہے:

ولا شيء في الزيادة حتىٰ تبلغ أربعين [درهماً]، فيكون فيها درهم، ثم في كل أربعين درهماً درهم، وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله، وقالا: ما زاد على الأربعين فزكاته بحسابها، وهو قول الشافعي رحمه الله، لقوله عليه السلام في حديث علي رضي الله عنه: وما زاد على المائتين فبحسابه. انتهىٰ.(۱)

[زیادہ میں کچھ نہیں یہاں تک کہ چالیس درہم کو پہونچ جائے، پھر ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہے، اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، صاحبین نے کہا کہ جو چالیس پر زیادہ ہو تو اس کی زکوٰۃ اس کے حساب سے ہے، یہی امام شافعیؒ کا قول ہے، اس حدیث کی وجہ سے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جو دو سو درہم سے زائد ہو تو (اس کی زکوٰۃ) اس کے حساب سے ہے]۔

والله أعلم، وعلمه أتم وأحكم، نقمه عبده المدعو بمحمد أمين حسني الحسيني، سترعيوبه وغفر ذنوبه.

(۱) الهداية مع حواشي العلامة اللكناوي، كتاب الزكوٰة، باب زكوٰة المال: ۱/۱۷۶، مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ، سن طباعت ۱۳۲۵ھ

کتاب الصوم

رؤیت ہلال

السوال: بسم الله الرحمن الرحيم، ماقولكم (متع الله المسلمين بعلومكم) في اختلاف رؤية الهلال في هلال عيد الفطرحين غم، انه اذا ورد في بلدة تلغراف زائد على الخمسة الى العشرة من بلدة أو بلاد متباينة مختلفة المطالع ومتفقها على رجل أو رجال، مكتوب فيه: رأينا أو رأي عندنا الهلال، أو ذكر فيه كلمة على حسب اصطلاح وقع بين الطرفين بأنه اذا نرى الهلال نذكر كلمة مثلاً بغداد، ليأمن من التخليط والتغيير والاشتباه. فمنهم من يقول بالتعويل على هذا الخبر مستدلاً بأنه خبر مستفيض، والخبر المستفيض يعول عليه في أمر الهلال.

فقد ذكر في الدر المختار: نعم لو استفاض الخبر من البلدة لزمهم على الصحيح من المذهب. وقال ابن عابدين في حاشيته ناقلاً عن شمس الأئمة الحلوائي: الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر اذا استفاض وتحقق فيما بين أهل البلدة الأخرى يلزمهم حكم هذه البلدة على أنه يفيد غلبة الظن لا سيما متعدداً، وغلبة الظن موجبة للعمل، وخالفهم آخرون وقالوا: لا يعول على هذا الخبر مع تسليم استفاضته وشيوعه بوجوه.

امّا (أولاً) فلأنه يشترط في الخبر المستفيض الاسلام لأن أهل

الأصول عدده في الأخبار الأحاد، والخبر الواحد لا يقبل الا بنقل عدل، والعدل مأخوذ في تعريفه الاسلام كما لا يخفىٰ. قال ابن عابدين في رد المحتار: في عدم اشتراط الاسلام نظر، لأنه ليس المراد هنا بالجمع العظيم ما يبلغ مبلغ التواتر الموجب للعلم القطعي، حتى لا يشترط له ذلك بل ما يوجب غلبة الظن كما يأتي، وعدم اشتراط الاسلام له لا بدّ له من نقل صريح. انتهىٰ

وخبر التلغراف انما يتلقّاه من مخبره من هو قائم بدقّ السلك ونقره، فيخبر به من كان في الجانب الآخر بنقراته، فيستنبط منها هذا الخبر ويكتبه ويؤيّد به الى من ضرب له التلغراف، وهؤلاء غالبهم من المخالفين لملة الاسلام.

(وثانياً) فلأن الخبر المستفيض انما يكون حجة لكونه نقلاً عن قضاء القاضي وحكمه، كما قال ابن عابدين في حاشيته على الدر: أنّ هذه الاستفاضة ليس فيها شهادة على قضاء قاض، ولا [على] شهادة، لكن لما كانت بمنزلة الخبر الواحد، وقد ثبت بها أن أهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها، لأن البلدة لا تخلو عن حاكم شرعي [عادة]، فلا بدّ من أن يكون صومهم مبنياً على حكم حاكمهم الشرعي، فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور. انتهىٰ

ولا يخفى عليكم أن هذه البلاد ليس فيها حاكم شرعي ولا قاض، فلا يكون الحكم المستفاد من التلغراف نقلاً عن قضاء القاضي وحكمه، بل انّما هو حكاية عن الرواية، والاعتماد عليها لا يجوز. كما في الدر: لا، لو شهدوا برؤية غيرهم لأنه حكاية. قال ابن عابدين: فانّهم لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم، وانّما حكوا رؤية غيرهم. كذا في فتح القدير.

قلت: وكذا لو شهدوا برؤية غيرهم وان قاضي تلك المصر أمر الناس بصوم رمضان لأنه حكاية لفعل القاضى أيضاً، وليس بحجة بخلاف قضائه. وقال فى البحر: لو شهد جماعة أن أهل بلد كذا رأوا هلال رمضان قبلكم بيوم، فصاموا وهذا اليوم ثلاثون بحسابهم، ولم يروا هؤلاء الهلال، لا يباح فطر [غد، ولا تترك] التراويح هذه الليلة لأن هذه الجماعة لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم، وانّما حكوا رؤية غيرهم.

...... ان المراد بالاستفاضة تواتر الخبر من الواردين من بلدة الثبوت. ولا أظنكم شاكين أن الخبر...... لثبوت بل من جهة الكتاب المكتوب على التلغراف المعهود بين أهله.

[ثالثاً] وقد ذكر الفقهاء أن كتاب الشهادة ...... بما فيه من الشهادة، فى الهداية: لا يقبل الكتاب الا بشهادة رجلين أو رجل وامرأتين لأن الكتاب يشبه الكتاب، فلا يثبت الا بحجة تامة، وهذا لأنه ملزم، لابدّ من الحجة.

(رابعاً) فلأنّ العوام يثقون فى معاملتهم بالتلغراف لكن الحكومة البرطانيّة مع مخالفتها للديانة الاسلامية لا تعتمد عليه فى أمر الشهادة، ولعلّ ذلك بسبب احتمال تطرق الخطاء اليه وعدم الانكشاف التام عن أحوال الشهود به والتنقب عن كيفية شهادتهم، وهذا اذا كان التلغراف زائداً على الخمسة الى العشرة، وامّا اذا كان واحداً فى هلال رمضان واثنين فى الفطر وقد غم الهلال، فهل يكفى كفاية الواحد العدل فى رمضان، والحرين العدلين فى الفطر؟ وهل يقاس الكتاب المرسل بالواسطة على التلغراف فيما ذكر من الصور؟ وهل ينزل امام الجامع أو غيره منزلة القاضى فى القضاء بثبوت الهلال خاصةً بتراضى المسلمين فى بلاد، لا يوجد فيها الحاكم الشرعي ولا القاضى؟ فما كان الحق عندكم،

أفيدوه بالتي تطمئن بها القلوب، وتثلج بها الصدور لزوال النزاع من البين، ويتيسر العمل بالصحيح من القولين، ولكم الحسنىٰ والزيادة.

کتبه/ عبد الحي عفي عنه، خطيب جامع رنگون

[ترجمہ: آپ عید الفطر میں چاند کے مستور ہونے کی صورت میں رویت ہلال کے اختلاف میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شہر میں پانچ پر سے زائد ٹیلی گراف ایک دوسرے شہر یا الگ الگ مختلف المطالع اور متحد المطالع شہروں سے ایک یا متعدد لوگوں کو موصول ہو، جس میں لکھا ہوا ہو کہ ہم نے چاند دیکھا، یا ہمارے یہاں چاند دیکھا گیا، یا طرفین میں مستعمل اصطلاح کے مطابق کسی ایسے لفظ کا اس طرح ذکر کرے کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تو ہم کوئی لفظ ذکر کر دیں مثلاً بغداد، تا کہ خلط ملط ہونے، تغیر وتبدل اور اشتباہ ہونے سے محفوظ رہے۔

جو لوگ اس خبر پر اعتماد کے سبب استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ خبر مستفیض ہے، اور خبر مستفیض پر چاند کے معاملہ میں اعتماد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے: ہاں! جب شہر سے خبر پھیل جائے تو ان پر مسلک [حنفی] میں صحیح قول کی بنیاد پر لازم ہے۔ علامہ ابن عابدین نے "حاشیۂ درمختار" میں شمس الائمہ حلوائی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: ہمارے اصحاب کے مسلک میں صحیح یہ ہے کہ خبر جب پھیل جائے اور دوسرے شہر میں اس کا تحقق ہو جائے تو ان لوگوں پر اس شہر کا حکم لازم ہے کیونکہ غلبۂ ظن کے لیے مفید ہے بالخصوص جبکہ متعدد ہوں، اور غلبۂ ظن عمل کو واجب کرتا ہے۔ دوسرے لوگوں نے ان سے اختلاف کیا اور یہ کہا ہے: اس خبر پر اس کے عام ہونے اور شیوع کے باوجود چند اسباب کی وجہ سے اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(۱) خبر مستفیض میں اسلام (مسلمان ہونا) شرط ہے، اور اہل اصول نے بھی اس کو اخبار آحاد میں شمار کیا ہے، خبر واحد صرف ایک عادل شخص کے نقل کرنے سے مقبول ہوگی۔ اور عدل کی تعریف میں اسلام ماخوذ ہے جیسا کہ یہ غیر مخفی ہے۔ علامہ ابن عابدین نے "رد المحتار" میں فرمایا کہ اسلام کو مشروط نہ کرنے میں قابل غور پہلو ہے اس لیے کہ یہاں جمع عظیم سے مراد وہ ہے کہ تواتر کی اس حد تک پہنچے جو علم قطعی کا موجب ہے، جبکہ یہ اس کے لیے شرط نہیں ہے، بلکہ غلبہ ظن کو واجب کرے، جیسا کہ یہ بات آگے آئے گی۔ اس کے لیے مسلمان ہونے کی شرط معدوم ہے، اس کے لیے صریح نقل کرنا ضروری ہے۔

ٹیلی گراف کی خبر اپنے اس خبر دینے والے سے حاصل کرتا ہے جو تار چلانے اور نقطے کندہ کرنے والا ہے، وہ اپنے نقطے سے دوسری طرف رہنے والے کو خبر دیتا ہے، اور دوسرا شخص اس سے یہ خبر مستنبط کرتا ہے اور وہ اس کو لکھتا ہے اور اس کی تائید کرتا ہے جس نے اس کو ٹیلی گراف بھیجا ہے، اور ان میں سے اکثر لوگ ملت اسلام کے مخالفین ہیں۔

(۲) خبر مستفیض قضائے قاضی اور اس کے حکم سے منقول ہونے کے سبب حجت اور دلیل ہوتی ہے۔ علامہ ابن عابدین نے "در مختار" کے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے: اس استفاضہ میں قضائے قاضی پر کوئی شہادت نہیں ہے اور نہ شہادت علی الشہادۃ ہے۔ لیکن جب کہ یہ خبر واحد کے درجہ میں ہے، اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس شہر کے باشندگان نے فلاں دن روزہ رکھا تو اس پر عمل لازم ہے۔ کیونکہ کوئی بھی شہر عام طور پر حاکم شرعی سے خالی نہیں ہوتا ہے، چنانچہ ضروری ہے کہ ان کا روزہ ان کے حاکم شرعی کے حکم پر مبنی ہو، تو یہ استفاضہ حکم

مذکور کی نقل کے درجہ میں ہے۔

یہ بات آپ پر مخفی نہیں ہے کہ اس ملک یا شہر میں نہ کوئی حاکم شرعی ہے اور نہ قاضی ہے، اور ٹیلی گراف سے مستفاد حکم قضائے قاضی اور اس کے حکم سے منقول نہیں مانا جائے گا، بلکہ یہ روایت کی حکایت ہے، اور اس پر اعتماد اور اعتبار جائز نہیں ہوگا، جیسا کہ ''در [مختار شرح تنویر الابصار]'' میں ہے: ''درست نہیں ہے، اگر وہ دوسروں کی رویت پر گواہی دیں، اس لیے کہ یہ حکایت ہے۔ علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے: ان لوگوں نے رویت کی نہ گواہی دی ہیں اور نہ دوسروں کی گواہی پر گواہی دیں، انہوں نے تو دوسروں کی رویت کی حکایت کی ہے۔ کذا فی فتح القدیر۔

میرا کہنا ہے: اور اسی طرح وہ اگر دوسروں کی رویت کی شہادت دیں، اور اس شہر کے قاضی نے لوگوں کو صیام رمضان کا حکم دیا ہے، اس لیے کہ یہ بھی قاضی کے فعل کی حکایت ہے، اور یہ اس کے فیصلہ کے برخلاف دلیل نہیں ہے۔ بحر [شرح کنز الدقائق] میں فرمایا ہے: اگر چند لوگوں نے گواہی دی کہ فلاں شہر کے باشندگان نے ہلالِ رمضان تم سے ایک دن پہلے دیکھا ہے، اور روزہ رکھا، اور یہ ان کے حساب سے تیسواں دن ہے، اور انہوں نے چاند نہیں دیکھا، آئندہ کل کو روزہ کھولنا درست (مباح) نہیں ہے، اور اس رات کو تراویح ترک نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ ان لوگوں نے رویت کی گواہی نہیں دی، اور نہ دوسروں کی گواہی پر گواہی دی، بلکہ انہوں نے تو دوسروں کی رویت کی حکایت کی ہے۔

استفاضہ کا مطلب، ثبوت ہلال کے شہر سے آنے والوں سے خبر کا

تواتر ہے۔ اور میں شکایت کرتے گمان کرتا ہوں کہ یہ خبر..........
ثبوت کے لیے ہے، بلکہ (یہ خبر) ٹیلی گراف دہندوں کے درمیان
متعہود طریقہ وعلامت پر مکتوب خط کی جانب سے ہے۔
(۳) فقہائے کرام نے ذکر کیا ہے کہ شہادت کا بیان......جس میں
شہادت سے متعلق مباحث ہیں۔ ہدایہ میں ہے: مکتوب قبول نہیں کیا
جائے گا مگر دو آدمیوں یا ایک آدمی اور دو عورت کی شہادت کے، اس
لیے کہ خط ایک دوسرے خط کے مشابہ ہوتا ہے، چنانچہ دلیل تام سے
خط ثابت ہوگا، اور یہ اس لیے کہ یہ امر لازم ہے، دلیل وحجت کا قیام
ضروری ہے۔
(۴) عوام اپنے معاملوں میں ٹیلی گراف پر اعتماد کرتے ہیں، لیکن
حکومت برطانیہ مذہب اسلام سے اپنی عداوت ومخالفت کے ساتھ
شہادت کے معاملہ میں اس پر اعتماد اور اعتبار نہیں کرتی ہے، اور شاید
یہ اس میں خطاء کی راہ پانے کے امکان کے سبب ہے، اور اس کی
شہادت کے احوال اور ان کی کیفیتِ شہادت کی عدم تحقیق کی بناء پر
ہے۔ اور یہ مسئلہ اس وقت ہے جب ٹیلی گراف کی تعداد پانچ پر سے
زائد ہو کر دس تک ہو، اور ہلال رمضان میں جب ایک ہی ہو اور
افطار میں دو ہو اور ساتھ ہی چاند مستور ہو تو کیا رمضان میں ایک
عادل کی اور افطار میں دو آزاد عادل شخصوں کی گواہی کافی ہوگی؟ اور
کیا مذکورہ صورتوں میں ٹیلی گراف پر بالواسطہ مرسل خط کو قیاس کیا
جائے گا، کیا جامع مسجد کا امام یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ایسے
شہروں میں اہل اسلام کی آپسی رضامندی سے خاص طور پر ثبوت
ہلال کے بارے میں فیصلہ کرنے میں قاضی کے درجہ میں ہوگا جہاں

حاکم شرعی اور قاضی موجود نہ ہوں؟ آپ کے نزدیک کیا حق ہے؟
اس کے بارے میں اس طرح بیان کریں کہ دلوں کو اطمینان
ہوجائے، اور سینے پگھل جائیں تاکہ آپس سے نزاع اور اختلاف دور
ہوجائے، اور دونوں قول میں سے صحیح پر عمل آسان ہوجائے]۔

هو الملهم للحق و الصواب

الجواب: لا يحكم ببلوغ الخبر بمجرد الكتاب المرسل، ولا يقاس عليه في الصور المسطورة، ولم ينزل امام المسجد الجامع منزلة القاضي به، ولا ينفذ الحكم على التلغراف أي المستفاد منه حتى يشهد الشاهدان عليه بطريق موجب. في رد المحتار:

كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر. (١) انتهى.

وفيه أيضاً:

فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب. (٢) انتهى.

وفيه أيضاً:

شهدوا أنه شهد عند قاضي مصر كذا شاهدان برؤية الهلال في ليلة كذا، وقضى القاضي به جاز لهذا القاضي أن يحكم بشهادتهما لأن قضاء القاضي حجة، وقد شهدوا به، لا، لو

(١) رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصوم: ٣/٣٦٤، دار الكتب العلمية، بيروت ١٤٢٤ھ- ٢٠٠٣م، الطبعة الثانية، كشف الأستار مع الدر للكيرانوي: ١/١٤٩، المطبع المجتبائي بدهلي، ١٣٣١ھ-١٩١٣م

(٢) نفس المصدر السابق، كتاب الصوم: ٣/٣٥٩، كشف الأستار عن الدر للكيرانوي: ١/١٤٩، المطبع المجتبائي بدهلي، ١٣٣١ھ-١٩١٣م

شهدوا برؤية غيرهم لأنه حكاية. نعم لو استفاض الخبر في البلدة الأخرىٰ لزمهم على الصحيح من المذهب.(١)

وفي رد المحتار على الدر المختار:

ومعنى الاستفاضة أن تأتي من تلك البلدة جماعات متعددون، كل منهم يُخْبِر عن تلك البلدة أنهم صاموا عن رؤية، لا مجرد الشيوع من غير علم بمن أشاعه.(٢)انتهىٰ.

وهل دريتم في اختلاف المطالع وهل فطنتم ماذا عبرة له أو لا عبرة له في مسافة بعيدة على مراحل مزيدة بمسيرة شهر أو كثيرة أو قليلة؟ فاختلف الفقهاء الحنفية على أقوال شتىٰ. فتعالوا هنا وأتوا الينا في مراقي الفلاح:

اذا ثبت الهلال في بلدة [و مطلع قطرها] لزم سائر الناس في ظاهر الرواية، وعليه الفتوىٰ، وهو قول أكثر المشائخ، فيلزم قضاء يوم على أهل بلدة، صاموا تسعة وعشرين يوماً لعموم الخطاب "صوموا لرؤيته" وقيل يختلف ثبوته باختلاف المطالع.(٣)انتهىٰ.

وفي الفتاوى التاتارخانيّة:

---

(١)الدر المختار مع الرد، كتاب الصوم:٣/٣٥٨-٣٥٩،دار الكتب العلمية بيروت ١٤٢٤ه- ٢٠٠٣م، الطبعة الثانية، كشف الأستار عن الدر للكيرانوي:١/١٤٩، المطبع المجتبائي بدهلي، ١٣٣١ه-١٩١٣م

(٢)رد المحتار مع الدر، كتاب الصوم:٣/٣٥٩، دار الكتب العلمية بيروت ١٤٢٤ه- ٢٠٠٣م، الطبعة الثانية، كشف الأستار عن الدر للكيرانوي:١/١٤٩، المطبع المجتبائي بدهلي، ١٣٣١ه-١٩١٣م

(٣)مراقي الفلاح مع حاشية الامام محمد بن أحمد الطحطاوي، كتاب الصوم:٦٥٦، مكتبة شيخ الهند بديوبند، ضبط وتصحيح: الشيخ محمد عبد العزيز الخالدي، الطبعة الأولىٰ، ١٤٢٨ه- ٢٠٠٧م

> أهل بلدة رأوا الهلال، هل يلزمه [ذلك] فی حق کل بلدة [أخریٰ]؟ اختلف [المشائخ] فیه، بعضهم قالوا: لا يلزم [ذلك]، فانّما المعتبر فی حق أهل بلدة رؤيتهم.(۱)

وفی الخانية:

> لا عبرة باختلاف المطالع [فی ظاهر الرواية].(۲)

ومعناه اذا رأی الهلال أهل بلدة ولم يره أهل بلدة أخریٰ، يجب أن يصوموا برؤية أولئك كيف ما كان على قول لا عبرة باختلاف المطالع، وعلى قول من اعتبره ينظر، فان كان بينهما تقارب بحيث لا تختلف المطالع يجب، وان كان يختلف لا يجب، وأكثر المشائخ على أنه لا يعتبر. انتهیٰ.

وفی القدوري:

> اذا كان بين البلدتين تفاوت لا يختلف به المطالع لزم [حكم احدى البلدتين البلدة الأخریٰ، فأما اذا كان تفاوت يختلف المطالع لا يلزم حكم احدى البلدتين البلدة الأخریٰ]. وذكر [الشيخ الامام] شمس الأئمة الحلواني: انه الصحيح من مذهب أصحابنا [أن الخبر اذا استفاض وتحقق فيما بين أهل احدى البلدتين يلزمهم حكم أهل

---

(۱) الفتاوی التاتارخانية للعلامة الفقيه عالم بن العلاء الدهلوي الهندي (المتوفی ۷۸٦هجرية)، كتاب الصوم، الفصل الثانی فيما يتعلق برؤية الهلال:۲/۹۵، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولیٰ ۱٤۲٦ه-۲۰۰۵م

(۲) الفتاوی الخانية على هامش الفتاویٰ الهندية، كتاب الصوم، الفصل الأول فی رؤية الهلال ومن يجب عليه الصوم ومن لا يجب:۱/۱۹۸، مكتبة زكريا بديوبند، الهند، بدون السنة والتاريخ

هذه البلدة].(۱)انتهیٰ.

وفی صحیح مسلم حدیث کریب:

أن أم الفضل بنت الحارث بعثته الی معاویة بالشام، قال: فقدمت الشام، فقضیت حاجتها، واستُهِلّ عليّ [هلال] رمضان وأنا بالشام، فرأیت الهلال لیلة الجمعة، ثم قدمت المدینة فی آخر الشهر، فسألنی عبد اللّٰه بن عباس [رضي اللّٰه عنهما] ثم ذکر الهلال، فقال: متیٰ رأیتم الهلال؟ فقلت: رأیناه لیلة الجمعة، فقال: أنت رأیته؟ فقلت: نعم، ورآه الناس وصاموا وصام معاویة رضي اللّٰه عنه، فقال: لکنّا رأیناه لیلة السبت، فلا نزال نصوم حتیٰ نکمل ثلاثین أو نراه، فقلت: ألا تکتفی برؤیة معاویة وصیامه؟ فقال: لا هکذا أمرنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم.انتهیٰ. وقد أخرج الترمذي هذه الروایة فی جامعه.(۲)

وفی الکفایة شرح الهدایة:

---

(۱)یہ عبارت امام قدوریؒ کی متداول اور درس نظامی و درسگاہ ندوہ کے نصابی کتاب "مختصر القدوری" میں نہیں ہے، اس کا امکان ہے کہ ان کی دوسری کسی کتاب میں یہی عبارت بعینہٖ موجود ہو، البتہ یہ عبارت امام فریدالدین عالم بن العلاء الدہلوی ہندیؒ کی کتاب "فتاویٰ تاتارخانیہ" میں ہے: الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصوم، الفصل الثانی فی رؤیة الهلال:۲/۹۵-۹۶، دار الکتب العلمیة بیروت، ۱٤۲٦ه-۲۰۰۵م الطبعة الأولیٰ. :۳/۳٦۵-۳٦٦، مکتبة زکریا العلمیة بدیوبند،۱٤۳۱ه-۲۰۱۰م الطبعة الأولیٰ، ترتیب وتعلیق: الأستاذ شبیر أحمد القاسمي

(۲)صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب بیان أن لکل بلد رؤیتهم، وأنهم اذا رأوا الهلال ببلد لا یثبت حکمه لم بعد عنهم، رقم:۱۰۸۷، جامع الترمذی، أبواب الصوم، باب ما جاء لکل بلد رؤیتهم، رقم:٦۹۳، وقال الامام الترمذی: حدیث ابن عباس حدیث حسن صحیح غریب، والعمل علی هذا الحدیث عند أهل الحدیث أن لکل أهل بلد رؤیتهم

أهل بلدة رأوا الهلال هل يلزم ذلك فی حق بلدة أخرىٰ، اختلف فيه؛ وفی ظاهر الرواية: لا عبرة باختلاف المطالع. (۱)انتهىٰ.

وفی الفتاوی العالمگيرية [الشهيرة بالهندية]:

لا عبرة لاختلاف المطالع فی ظاهر الرواية، كذا فی فتاوی قاضيخان وعليه فتوى الفقيه أبی الليث، و[به] كان يفتی شمس الأئمة الحلوائي قال: لو رأى أهل مغرب هلال رمضان يجب الصوم على أهل المشرق، كذا فی الخلاصة. (۲)

وفی الدر المختار:

فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب. (۳)انتهىٰ.

وفی رد المحتار على قوله:

بطريق موجب، كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضی أو يستفيض الخبر. (٤)انتهىٰ.

وفی الدر المختار:

لو استفاض الخبر فی البلدة الأخرىٰ لزمهم على الصحيح

---

(۱)الكفاية شرح الهداية مع فتح القدير:۲/۲۵۲، دار احياء التراث العربی بيروت، سنة الطباعة ۱۳٤۵هجرية

(۲)الفتاوی العالمگيرية مع الخانية و البزازية، كتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤية الهلال:۱/۱۹۸-۱۹۹، مكتبة زكريا بديوبند، بدون السنة والتاريخ

(۳)الدر المختار مع الرد، كتاب الصوم:۳/۳٦٤، دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية ۱٤۲٤ھ-۲۰۰۳م، كشف الأستار مع الدر:۱/ ۱٤۹، المطبع المجتبائی ببلدة دهلی، الهند، ۱۳۳۱ھ- ۱۹۱۳م

(٤)رد المحتار، كتاب الصوم:۳/۳٦٤، دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية ۱٤۲٤ھ-۲۰۰۳م

من المذهب.(١)انتهیٰ.

وقال فی رد المحتار علی هذا القول عن الذخیرة: قال شمس الأئمة الحلوائي:

الصحیح من مذهب أصحابنا أن الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین أهل البلدة الأخریٰ یلزمهم حکم هذه البلدة. انتهیٰ.
مثله فی الشرنبلالیّة عن المغنی، قلت: ووجه الاستدراك أن هذه الاستفاضة لیس فیها شهادة علی قضاء قاضٍ ولا علی شهادة لکن لما کانت بمنزلة الخبر المتواتر، وقد ثبت لها أن أهل تلك البلدة صاموا یوم کذا لزم العمل بها.(٢)انتهیٰ.

فعلیٰ هذا یکون التلغراف والکتاب المرسل علی نهج الاستفاضة لازم العمل، وبدونه لا.

والله أعلم وعلمه أتم وأحکم، حرره الراجی عفو ربه المتین محمد أمین حسني الحسیني تجاوز الله عن ذنبه الدقیق والسمین.

[جواب: محض ارسال کردہ مکتوب کی خبر کے موصول ہونے سے حکم نہیں دیا جائے گا، اور تحریر کردہ صورتوں میں اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا، جامع مسجد کا امام قاضی کے مرتبہ میں نہیں ہوگا، اور ٹیلی گراف سے موصول خبر پر حکم کا نفاذ نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ بطریق موجب اس پر دو آدمی گواہی دیں، "رد المحتار" میں ہے کہ دو آدمی گواہی اٹھائیں یا قاضی کے فیصلہ پر دو شخص شہادت دیں یا

(١)الدر المختار مع الرد، کتاب الصوم:٣/٣٥٩، دار الکتب العلمیة بیروت،الطبعة الثانیة ١٤٢٤ھ-٢٠٠٣م. وکشف الأستار مع الدر، کتاب الصوم:١/ ١٤٩، المطبع المجتبائی بدهلی، ١٣٣١ھ- ١٩١٣م

(٢)رد المحتار مع الدر شرح تنویر الأبصار، کتاب الصوم ٣/٣٥٩، دار الکتب العلمیة بیروت،الطبعة الثانیة ١٤٢٤ھ-٢٠٠٣م

خبر عام (مستفیض) ہوجائے۔ اور اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ اہل مغرب کی رؤیت سے اہل مشرق پر لازم ہوجاتا ہے جب ان کے نزدیک ان لوگوں کی رؤیت بطریق موجب ثابت ہوجائے۔

اور اسی (کتاب) میں ہے کہ لوگوں نے یہ گواہی دی کہ فلاں شہر کے قاضی کے پاس دو گواہوں نے فلاں رات میں ہلال کی رؤیت کی گواہی دی، اور قاضی نے اس پر فیصلہ صادر کیا، تو اس قاضی کے لیے جائز ہے کہ وہ ان دونوں کی شہادت پر فیصلہ کرے، کیونکہ قاضی کا فیصلہ حجت و دلیل ہے، اور ان لوگوں نے گواہی دی ہیں۔ درست نہیں ہے اگر وہ لوگ دوسروں کی رؤیت کی گواہی دیں کیونکہ (اس وقت) یہ حکایت ہے۔ ہاں اگر دوسرے شہر میں خبر پھیل جائے تو مذہب کے صحیح قول کے مطابق ان پر لازم ہوگا۔

"رد المحتار" میں ہے: استفاضہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد لوگ آئیں اور ہر کوئی یہ خبر دے کہ ان لوگوں نے رؤیت پر روزہ رکھا ہے، نہ کہ محض شیوع خبر پر اس آدمی کے علم کے بغیر کہ جس نے اس کو عام کیا ہے۔

کیا آپ کو اختلاف مطالع کے بارے میں علم ہے؟ اور کیا آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا اعتبار ہے یا نہیں مسافت بعیدہ میں جو کہ ایک ماہ کے چلنے کی مسافت سے زیادہ دور ہو یا زیادہ یا کم؟ تو معلوم ہونا چاہیے کہ متعدد اقوال کی بنا پر فقہائے احناف نے اختلاف کیا ہے، "مراقی الفلاح" میں لکھا ہے کہ جب ایک شہر اور اس کے ملک کے مطلع میں ہلال ثابت ہوجائے ظاہر الروایہ کے مطابق تمام لوگوں پر (روزہ) لازم ہوگا، اسی پر فتویٰ ہے، اور یہ اکثر مشائخ کا قول ہے۔ باشندگان شہر پر ایک دن کا قضا روزہ لازم ہوگا، کیونکہ انہوں نے عموم خطاب "صوموا

لـرؤيتـه" کی وجہ سے انتیس دن روزے رکھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا ثبوت مطلعوں کے اختلاف سے ساتھ مختلف ہوگا۔

"فتاویٰ تاتارخانیہ" میں ہے کہ شہر والوں نے ہلال دیکھا، تو کیا یہ ہر دوسرے شہر کے حق میں لازم ہوگا؟ مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے، بعض نے کہا ہے کہ لازم نہیں ہوگا، کیونکہ شہر والوں کے حق میں اس کی رویت معتبر ہے۔ اور "فتاویٰ خانیہ" میں ہے کہ "ظاہر الروایہ" میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل شہر نے چاند دیکھا اور دوسرے شہر والوں نے نہیں دیکھا تو ان کی رویت ہلال کی وجہ سے "اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں" قول کی بنیاد پر جس طرح سے بھی ہو، ان لوگوں کو روزہ رکھنا واجب ہوگا، اس آدمی کے قول کی بنا پر جس نے اس کو معتبر مانا ہے، دیکھا جائے گا، اگر ان دونوں میں اس طور پر قربت پائی جاتی ہو کہ مطالع مختلف نہیں ہوتے تو واجب ہوگا، اور اختلاف مطالع ہو تو واجب نہیں ہوگا، اور اکثر مشائخ اس پر قائم ہیں کہ (اختلاف مطالع) معتبر نہیں ہے۔ "قدوری" میں ہے کہ جب دو شہروں میں اگر اتنا تفاوت ہو کہ جس سے مطالع مختلف نہیں ہوتے تو ایک شہر کا حکم دوسرے شہر پر لازم ہوگا، اگر ایسا تفاوت ہے کہ مطالع کا اختلاف پایا جاتا ہے تو ایک شہر کا حکم دوسرے شہر پر لازم نہیں ہوگا۔ اور شمس الائمہ امام حلوائی نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے اصحاب کے مذہب میں صحیح یہی ہے کہ اگر خبر عام ہو جائے دونوں شہروں میں سے ایک شہر کے رہنے والوں کے درمیان میں متحقق ہو جائے تو اس شہر والوں کا حکم اُن پر لازم ہو جائے گا۔

"صحیح مسلم" میں حدیث کریب ہے کہ ام الفضل بنت الحارث نے کریب کو حضرت معاویہؓ کے پاس شام بھیجا، انہوں نے کہا کہ میں شام آیا اور ان کا کام پورا کرلیا، اور رمضان کا چاند نکل آیا در آنحالیکہ میں

ابھی شام میں ہی تھا، میں نے جمعہ کی رات میں چاند دیکھا، مہینہ کے اخیر میں مدینہ آیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے پوچھا پھر چاند کا ذکر کیا، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ تم نے چاند کب دیکھا؟ میں نے جواب میں کہا کہ ہم نے جمعہ کی رات میں دیکھا تھا۔ آپؓ نے فرمایا کہ کیا تم نے چاند دیکھا تھا؟ میں نے کہا: ہاں، اور لوگوں نے بھی دیکھا ہے، اور ان لوگوں نے روزہ رکھا اور حضرت معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا، انہوں (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما) نے فرمایا کہ ہم نے ہفتہ کی رات کو چاند دیکھا تھا، مسلسل روزہ رکھ کر تیس دن مکمل کریں گے، یا چاند دیکھ لیں گے۔ میں نے کہا کہ حضرت معاویہؓ کی رویت اور ان کے روزہ پر آپ اکتفا کیوں نہیں کرتے؟ آپؓ نے فرمایا: نہیں، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے۔

"کفایہ شرح ہدایہ" میں ہے کہ شہر والوں نے چاند دیکھا تو کیا یہ دوسرے شہر کے حق میں لازم ہوگا؟ اس میں اختلاف ہے، "ظاہر الروایہ" میں ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے۔ فتاویٰ عالم گیری میں ہے کہ اختلاف مطالع کا ظاہر الروایہ میں اعتبار نہیں ہے۔ یہی مسئلہ "فتاویٰ قاضی خان" میں ہے۔ اور اسی پر فقیہ ابوالليث (سمرقندیؒ) کا فتویٰ ہے، شمس الائمہ حلوائی رحمہ اللہ اس پر فتویٰ دیتے تھے، آپ نے فرمایا کہ اہل مغرب نے رمضان کا چاند دیکھا تو اہل مشرق پر روزہ رکھنا واجب ہے۔ یہی (مسئلہ) "خلاصۃ الفتاویٰ" میں بھی ہے۔

"در مختار" میں ہے کہ اہل مغرب کی رویت سے اہل مشرق کو (افطار) لازم ہو جاتا ہے، اگر ان کی رویت اِن کے یہاں بطریق موجب ثابت ہو جائے۔ "رد المحتار" میں 'بطریق موجب' کی تشریح میں ہے کہ دو آدمی گواہی کا تحمل کریں، یا قاضی کے حکم پر گواہی

دیں یا خبر مستفیض ہو جائے۔ "درمختار" میں ہے: اگر خبر دوسرے شہر میں عام ہو جائے تو مسلک میں صحیح قول کی بنیاد پر لازم ہوگا۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس قول پر "ذخیرۃ الفتاویٰ" سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ ہمارے اصحاب کے مذہب میں صحیح یہ ہے کہ جب خبر مستفیض ہو جائے اور دوسرے شہر والوں میں بھی متحقق ہو جائے تو ان لوگوں پر اس شہر کا حکم لازم ہو جائے گا۔ اس کی مثال "المغنی" سے منقول ہو کر "مراقی الفلاح شرنبلالی" میں مرقوم ہے: میں نے کہا کہ استدراک کی صورت یہ ہے کہ اس استفاضہ میں قضائے قاضی پر گواہی نہیں ہے اور نہ ہی شہادت علی الشہادۃ ہے، لیکن جب یہ خبر متواتر کے درجہ میں ہے، اور اس کے لیے یہ ثابت ہے کہ اس شہر کے رہنے والوں نے فلاں دن روزہ رکھا ہے تو اس پر عمل لازم ہو جائے گا۔
اس بنیاد پر ٹیلی گراف اور خطوط مرسلہ استفاضہ کے طریقہ اور نہج پر ہے تو لازم العمل ہے، اور اگر یہ صورت نہیں ہے تو درست نہیں ہے]۔

تراویح کا شرعی حکم؟

سوال: [اس مسئلہ میں علماء ومفتیان کیا فرماتے ہیں کہ] تراویح سنت ہے یا نفل؟ اور اگر ایک حافظ تین مسجد میں ساٹھ رکعت یا بیس رکعت میں تین مقام پر پڑھاوے تو جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں ہوگی تو اس کو کیا کہیں گے؟ فقط۔

هو المصوب

جواب:

"ومن قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه" (۱)
[جو شخص ایمان اور ثواب کی امید سے قیام رمضان کرے تو اس کے

---

(۱) جامع الترمذی، أبواب الصوم، باب ما جاء فی فضل شهر رمضان، رقم: ۶۸۳. سنن ابی داؤد، ابواب شهر رمضان، باب فی قیام شهر رمضان، رقم: ۱۳۷۱،۱۳۷۲، دارالسلام الریاض

پچھلے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں]

تراویح(۱) جس کو قیام رمضان کہتے ہیں، بلا عدد رکعات [ہے] (اور) کتب

(۱) تراویح مردوں اور عورتوں پر سنت مؤکدہ ہے، مردوں کے لیے جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز ادا کرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، اگر محلہ کی مسجد میں تراویح کی جماعت نہیں ہوگی تو تمام محلہ والے گنہگار ہوں گے، اور اگر محلہ کی مسجد میں تراویح کی جماعت ہوگی تو ترک سنت کے گناہ سے اہل محلہ محفوظ ہوں گے۔ تراویح کی بیس رکعتیں دس سلاموں، اور پانچ ترویحے کے ساتھ ہیں، بعض احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعات کا ثبوت ملتا ہے، اگرچہ ضعاف ہی کیوں نہ ہو، لیکن متعدد آثار صحابہ کی تائید کی وجہ سے ان کا ضعف دور ہو جاتا ہے، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:

كان رسول الله (ﷺ) يصلي في رمضان بعشرين ركعة والوتر.

(السنن الكبرىٰ للبيهقي، رقم:٤٦١٥، مصنف ابن أبي شيبة، رقم:٧٧٧٤، معجم الامام الطبراني، رقم:١٢١٠٢)

اور خود خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ، خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل خود ایک حجت ہے کہ ان حضرات کے مبارک دور میں تراویح کی بیس رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔ امام بیہقی کی سنن کبریٰ میں ہے:

كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلاث وعشرين ركعة.

ایک روایت میں ہے: والثلاث من الوتر. امام مالکؒ سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ ۳۶/رکعات ہیں، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو سامنے رکھ کر یہ کہنا کہ تراویح و وتر دونوں کی کل رکعتیں گیارہ ہیں، درست نہیں ہے، اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان و غیر رمضان دونوں میں گیارہ کا معمول تھا، یہاں قابل غور پہلو یہ ہے کہ رمضان کے علاوہ میں بھی گیارہ اور رمضان میں بھی گیارہ رکعات؟؟؟!!! رمضان میں کوئی اضافہ نہیں؟!! اور جہاں تک تراویح کی بات ہے تو یہ تہجد کے علاوہ نماز ہے، اور بیس رکعات پر صحابہ کرام اور ائمہ و علماء و فقہائے امت کا اجماع ہے، اور امت کا تعامل بھی یہی ہے کہ آج تک بیس رکعتیں تراویح کی پڑھی جاتی آئی ہیں۔ تفصیلات کے لیے "الرأي النجيح في عدد ركعات التراويح" از حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، رکعات تراویح از مولانا ابوالمآثر حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ نیز استاذ گرامی مفتی راشد حسین ندوی مدظلہ العالی کی کتاب "مسلکی اختلافات اور راہ اعتدال" میں شامل تراویح کی بحث میں تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

احناف میں [ہے] مثل درمختار کے۔

التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين. انتهىٰ (۱)

[تراویح خلفائے راشدین کی مواظبت کی وجہ سے سنت مؤکدہ ہے]۔

(اور) ایک حافظ ایک جگہ امامت کرے۔ حنفیہ کے نزدیک امامت ایک شخص (۲) کی دو جگہ وزائد ناجائز (اور) ساتھ غیر ثابت۔

والله أعلم وعلمه أتم وأحكم، رقمه محمد أمين حسني الحسيني، عفي عنه وتجاوز الله عن ذنبه الدقيق والسمين

---

(۱) الدر المختار على هامش الرد، كتاب الصلوٰة، مبحث صلوٰة التراويح: ۱/۴۷۲، دار الطباعة المصرية سنة ۱۲۷۲ھ

(۲) ایک ہی شخص کی امامت دو جگہ درست نہیں ہے، کیونکہ امام ومقتدی کی نماز میں امام کی نماز کو درجہ کے اعتبار سے اولیٰ واعلیٰ ہونا چاہیے، یا کم از کم دونوں برابری کے درجہ میں ہوں، یہی وجہ ہے کہ فقہائے احناف فرماتے ہیں کہ نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی، اور اسی طرح ایک فرض نماز پڑھنے والے پیچھے دوسری فرض نماز پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی، البتہ فرض نماز پڑھنے والے کے پیچھے نفل نماز پڑھنے والے کی نماز صحیح ہوجاتی ہے۔ کیونکہ نفل والے کی نماز مفترض کے پیچھے اس لیے درست ہے کہ فرض نماز نفل کے مقابلہ میں اقویٰ واولیٰ ہے، اس کے برخلاف متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز اور ایک وقت کے مفترض کی دوسرے وقت کے مفترض کے پیچھے مثلاً ایک ظہر کی نماز پڑھ رہا ہے اور ایک دوسرا شخص عصر کی نماز پڑھ رہا ہے تو ہر ایک کا ایک دوسرے کی اقتداء درست نہیں ہے، کیونکہ امام ومقتدی کی نماز میں استواء (برابری) ضروری ہے، اور یہاں یہ چیز مفقود ہے، اور متنفل کے پیچھے پڑھنے میں عدم جواز کا مسئلہ اس لیے ہے کہ نفل نماز، فرض کے مقابلہ میں ادنیٰ واضعف ہے، جب کہ فرض نماز، نفل کے مقابلہ میں اقویٰ ہے۔ اسی بنیاد کو سامنے رکھتے ہوئے تراویح میں بھی یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ دو جگہ پڑھانے میں ایک کا درجہ قوی ہوگا اور دوسرے کا ضعیف ہوگا، اور یہ درست نہیں ہے۔

کتاب الحج

حج بدل

خلاصہ ارباب اخیار، زبدۂ اصحاب ابرار، محی السنۃ والدین، برگزیدۂ بارگاہ احسن الخالقین، جناب سید محمد امین صاحب ضاعف اللہ برکاتہ۔ پس از الوف گزارش مراتب آداب تعظیم وتکریم ما وجب علینا بغرض می پردازد۔ مکرر دو استفتے از جانب خاکسار گرامی خدمت فیض درجت کے پہنچے ہیں، امید ہے کہ از راہ شفقت بزرگانہ واخلاق مربیانہ کے، صحیح الجواب اس کے سے، مجھے مشرف فرمائیں، کمال ممنون ہوں گا۔
والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔ (معروضہ: ابوعبیدہ ضیاء النبی)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے ذمہ ادائے منّت حج واجب ہے اور شخص مذکور سفر کرنے سے معذور ہے یا فوت ہوگیا ہے۔ اور ایک شخص نے دو حج کیے ہیں، ایک حج کا ثواب حاجی صاحب موصوف خرچ حج لے کر شخص معذور یا متوفی کو بخش دیں، تو ادائے منت حج ہو سکتی ہے؟ بیّنوا توجروا۔

هو المصوب

جواب: نہیں ہو سکتی ادائے منت حج جو عبارت [ہے] ایفائے نذر سے۔ اور ایفائے نذر واجب وفرض ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ:

﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾(۱)
[اور اپنی نذریں پوری کریں]

(۱) الحج: ۲۹

اور نیابت حج میں عند الاحناف عند العجز بشرط دوام العجز وبشرط نیت ہے۔ چنانچہ در المختار میں ہے:

كحج الفرض تقبل النيابة عند العجز فقط [لكن] بشرط دوام العجز الى الموت، لأنه فرض العمر حتى تلزم الاعادة بزوال العذر، وبشرط نية الحج عنه أى عن الآمر، فيقول: أحرمتُ عن فلان ولبّيتُ عن فلان، ولو نسى اسمه فنوى عن الآمر صح، وتكفي نية القلب.(۱) انتهیٰ.

[جو عبادت مال وبدن دونوں سے مرکب ہے جیسے فرض والا حج، تو عجز وناتوانی کے وقت نیابت قبول کی جاتی ہے، بشرطیکہ موت تک عجز کے برقرار ہو، اس لیے کہ حج تمام عمر میں ایک بار فرض ہے، یہاں تک کہ عذر کے زائل ہونے کے ساتھ (حج کا) اعادہ لازم ہے، اور اس شرط کے ساتھ کہ آمر (حج کی نیابت کے حکم دینے والے) کی طرف سے نیت کرکے (حج کرے)، پس وہ یوں کہے کہ میں نے فلاں شخص کی طرف سے احرام باندھا، میں نے فلاں کی طرف سے لبیک کہا، اور اگر آمر (جس کی نیابت کیا جارہی ہے) کا نام بھول جائے، تو آمر کی طرف سے نیت کرے، تو بھی صحیح ہے، اور دل کی نیت کافی ہے]۔

اور حج جو پہلے حاجی صاحب نے اپنی جانب سے خدا کے واسطے نفع آخرت کے لیے [کیے] جس کو اب بفائدہ دنیا فروخت کر رہے ہیں، اور زر برزور دے رہے ہیں، اس میں منت کرنے والے کی طرف سے پہلے نیابت کب پائی جاوے گی؟ اس تقدیر پر شرط فوت ہوگئی، اور حدیث بھی جواز نیابت حج کا، عاجز مایوس زندہ سے یا متوفی

(۱) الدر المختار شرح تنوير الابصار مع الرد، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب فى الفرق بين العبادة والقربة والطاعة ٤/١٥، دار الكتب العلمية ١٤٢٤ھ-٢٠٠٣م، الطبعة الثانية

مردہ[کی طرف] سے حج کرنے کے ساتھ [جڑا ہوا ہے] نہ حج کیے ہوئے کو بخش دینے کے ساتھ۔ کما فی صحیح مسلم:

انّ امرأة من خثعم قالت: یا رسول اللّٰه! انّ أبی شیخ کبیر، علیه فریضة اللّٰه فی الحج، وهو لا یستطیع أن یستوي علی ظهر بعیره. فقال النبي صلی اللّٰه علیه وسلم: فحجی عنه.(۱)انتهیٰ.

[صحیح مسلم میں روایت ہے: قبیلہ خثعم کی ایک خاتون نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! بیشک میرے والد بہت بوڑھے ہیں، ان پر حج فرض ہو چکا ہے، اور وہ اپنے اونٹ پر سوار ہونے کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں۔ (ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس تو ان کی طرف سے حج کر لے]

وفی الترمذي:

جاء ت امرأة الی النبي صلی اللّٰه علیه وسلم، فقالت: ان أمّی ماتت ولم تحج، أفأحج عنها؟ فقال: نعم، حجی عنها.

قال أبو عیسیٰ: هذا حدیث حسن صحیح.(۲)انتهیٰ.

[سنن ترمذی میں ہے: ایک خاتون، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور اس نے کہا: میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے حالانکہ انہوں نے حج نہیں کیا، کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟

---

(۱)صحیح مسلم، کتاب الحج، باب الحج عن العاجز لزمانة وهرم ونحوهما أو للموت، رقم: ۱۳۳۵، دار السلام، الریاض. سنن الترمذی، أبواب الحج، باب ما جاء فی الحج عن لشیخ الکبیر والمیت، رقم:۹۲۸، ۹۳۰، دار السلام، الریاض

(۲)سنن الترمذی، أبواب الحج، باب منه [باب ما جاء فی الحج المیت، رقم: ۹۲۹، دار السلام،الریاض

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ان کی طرف سے حج کر۔ ابوعیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن، صحیح ہے۔]

وفی النووي:

ومذهب الجمهور جواز الحج عن العاجز بموت أو عضب وهو الزمانة والهرم ونحوهما. وقال مالك والليث والحسن ابن صالح: لا يحج أحد عن أحد الا عن ميت لم يحج حجة الاسلام . قال القاضي: وحُكي عن النخعي وبعض السلف: لا يصح الحج عن ميت ولا غيره وهي رواية عن مالك وان أوصىٰ به. وقال الشافعي و الجمهور: يجوز الحج عن الميت عن فرضه ونذره، سواء أوصىٰ به أم لا، ويجزى عنه. ومذهب الشافعي وغيره ان ذلك واجب في تركته، وعندنا يجوز للعاجز الاستنابة في حج التطوع على أصح القولين.(۱)انتهیٰ.

وفی عمدة القاری:

وقالت الحنفية والشافعية بجواز الاستنابة للشيخ الفانی وكذا الحج عن الميت. (۲)انتهیٰ.

[شرح نووی میں ہے: جمہور کا مسلک عاجز کی طرف سے حج کے جواز کا

---

(۱)شرح النووی، کتاب الحج، باب الحج عن العاجز لزمانة وهرم ونحوهما أو للموت، ۲۲۹/۵، تحقيق: الشيخ عرفان حسونة، دار احياء التراث العربی بيروت بدون التاريخ

(۲)نقل عبارت میں سہو ہوا ہے یا حاصل مسئلہ کو صاحب فتاویٰ نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے، واللہ اعلم بالصواب، اس کے لیے ملاحظہ کیجئے علامہ بدرالدین عینی کی "عمدة القاری شرح البخاری"، کتاب الحج، باب وجوب الحج وفضله، رقم الحديث: ۱۵۱۳ کی شرح، اور کتاب جزاء الصيد، باب الحج والنذور عن الميت......الخ، رقم: ۱۸۵۲ تا ۱۸۵٤، باب حج المرأة عن الرجل، رقم: ۱۸۵۵، جلد ہفتم، مطبوعہ زکریا بکڈپو دیوبند

ہے، خواہ عجز موت کی وجہ سے یا عضب یعنی کبر سنی عمر اور مصیبت و آفت وغیرہ کی وجہ سے ہو۔ امام مالک ولیث اور حسن بن صالح کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے حج نہ کرے سوائے اس میت کی طرف سے جس نے اسلام کا حج نہیں کیا۔ قاضی نے کہا کہ امام نخعی اور بعض سلف سے حکایت ہے کہ میت اور اس کے علاوہ کی طرف سے حج صحیح نہیں ہے، اور امام مالک کی یہ بھی ایک روایت ہے، اگر چہ وہ وصیت کر جائے۔ امام شافعی اور جمہور فرماتے ہیں کہ میت کی طرف سے فرض ہو یا نذر، حج کرنا جائز ہے، خواہ وہ اس کی وصیت کرے یا نہ کرے۔ شافعی اور ان کے علاوہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ اس کے ترکہ میں سے واجب ہے۔ اور ہمارے نزدیک عاجز کے لیے نیابت کرنا حج تطوع (نفلی) میں اصح قول کی بنیاد پر جائز ہے۔ (امام نووی کی عبارت مکمل ہوئی)۔

عمدہ القاری میں ہے: حنفیہ اور شافعیہ شیخ فانی (کھوسٹ بوڑھا) اور میت کی طرف سے جواز نیابت کے قائل ہیں۔]

واللہ أعلم، وعلمه أتم وأحكم، رقمه العبد المذنب، الطالب الراغب الى رحمة الله المتين المكنىٰ بأبى المحاسن محمد أمين حسني الحسيني غفر الله ذنوبه وستر عيوبه ولوالديه.

کتاب النکاح

باندی سے بلا عقد جماع؟

سوال: پروردگارِ عالم نے لونڈی یا باندی سے بلا عقد و نکاح کے، جماع و صحبت کیوں مباح کیا؟ فقط۔

هو العليم الخبير

جواب: جو حلال کیا ہم پر ہمارے خالق نے، اسی کو حلال جانیں، اور اس کے حرام [کردہ] کو حرام سمجھیں۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

نزل القرآن علىٰ خمسة أوجه، حلال وحرام ومحكم ومتشابه وأمثال، فأحلّوا الحلال وحرّموا الحرام وآمنوا بالمتشابه واعتبروا بالأمثال. (۱) انتهىٰ. هكذا في المصابيح عن أبي هريرة رضي الله عنه.

[قرآن مجید پانچ وجوہ (بنیادوں) پر نازل ہوا، حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال۔ چنانچہ حلال کو حلال جانو، اور حرام کو حرام سمجھو، اور (آیات) محکمات پر عمل کرو، اور متشابہات پر ایمان رکھو اور امثال سے عبرت حاصل کرو۔ اسی طرح مصابیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی گئی ہے۔]

(۱) شعب الايمان، باب في تعظيم القرآن، فصل في قراءة القرآن بالتفخيم والاعراب، رقم الحديث: ۲۲۹۳، فصل في ترك التفسير بالظنّ، رقم الحديث: ۲۰۹۵

اس میں ایمان ہے، اور جنابِ من! اس کی کتنی بڑی جرأت و گستاخی ہے؟!!
اس کے حلال فرمودہ میں دم مارنا کیا ایمان ہے؟

العیاذ باللّٰه من ذلك، سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا انك أنت العليم الحكيم. ما أحلّ اللّٰه علينا فهو حلال، وما حرّم علينا فهو حرام، انی آمنت بما جآء [به] النبي عليه السلام.

[العیاذ باللہ من ذالک، تیری ذات پاک ہے، ہم کو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہم کو سکھا دیا۔ بے شک تو بڑے علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہم پر حلال کیا، وہ حلال ہے اور جو حرام کیا، وہ حرام ہے]۔

اس نے کتنی بڑی نعمت دی (اور) وسعت کی، ہم پر کہ جس کو مقدرت، طول ومہر حرہ پر (اور) مؤونت وزیادۂ فضل پر قدرت نہ ہوتی [ہو] تو اس کے حق میں ترقی نسل وکثرت امت آنحضرت علیہ السلام کے، اس کر کے کیوں کر [کوئی صورت] متصور و پیدا (اور) ہویدا ہوتی؟

ہزارانِ ہزار شکر، باری تعالیٰ [کا ہے] جس نے لونڈی کی حلت کا ایسا حکم، فراغت ووسعت کا، بھیجا:

﴿وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلاً أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ (۱)

[اور تم میں جو ایمان والی عوریوں سے نکاح پر قدرت نہ رکھتا ہو، تو وہ ان ایمان والی باندیوں سے نکاح کرلے جو تمہاری ملکیت میں ہوں]

جو، مضمون بالا کی صداقت کرتا ہے (اور) شہادت دیتا ہے، اور حکمت، طرح طرح کی دکھاتا ہے (اور) مصلحت، نوع بنوع کی بتاتا ہے (اور) منفعت، قسم قسم کی سمجھاتا ہے، اسی سے یہ ادراک ہوتا ہے کہ عقد یعنی نکاح سے ملک بالبضع (اور) اختیار،

---

(۱) النساء: ۲۵

تمتع واستمتاع کا، بطرز مشروع ہو جاتا ہے، اور امۃ یعنی لونڈی شرعی میں ملک رقبہ [جو عام وشامل، تمتع واستمتاع کو ہے] حاصل ہوتی ہے، تو تمتع واستمتاع سے اپنے ملک میں منجانب شارع، ممانعت باقی نہ رہی، تو اباحت کی گئی (اور) اجازت دی گئی۔

(اور) اگر مباح کیوں کیا؟ مراد اس سے، سائل کی سندِ علت (اور) دلیل اجازت درکار ہے منجانب شریعت، (اور) آیت وسنت سے، کہ کس سند اور کون [سی] دلیل سے مباح کیوں کر کیا گیا (اور) سمجھا گیا؟

سو حدیث میں وارد ہوا [ہے]:

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم حنين بعث جيشاً الىٰ أوطاس، فلقوا عدواً، فقاتلوهم، فظهرو عليهم وأصابوا لهم صبايا، فكأنّ ناساً من أصحاب رسول الله صلى الله وسلم تحرجوا من غشيانهن، من أجل أزواجهن من المشركين، فأنزل الله عز وجل فى ذلك

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (١)

أى فهنّ لكم حلال، اذا انقضت عدّتهن" (٢). انتهىٰ كذا رواه مسلم فى صحيحه، وأخرجه عن أبى سعيد الخدري.

والمراد بقوله، اذاانقضت عدتهن أى استبرائهن، وهى بوضع الحمل عن الحامل، وبحيضة من الحائل (غير الحامل) كما جاء ت به الأحا ديث الصحيحة. هكذا ذكره الامام النو وي فى شرحه (٣) لمسلم. فقط

---

(١) النساء: ٢٤ (٢) صحيح مسلم، باب جواز وطئ المسبية بعد الاستبراء، وان كان لها زوج انفسخ نكاحها بالسبي، رقم الحديث: ١٤٥٦

(٣) المنهاج شرح صحيح مسلم للنووي، كتاب النكاح، باب جواز المسبية بعد الاستبراء: ٥/٣٧٩، دار احياء التراث الاسلامي، تحقيق: د. عبد الرحمٰن المرعشلي

[ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن اوطاس کی طرف ایک لشکر کو روانہ فرمایا تو وہ لوگ دشمن سے ملے، انہوں نے ان سے قتال کیا تو ان پر فتح حاصل ہوئی اور اپنے ساتھ قیدیوں کو بھی لائے، چنانچہ چند صحابہ کو اپنی بیبیوں کی موجودگی کی وجہ سے مشرکین میں سے قیدی باندیوں کے ساتھ جماع کرنے میں حرج ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (۱)

[اور وہ عورتیں بھی تم پر حرام کی گئیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں سوائے ان کے، جن کے تم مالک ہو] یعنی وہ تمہارے لیے حلال ہیں جب ان کی عدت گزر جائے۔ حدیث کی عبارت پوری ہوئی۔ اسی طرح امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے حدیث کی تخریج کی ہے، اور "اذا انقضت عدتهن" سے مراد استبراءِ رحم ہے، اور یہ حاملہ کے لیے وضعِ حمل ہے اور حیض والی کے لیے ایک حیض ہے جیسا کہ اس بارے میں احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں۔ اسی طرح اس کو امام نوویؒ نے صحیح مسلم کی اپنی شرح میں ذکر کیا ہے]۔

واللّٰه عليم بذات الصدور، حرره العبد المذنب محمد أمين حسني الحسيني، عصمه اللّٰه عن الشرور في الدنيا والدين، عن خلاف البطون والظهور، بجعله في الكونين بالسرور، وغفر له الذنوب وستر له العيوب، يا علام الغيوب.

کافرہ زانیہ سے قبولِ اسلام کے بعد نکاح؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان نے

---

(۱) النساء: ۲٤

عورت کافرہ کے ساتھ ایک مدت تک زنا کرتا رہا، بعدۂ توبہ کیا عورت نے چھ سات ماہ بعد، توبہ کر کے مسلمان ہوئی، بعدۂ اس مرد نے عورت مذکورہ کے ساتھ نکاح کیا، مباح ہوا یا نہیں؟ اور اہل اسلام اس مرد و عورت سے شاملات میں خورد ونوش رکھیں یا نہیں؟

هو المصوب

جواب: درست ہے اسلام، ڈھانے والا [ہے] کفر وشرک کا۔ مگر اسلام نام [ہے] وحدانیت الٰہی ورسالت رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا قائل ہونا، نماز پنجگانہ پڑھنا، روزہ رمضان کا رکھنا، زکوۃ مال کی دینا اور حج بیت اللہ کا کرنا۔ نہ صرف زبان سے مسلمان کہلانے کو ہو جانا، فرض خدا ادا نہ کرنا، کھانا پینے کو راستہ کھل جانا، شاملات برادرانہ واہل اسلام میں ہو جانے کو پاپ کا باپ بن کر کام نکالنے کو گھات ہاتھ آنا، یہ کیا اسلام برائے نام بلکہ مسلمان لوگ؟ (اور) اب سال چند مہینہ مضبوطی اسلام و پابندی شریعت وسنت کی دیکھ کر (اور) پا کر شاملات اہل اسلام کریں "مخلصاً له الدين" چاہیے۔ حدیث صحیح میں وارد ہے:

"الاسلام أن تشهد أن لا اله الا الله وأن محمداً رسولُ الله وتقيم الصلاة وتؤتي الزكاة وتصوم رمضان وتحج البيت ان استطعت اليه سبيلاً"(۱) رواه البخاري ومسلم.

[اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرے، زکوۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے اگر وہاں تک جانے کی استطاعت ہے۔]

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الايمان، باب قول النبي (ﷺ): بني الاسلام على خمس، رقم:۸، باب سوال جبريل النبی (ﷺ) عن الاسلام والايمان والاحسان وعلم الساعة، رقم: ۵۰. صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الايمان والاسلام والاحسان......الخ، رقم:۸، باب: الايمان ما هو؟ وبيان خصاله، رقم:۹، دار السلام، الرياض

واللہ أعلم وعلمه أتم وأحكم، حرره الراجی رحمة ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الدقيق والسمين.

ولایت نکاح

سوال: حامداً و مُصلّیاً وَ مُسلّماً، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ مسلمہ عاقلہ بالغہ حرہ ایک مرد قوم ہندو کے تابع رہی، اور اسی مرد مذکور سے اس کو ایک لڑکا مسمی عبدالرزاق اور ایک لڑکی بدھیا پیدا ہوئی، اور اب مسماۃ بدھیا نابالغہ کے نکاح کر دینے میں حق ولایت آیا مسماۃ ہندہ کو ہے یا اس کے بھائی عبدالرزاق کو ہے؟ اور بصورت موجود رہنے عبدالرزاق کے، بلا رضامندی عبدالرزاق کے ہندہ کو نکاح کر دینے کا مسماۃ بدھیہ کو ہے یا نہیں؟

اگر منجملہ ولیین مذکورین کے کسی ایک ولی نے بدھیا مذکورہ نابالغہ کا نکاح کر دیا تو بعد بلوغ کے اس کو خیار بلوغ کا حق ہے یا نہیں؟ خیار بلوغ میں نکاح فسخ کرنے کے واسطے قاضی کا ہونا شرط ہے تو اگر جس مرد مسلمان دیندار پرہیزگار اہل علم کو ایک جماعت کے لوگ مسلمان نے نکاح وپنجگانہ ونماز جمعہ وعیدین ونماز جنازہ وغیرہ امور دینی کے لیے قاضی مقرر کیے ہیں، [اور] یا کسی عالم کے روبرو فسخ نکاح کرا دیا جائے تو درست ہے یا نہیں؟ اور ان دونوں کا حکم قاضی کا جیسا اجراء ہے، معلوم امیدوار ہے کہ جملہ مسائل کا جواب صاف صاف ارشاد ہو؟ بینوا توجروا، فقط۔

(مرسلہ: قاضی سید چراغ علی قادری از چھاؤنی دورنڈہ)

هو المصوب

جواب: ولایت مسماۃ ہندہ کو ہے۔ کیونکہ ولد الزنا لاحق ساتھ ماں کے [ہے] نہ کہ زانی کے، اس لیے کہ حق زانی میں حدیث میں وارد ہوا:

"للعاهر الحجر" العاهر- الزاني، وعهر- زنى، عهرت- زنت، والعهر- الزنا، ومعنى له الحجرأي له الخيبة، ولا حق

له في الولد. انتهىٰ. كذا ذكره النووي.(۱)

اللہ تعالیٰ نے اسلام اور کفر کے درمیان میں راہ نہیں رکھی۔ کما قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿وَلَن يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾(۲)

[اور اللہ ہرگز مسلمانوں پر کافروں کو کوئی راہ نہیں دے گا]

(اور) جبکہ ولد الزنا کا باپ نہ ٹھہرا، اخ بنت مزنیہ کہاں سے ٹھہرے گا؟ کیونکہ ثبوت نسب باپ سے منتفی بلکہ ماں سے نسب ثابت، کما فی أصول الفقه من نور الأنوار وغیره:

لأن نسب الولد عنها لا ينقطع .

[جیسا کہ اصول فقہ کی کتابوں مثلاً نور الانوار وغیرہ میں لکھا ہوا ہے:

اس لیے کہ ماں سے بچہ کا نسب منقطع نہیں ہوتا ہے۔]

(اور) باعتبار عصوبہ ولایت بھائی کو تقدم، اوپر ولایت ماں کے، ہے۔ مگر جبکہ ثبوت نسب شرعی ہو، (اور) بعد ولایت عصبہ، ولایت ماں کی ہے۔ کما عرف فی الفقہ پس ہندہ کو حق نکاح کر دینے کا مسماۃ بدھیا کے حاصل ہے، الا [یہ کہ] بدھیا نابالغہ کو بعد بلوغ اختیار فسخ ہوگا۔ چنانچہ صغیرہ جو نکاح سے ہو، اس کے لیے تصریح خیار ہے بعد بلوغ کے۔ کما فی الهداية:

واطلاق الجواب في غير الأب والجد يتناول الأم والقاضي، وهو الصحيح من الرواية لقصور الرأي في أحدهما ونقصان الشفقة في الآخر، فيتخير.(۳) انتهىٰ.

[ہدایہ میں ہے: باپ اور دادا کے علاوہ میں جواب کا غیر مقید ہونا ماں

---

(۱) شرح النووي، كتاب الرضاع، باب الولد للفراش وتوقي الشبهات: ۳۸۱/۵، دار احياء التراث العربي بيروت (۲) النساء: ۱٤۱

(۳) الهداية مع حاشية العلامة اللكنوي، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۳۱۷/۲، یاسر ایند ندیم کمپنی دیوبند، بلاسنہ

اور قاضی کو بھی شامل ہے، ظاہر الروایہ سے صحیح یہی ہے کیونکہ ایک میں
رائے کی کمی ہے تو دوسرے میں شفقت کم ہے، چنانچہ اسے فسخ
کا اختیار ہوگا۔]

(اور) فسخ کرنے کے لیے قاضی شرط ہے۔ کما فی الهداية:

ويشترط فيه القضاء.(۱)

[ہدایہ میں ہے: نکاح کو فسخ کرنے میں قضائے قاضی شرط ہے]

پس قضاء قاضی مصنوعی کافی نہیں، بلکہ جس ریاست اہل اسلام میں قاضی ہو، مثل رامپور و بھوپال (۲) وغیرہ جا کر یا حکم منگا کر فسخ کرالیوے، (اور) حکم قاضی ہر زمانہ واحد، و حکم شرعی باید۔

والله أعلم وعلمه أتم وأحكم، حرره محمد أمين حسني الحسيني، عفا عنه المتين.

صغیرہ کو بعد بلوغ، فسخ نکاح کا حق ہے یا نہیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کی شادی خالد کے ساتھ سن صغیر میں کی گئی، اصل ولی کے حکم سے، بعد بلوغ کے ہندہ [نے] انکار کیا، ناراضگی اپنی ظاہر کی، تب نکاح فسخ ہوگا یا نہیں؟

هو المصوب

جواب: اصل ولی اگر (اب یا جد) صغیرہ کا نکاح کرے، بعد بلوغ کے بھی فسخ

---

(۱) الهداية مع حاشية العلامة اللكنوي، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء ۳۱۷/۲، یاسر اینڈ ندیم کمپنی دیوبند، سن طباعت ندارد

(۲) اب یہ ریاستیں ختم ہو چکی ہیں، اور موجودہ دور میں مختلف صوبوں میں امارت شرعیہ قائم ہیں وہاں دار القضاء کا پورا نظام چلتا ہے، اور جہاں نظام امارت نہیں ہے وہاں کل ہند مجلس مسلم عائلی قانون (مسلم پرسنل لاء بورڈ) کے زیر انتظام و انصرام متعدد صوبوں اور ریاستوں میں دار القضائیں قائم ہو چکی ہیں، وہاں سے رجوع کرنا چاہیے۔ از: م ن ان

باطل ہے۔اور اگر اصل بوجہ نطفہ کے ماں ٹھہر گئی تو یہی قائم مقام ولی اول کا ہے۔اگر دوسرا کوئی کرے خواہ اپنی ولایت سے یا بحکم اصل ولی کے، تو اصل ولی کے حکم سے بھی نکاح نہ فسخ ہوگا۔اور وہی نکاح بعد بلوغ اگر صغیرہ ناراضگی ظاہر کرے۔اور اصل ولی کے سوا دوسرا کوئی متکفل، نکاح کا ہو، تب فسخ متحقق ہوگا۔کذا فی الدرالمختار و کنزالدقائق والہدایۃ وغیرھا۔فقط

هو الموفق

جواب: بغیر اب وجد کے، جس کی ولایت سے نکاح صغیرہ کا ہوگا، بعد بلاغ کے اختیار فسخ ہوگا۔کما فی وقایۃ الروایۃ:

ثم ان زوجهما الأب أو الجد لزم، وفي غيرهما فسخ الصغيران حين بلغا أو علما بالنكاح بعده.(۱)انتهىٰ.

وهكذا في النهر: وفي غيرهما أي غير الأب والجد كالأخ والأم والقاضي أو وكيل الأب نعم لو عين الأب لوكيله رجلاً غير كفو أو مقدار المهر فزوج على حسب تعيينه لزم.(۲)انتهىٰ.

[وقایۃ الروایہ میں ہے کہ پھر ان (صغیر اور صغیرہ) کی شادی باپ یا دادا کرے تو لازم ہو جاتی ہے، اور ان دونوں کے علاوہ میں صغیران کو فسخ کرنے کا اختیار ہے جب وہ بالغ ہو جائیں یا اس کے بعد نکاح کا علم ہو جائے۔اور ان دونوں (باپ اور دادا) کے علاوہ میں جیسا کہ بھائی، ماں، قاضی یا باپ کا وکیل، ہاں اگر باپ نے اپنے وکیل کے لیے ایک غیر کفو آدمی یا مہر کی مقدار متعین کردے تو اس نے اس کی

---

(۱)وقاية الرواية بشرح الوقاية مع عمدة الرعاية: ۲۱/۲، مکتبہ تھانوی دیوبند، بلاسنہ، باہتمام وقار علی بن مختار علی (۲)عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية: ۲۱/۲، مکتبہ تھانوی دیوبند، سن طباعت غیر مرقوم، باہتمام وقار علی بن مختار علی

تعیین کے مطابق نکاح کردیا تو وہ لازم ہوجائے گا۔]

وفي الهداية: واطلاق الجواب في غير الأب و الجد يتناول الأم والقاضي، وهو الصحيح من الرواية لقصور الرأي في أحدهما ونقصان الشفقة في الآخر.(۱)انتهیٰ.

وفي الكفاية: وكذالك الأم اذا زوجت الصغير والصغيرة جاز عند أبي حنيفة رحمه الله، وفي اثبات الخيار لهما اذا أدركا عنه روايتان، في احدى الروايتين لا يثبت، لأنّ شفقتها وافرة كشفقة الأب أو اكثر، والأصح أنّه يثبت لهما الخيار، لأنّ لها قصور الرأي مع وفور الشفقة، ولهذا لا يثبت ولايتها في المال، وتمام النظر بوفور الرأي والشفقة. كذا في المبسوط، وقصور الرأي في الأم، ونقصان الشفقة في القاضي. انتهیٰ.(۲)

[ہدایہ میں ہے کہ باپ اور دادا کے علاوہ میں جواب کا اطلاق ماں اور قاضی کو شامل ہے، اور روایت سے صحیح یہی ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کے اندر رائے کا قصور ہے اور دوسرے میں شفقت کی کمی ہے۔

اور "کفایہ" میں ہے: اور اسی طرح ماں ہے کہ جب اس نے صغیر اور صغیرہ کا نکاح کردیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے، بعد بلوغ ان دونوں کے اختیار کے ثبوت میں آپؒ سے دو روایتیں ہیں، ایک روایت میں اختیار ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ باپ کی شفقت کی طرح یا

(۱)الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء:۲/۳۱۷، زکریا کتاب خانہ چوراستہ، جیسور بنگلہ دیش، بلاسنہ

(۲)الكفاية شرح الهداية مع فتح القدير، باب في الأولياء والأكفاء:۳/۱۷۶، دار احياء التراث العربي بيروت

اس سے زیادہ ماں کی شفقت پوری پائی جاتی ہے، اور اصح یہ ہے کہ ان دونوں کو اختیار ہوگا، اس لیے کہ وفور شفقت کے ساتھ اس میں رائے کا قصور (کمی) ہے، اور اسی وجہ سے اس کی ولایت مال میں ثابت نہیں ہوتی ہے، مکمل نگرانی وفور رائے اور پوری شفقت کے ساتھ ہی معتبر ہے، اسی طرح ''مبسوط'' میں ہے۔ اور ماں میں رائے کی کمی ہے، اور قاضی کے اندر شفقت کی کمی اور نقصان ہے۔]

وفي الدر المختار: ولزم النكاح، ولو بغبن فاحش، بنقص مهرها وزيادة مهره أو زوجها بغير كفو، انْ كان الولي المزوّج بنفسه بغبن، أباً أو جداً. (۱) انتهىٰ.

وأيضاً فيه: وانْ كان المزوّج غيرَهما أى غير الأب وأبيه، ولو الأم أو القاضي أو وكيل الأب، لكن في النهر بحثاً لو عيّن لوكيله القدر صح، لا يصح النكاح من غير كفؤ أو بغبن فاحش اصلاً، وما في صدر الشريعة صحّ ولهما فسخه، وهم. وانْ كان من كفؤ وبمهر المثل صح، ولكن لهما أى لصغير وصغيرة وملحق بهما خيار الفسخ، ولو بعد الدخول، بالبلوغ أو العلم بالنكاح بعده، لقصور الشفقة. (۲)

[الدر المختار میں ہے: نکاح لازم ہو جائے گا (بعد بلوغ صغیر اور صغیرہ کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا) اگرچہ غبن فاحش (صریح

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ١٧١/٤، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٤ھ- ٢٠٠٣م

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ١٧٣/٤-١٧٥، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٤ھ- ٢٠٠٣م، تحقيق: الشيخ عادل أحمد عبد المعبود، الشيخ علي محمد معوّض

نقصان) کے ساتھ ہو، اس طرح کہ صغیرہ کا مہر کم ہو، اور صغیر کا مہر زیادہ کر دیا ہو، یا اس (صغیرہ) کی شادی غیر کفو میں کر دی ہو، اگر ولی جس نے نکاح بذات خود صریح نقصان سے کیا ہو، وہ باپ یا دادا ہے۔

اسی در مختار میں دوسری جگہ ہے: اگر شادی کرانے والا باپ اور دادا کے علاوہ ہے، اگر چہ وہ ماں، قاضی، یا باپ کا وکیل کیوں نہ ہو، لیکن ''نہر شرح کنز'' میں ایک بحث ہے کہ اگر باپ اپنے وکیل کے لیے مہر کی مقدار متعین کر دی تو نکاح صحیح ہوگا، اور (تزویج غیر اب وجد سے) نکاح غیر کفو سے، یا غبن فاحش (صریح نقصان) کے ساتھ بالکل صحیح نہیں ہوگا، اور جو صدر الشریعہ کی کتاب میں ہے کہ (غیر اب وجد کا غیر کفو یا نقصان صریح کے ساتھ نکاح کر دینا) صحیح ہے، اور (بعد بلوغ) ان دونوں (صغیر اور صغیرہ) کو نکاح کے فسخ کر دینے اختیار ہے، درست نہیں ہے۔ اور اگر (تزویج غیر اب وجد کی) کفو سے ہے، اور مہر مثل کے ساتھ ہے، تو نکاح صحیح ہے۔ لیکن صغیر اور صغیرہ اور ان کے ملحق (احمق اور مجنون) کو نکاح فسخ کر دینے کا اختیار ہے، اگر چہ دخول (ہم بستری) کے بعد ہو، بلوغ کے بعد یا بلوغ کے بعد نکاح معلوم ہونے کے وقت (نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ یعنی اگر شروع سے نکاح کا علم تھا تو بلوغ کے وقت اختیار ہے، اور اگر شروع میں معلوم نہیں تھا تو بلوغ کے بعد بھی معلوم ہونے تک اختیار ہے) شفقت کی کمی کی وجہ سے۔]

والله أعلم وعلمه أتم وأحكم و أعظم، رقمه محمد أمين حسني الحسيني، غفر له الله ذنوبه.

کتاب الرضاعة

رضاعت اور حرمت نکاح

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ایسی صورت میں: زید ابن بکر- ہندہ بنت عمرو کے ساتھ ایام وعدت مشہورہ میں بشراکت شیرخواری دودھ شریک بھائی بہن بن گئے- ایسی صورت میں نکاح صرف زید بن بکر کا نکاح ساتھ ہندہ بنت عمرو کے، حرام تصور کرنا چاہیے؟ یا جس قدر اولاد صلبی یعنی لڑکی لڑکا ازواج منکوحہ وغیر منکوحہ مسمّیان بکر وعمرو سے پیدا ہوں، نکاح ہر ایک لڑکی بکر کا، ساتھ ہر ایک لڑکا عمرو کے، (اور) نکاح ہر ایک لڑکی عمرو کا، ساتھ ہر ایک لڑکا بکر کے، حرام ہے؟ بیّنوا توجروا- فقط

(سائل: فاروق احمد، از کشتی، معروضہ ۱۴/شعبان ۱۳۱۵ھ)

هو المصوب

جواب: جو دونوں دودھ شریک بھائی بہن ہوئے، ان کے میان میں نکاح وتزویج حرام ہے- واقعی نہ تصوری، معقولی نا معقولی مصنوعی غیر سمعی مصنوعی- کما قال اللہ تعالی: ﴿وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾(۱) نص قطعی [ہے]- وکذا جاء فی الخبر:

یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب.(۲) رواه مسلم فی صحیحه.

---

(۱) النساء: ۲۳ ترجمہ:- اور (حرام ہیں) تمہاری وہ بہنیں جو رضاعت سے ہیں-

(۲) صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب ما یحرم من الرضاعة...... باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

[نسب سے جو حرام ہوتی ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہوجاتی ہیں۔]

وحرمت مناکحت بین الرضیع والمرضعة وأبنائهما وبناتهما ،نه[کہ] غیر رضیع پر۔

از جانب شیردہ ہمہ خویش شوند
واز جانب شیر خوارہ زوجان و فروع

والله أعلم، وعلمه أتم وأحكم. نقمه محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين. فقط

ثبوتِ رضاعت میں صرف شہادتِ نسواں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک شخص مسماۃ زینب کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اس کو مسمیٰ فلاں کی زوجہ۔ جو چچازاد بہن ہندہ مذکورہ کی تھی ۔[نے] دودھ پلادیا ہے، حالانکہ اس دودھ پلانے کا کسی کو علم نہیں (اور) نہ کسی نے پلاتے دیکھا ہے، صرف اس بات پر یہ کہا جاتا ہے کہ جب چچازاد بہن مسماۃ ہندہ اس لڑکی کی بحالت مرض سرسام مبتلا ہوکر قریب المرگ پہونچی، تب اس کی زبانی مسماۃ فلاں موسومہ رقیہ نے جو اس کی پھوپھی ہے صرف اس قدر سنا تھا کہ میں مسماۃ زینب کا دودھ بخش دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ضرور مسماۃ زینب کو کسی قدر دودھ پلایا ہوگا اور یہ بھی کہا جانا اس کے کسی اور اقرباء گھر والوں کی زبانی نہیں صرف ایک عورت کا مقولہ ہے ،اور وہ یہ بھی کہتی ہے کہ جب مسماۃ ہندہ نے بحالت مرض الموت، اپنے انتقال کے یہ کہا تھا اس وقت سوائے میرے اور کوئی نہ تھا، اور جس زمانہ کا دودھ پلادینا کہا جاتا ہے اس وقت مسماۃ ہندہ کی نسبت یہ بھی کہا جاتا ہے اس کے شکم

......بقیہ حاشیہ......ما يحرم من الولادة، ١٤٤٤، باب تحريم ابنة الأخ من الرضاعة، رقم: ١٤٤٧، سنن ابن ماجة، أبواب اكنكاح، باب ما يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب، رقم: ١٩٣٨، سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب ما يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب، رقم: ٢٠٥٥

میں چھ سات ماہ کا ایک حمل تھا، اور اپنے لڑکے کا جو گود میں اس کے تھے دودھ نہیں پلاتی تھی، اور یہ لڑکی جس کی نسبت دودھ پلا دیا جانا صرف زبانی اسی ایک عورت کی کہا جاتا ہے اس کی عمر البتہ قریب آٹھ ماہ کے رہی ہوگی، اور مسماۃ ہندہ کے شوہر کو بھی اس کا علم نہیں ہے، اور نہ اس نے اپنی عورت کی زبانی کبھی ایسا نہیں سنا ہے۔

پس ایسی حالت اور صورت میں شرعاً کیا حکم ایسے دودھ پلانے کی نسبت ہے؟ اور احکام رضاعت اس پر جاری کیے جاویں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا. فقط.

هو المصوب

جواب: حکم رضاعت نہیں دیا جاوے گا۔ صرف ایک عورت کیا بلکہ کئی عورتیں تنہا شہادت میں ہوں تب بھی حنفیہ کے نزدیک رضاعت نہیں ثابت [ہوتی]، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

ولا تقبل فی الرضاع شهادة النساء منفردات وانما يثبت بشهادة رجلين أو رجل و امرأتين.(۱) انتهیٰ.

[رضاعت کے سلسلہ میں تنہا عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی، اور رضاعت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت کی شہادت سے ثابت ہوتی ہے]۔

نصاب شہادت کما فی قولہ تعالیٰ:

﴿وَاسْتَشْهِدُواْ شَهِيدَيْنِ من رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ﴾(۲). انتهیٰ.

[اپنے لوگوں میں سے دو کو گواہ بنالو، پھر اگر دونوں مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں]۔

والله أعلم وعلمه أحكم، حرره الراجي عفو ربه المتين [محمد أمين] حسني الحسيني، غفر الله ذنوبه و ستر عيوبه.

---

(۱) الهداية، كتاب الرضاع: ۳/۱۲۹، مكتبة البشرىٰ، لاهور باكستان، الطبعة الثانية ۱۴۲۸ھ-۲۰۰۷م

(۲) البقرة: ۲۸۲

رضاعت میں عورت کی گواہی ناکافی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کی زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ حالت نابالغی میں ہوا، جو کہ حقیقی چچا کی لڑکی ہے، قبل نکاح باپ زید و ہندہ دونوں کی فوت ہوگئی، زید کی ماں نے دوسرے موضع میں عقد کرلیا تھا، عرصہ سال بھر کا ہوا، زید کی ماں آئی تھی اور کہا ہندہ کی ماں سے یعنی ہندہ کو میں نے دودھ پلایا ہے، یہ کہہ کر دونوں خاموش ہوگئیں، بعد کو عرصہ دو ماہ کا ہوا کہ پھر زید کی ماں آئی تو زید کی ماں اور ہندہ کی ماں دونوں ایک شخص معتبر کے مکان پر گئیں تو میں بی بی دونوں مکان پر موجود تھے، ہندہ کی ماں سے شخص معتبر کی بی بی نے کہا کہ یہ کہتی ہیں کہ میں نے ہندہ کو دودھ پلایا ہے، تب زید کی ماں نے کہا کہ ہاں میں نے دودھ پلایا ہے اور ہندہ کی ماں بیماری کی وجہ سے کئی روز بے ہوشی میں تھی اس وجہ سے نہیں جانتی، تو میں کہہ دیتی ہوں اپنے سر پر بوجھ نہیں لوں گی، تب شخص معتبر کی بی بی نے کہا: یہ تو اچھا نہ ہوا، تم نے نکاح کے وقت کیوں نہیں کہا؟ تو کہا: مجھے یاد نہ تھا اس وجہ سے نہیں کہا، اور شخص معتبر دونوں میاں بی بی سنتے تھے، اور برابر تصدیق کرتے ہیں اور زید کی ماں بھی اقرار کرتی ہے، کہ میں نے دودھ پلایا ہے، بعد اس کے کئی روز کے پھر چلی گئی، زید نہ معلوم خود فرار و نشیب سوچا یا کسی شخص سے پوچھا مگر اس کی قرابتوں میں اس کا شور و غل ہوا، پھر انکار کرتی ہیں۔

(الملتمس: — محمد عباس خان، موضع خداداد پور، ڈاکخانہ پھریا ضلع اعظم گڑھ)

هو المصوب

جواب: زید کی ماں کا تنہا کہنا پایہ اعتبار سے ساقط، خواہ ایک سے، خواہ چند سے، خواہ معتبر شخص سے مکان جاکر کہنا صرف زید کی ماں کا وہ غیر مسموع ہے، کیونکہ رضاع بقول ایک زن یعنی ایک عورت کے کہنے سے ثابت نہیں ہوتا۔ کنز میں ہے:

يثبت (الرضاع) بما يثبت به المال.(۱)

---

(۱) كنز الدقائق مع حواشي الفقيه اعزاز العلي الأمروهي/۱۱۰، المطبع القاسمي بديوبند، سن طباعت ۱۳۴۵ھ، باہتمام مولانا حبیب الرحمن عثمانی دیوبندیؒ/صفحہ ۵۴، مطبوعہ منشی نول کشور لکھنؤ، طبع سادس ۱۳۲۱ھ

[رضاعت ثابت ہوتی ہے اس چیز سے جس سے مال ثابت ہوتا ہے
یعنی دو آدمیوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورت کی گواہی سے۔]

اس کے نیچے صاحب بحر الرائق لکھتے ہیں:

وهو شهادة رجلين عدلين أو رجل وامرأتين، فلا يثبت
بشهادة امرأة واحدة. انتهى.(۱)

[دو عادل آدمی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ہے، اور رضاعت
ایک عورت کی گواہی سے ثابت نہیں ہوتی ہے۔]

والله أعلم وعلمه أتم وأحكم، حرره الراجي عفو ربه المتين محمد
أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الدقيق والسمين.

(۱) یہ عبارت دو فقہی کتابوں (البحر الرائق، عمدة الرعاية) سے ماخوذ ہے، دیکھئے: عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية، کتاب الرضاع: ۲/ ۶۵، مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ سن طباعت غالباً ۱۳۴۱ھ-۱۹۲۲م کے آس پاس، اس موضوع پر فقیہ الہند علامہ عبد الحی فرنگی محلی کا ایک جامع ومختصر رسالہ "الافصاح عن شهادة المرأة في الارضاع" کے نام سے مطبع یوسفی ہی سے شائع ہے جو مجموعہ سبع رسائل میں شامل ہے۔ البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب النكاح، باب الرضاع: ۳/ ۲۳۲، اصلاح کردہ از مولانا غلام نبی تونسی، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ، کوئٹہ پاکستان، مطبوعہ بلا سنہ

کتاب الطلاق والرجعة

شادی کردو کہنے سے کون سی طلاق ہوگی؟

سوال: ہندہ کے بالغ ہونے پر اگر چند آدمی کے بیچ میں اس کے ولی اور کفیل نکاح سے کہہ دے کہ ہندہ کی شادی کر دو، تو یہ حکم دینا خالد کا ولی کو ایک طلاق کنائی سمجھا جاوے گا یا نہیں؟ فقط۔

جواب: گو خالد کسی کے جواب میں یا اپنے سے کہہ دے کہ ہندہ کا نکاح کر دو، ایک طلاق کنائی سمجھا جائے گا کہ حکم رجعت کا رکھتا ہے، تین حیض گزرنے سے عدت کامل ہو جائے گی، اسی وقت میں وہ طلاق رجعت طلاق بائن کا حکم رکھتی ہے، جب تک ہندہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے گی، اور دخول ہونے کے بعد زوج ثانی طلاق دیکر عدت کامل اس کی نہ گزرے گی، تب تک خالد کے ساتھ کہ زوج اول اس کا ہے نکاح جائز نہ ہوگا۔ ہکذا فی سائر کتب فقہ۔

واللہ اعلم بالصواب، المجیب: بندہ خادم العلماء حضرت شاہ پشاوری، حال مقام: ورانجمی ضلع نوہر، فقط

هو الملهم للحق و الصواب

صورت مسئولہ میں یعنی کہنا خالد کا زوجہ اپنی کے باب میں جو مسماۃ ہندہ ہے، خواہ خطاب کرے کہ ہندہ کی شادی کر دو، طلاق رجعی ہے۔ خواہ بالکنایہ، ساتھ نیت لیا جائے یا بلانیت کہا جاوے۔ کما فی الدر المختار [فی] آخر باب الکنایات

نقلاً عن القنية، هكذا عبارته:

وفی القنية زوّج امرأته من غيره، لم يكن طلاقاً، ثم وقم ان نوىٰ، طلقت. اذهبی وتزوّجی، تقع واحدة بلا نيّة.(۱) انتهیٰ.

[درمختار، باب الکنایات کے آخر میں "القنية" سے منقول ہے، اس کی عبارت یہی ہے، قنیہ میں ہے: اس کی عورت کی، دوسرے سے شادی کردو، طلاق واقع نہیں ہوگی۔ پھر وہ کہے کہ کھڑے ہو جا اگر اس نے (طلاق) کی نیت کی ہے تو طلاق ہوگی، تو چلی جا، اور تو شادی کرلے، تو بلا نیت ایک طلاق واقع ہوگی۔]

(اور) جبکہ طلاق رجعی ہوگی، اندرِعدت رجعت ہے، (اور) بعد گزرنے مدت عدت رجعی، بائن ہو جاتی ہے۔ ضرورت تجدید نکاح ہے، نہ تحلیل جو کہ مغلظہ سے متعلق، نہ بائنہ سے علاقہ۔ حلالہ کو جیسا کہ مجیب اول شاہ صاحب پشاوری نے جواب میں تحریر کیا، غلطی فاش واقع ہوئی، نعوذ باللہ من ذلک، یا محمول اوپر شاہی کے کیا جاوے یا جناب شاہ صاحب کو کتب فقہیہ وعلوم دینیہ سے مانست نہیں، صرف سماعت مسائل سماعیہ ہے، یاد میں حکم بائنہ کے حکم مغلظہ آگیا، حضرت شاہ صاحب کو دھوکہ ہو گیا، لہٰذا تحقیق مسائل شرعیہ پر ضرور [ی] ہے، ارباب علم وفضل کو بغیر علم بالمسائل افتاء میں ارتکاب حرمت۔ وما علینا الا البلاغ۔

پس طلاق رجعی میں اندرِعدت رجعت [ہے]۔ کما فی شرح الوقاية:

وهی فی العدة لا بعدها لمن طلقت دون ثلاث أی فی الحرة امّا فی الأمة فلا رجعة الا فی الواحدة. (۲)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب الكنايات: ٤/ ٥٥٠-٥٥١، دار الكتب العلمية بيروت، ١٤٢٤ھ- ٢٠٠٣م الطبعة الثانية

(۲) شرح الوقاية مع عمدة الرعاية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، بيان ما يكون به الرجعة وما لا يكون: ٢/ ٩٧، مکتبہ تھانوی دیوبند بلاسنہ

هكذا في الهداية: وإذا طلّق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض، لقوله تعالىٰ ﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ (١) من غير فصل.(٢) انتهىٰ.

وقوله تعالىٰ ﴿وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ﴾ (٣)

وفي الدر المختار: [هي استدامة الملك القائم بلا عوض] ما دامتْ في العدة.(٤)

[شرح الوقایہ میں ہے: رجعت عدت کے اندر ہوتی ہے، نہ کہ عدت کے بعد، یہ اس کے لیے ہے جس کو تین سے کم طلاق دی گئی ہے، مراد حرہ (آزاد) ہے، اور باندی میں صرف ایک ہی میں رجعت ہے۔

ہدایہ میں ہے: جب آدمی اپنی عورت کو ایک یا دو طلاق رجعی دیتا ہے تو عدت کے اندر اس سے وہ رجعت کر سکتا ہے، خواہ وہ راضی ہو یا نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ”ان کو اچھائی کے ساتھ روکو“ بغیر فصل کے فرمایا۔ اور (دوسری جگہ) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور اس مدت میں ان کے شوہر ان سے رجوع کرنے کے زیادہ حقدار ہیں“۔ درمختار میں ہے: (رجعت قائم ملکیت کو بلا عوض برقرار رکھنا رجعت ہے) جب تک کہ وہ عدت میں ہے۔]

---

(١) البقرة: ٢٣١

(٢) الهداية مع حواشي العلامة اللكناوي، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ٢/٣٩٤، یاسر ایندٰ ندیم کمپنی دیوبند، مكتبة البشرىٰ لاهور: ٥/٢١٥، الطبعة الثانية

(٣) البقرة: ٢٢٨

(٤) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ٥/٢٣، دار الكتب العلمية بيروت، ١٤٢٤هـ - ٢٠٠٣م الطبعة الثانية

(اور) بعد گزرنے عدت کے طلاق رجعی بائن ہوتی ہے، اسی واسطے بعد عدت کے رجعت نہیں، (اور) حلالہ کی بھی حاجت نہیں بلکہ نکاح کفایت کرتا ہے۔ کما فی شرح الوقایة:

ونکاح مُبَانة بلا ثلاث فی عدتها وبعدها.(۱) انتهیٰ.

وکذا فی الهدایة: واذا کان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن یراجعها فی العدة وبعد انقضائها، لأن حلّ المحلیة باقٍ، لأن زواله معلق بالطلقة الثالثة.(۲) انتهیٰ.

وکما فی الدر المختار: وینکح مبانة بما دون الثلاث فی العدة وبعدها بالاجماع، ومنع غیره فیها لاشتباه النسب.(۳) انتهیٰ.

[شرح الوقایہ میں ہے: طلاق بائنہ والی سے جوکہ تین طلاقیں نہیں ہیں، عدت کے اندر (رجوع) اوراس کے بعد میں نکاح درست ہے۔ اور ہدایہ میں ہے: جب طلاق بائن بغیر تین کے ہوتو عدت کے اندر اور عدت گذرنے کے بعد رجوع (نکاح) کرنا اس کے لیے جائز ہے، اس لیے کہ محل کی حلیت باقی اور قائم ہے، اس لیے بھی کہ اس کا زوال (ختم ہونا) تین طلاق سے معلق اور وابستہ ہے۔ درمختار میں ہے: مطلقہ بائنہ بما دون الثلاث سے عدت اور اوراس کے بعد بالاجماع نکاح کرسکتا ہے، اوراس میں نسب کے غلط ملط اور اشتباہ سے بچنے کے لیے اس

---

(۱) شرح الوقایة مع عمدة الرعایة، کتاب الطلاق، بیان ما یتعلق بمتعلقة الرجعی من الأحکام: ۲/۱۰۱، مطبوعہ مکتبہ تھانوی دیوبند بلاسنہ

(۲) الهدایة، کتاب الطلاق، باب الرجعة: ۲/۳۹۹ مع حاشیة الامام اللکناوي، یاسر ایںڈ ندیم کمپنی دیوبند، مکتبة البشریٰ لاهور: ۵/۲۲۶، الطبعة الثانیة

(۳) الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب فی العقد علی المبانة: ۵/۲۳، دار الکتب العلمیة بیروت، ۱۴۲۴ھ– ۲۰۰۳م الطبعة الثانیة

کے علاوہ (دوسرے سے نکاح) کو منع کیا گیا ہے۔]

(اور) طلاق مغلظہ کے لیے البتہ حلالہ شرط ہے، واسطے حلال ہونے اوپر زوج اول کے۔ کما قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾(۱)انتھیٰ.

[پھر اگر وہ اس کو طلاق دے دے، تو اس بعد اس کے لیے وہ عورت اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے تعلق نکاح قائم نہیں کر لیتی۔]

اور مراد طلاق سے طلاق ثلاثہ ہے۔ کما فی الهداية:

والمراد الطلقة الثلاثة.(۲)انتھیٰ.

وانْ كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، أو ثنتين في الأمة، لم تحلّ له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها.(۳) هكذا في الهداية.

وفي شرح الوقاية: ولا تحل حرة بعد ثلاث ولا أمة بعد ثنتين حتى يطأها غيره بنكاح صحيح.(٤)انتھیٰ.

وفي تنوير الأبصار [مع الدر المختار]: لا ينكح مطلقة بها أي بالثلاث لو حرة، وثنتين لو أمة، حتى يطأها غيره ولو

---

(۱)البقرة: ۲۳۰

(۲)الهداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ٥/٢٢٦، مكتبة البشرىٰ لاهور، الطبعة الثانية، ١٤٢٨ھ- ٢٠٠٧م

(۳)الهداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ٥/٢٢٥، مكتبة البشرىٰ لاهور، الطبعة الثانية، ١٤٢٨ھ- ٢٠٠٧م

(٤)شرح الوقاية مع عمدة الرعاية، كتاب الطلاق، بيان ما يتعلق بمتعلقة الرجعي من الأحكام: ٢/١٠١، مطبوعہ مکتبہ تھانوی دیوبند بلاسنہ

مراهقاً بنكاح نافذ.(۱)انتهیٰ.

[ہدایہ میں ہے: اور مراد اس سے تین طلاق ہے، اور آزاد عورت میں تین طلاقیں ہوں یا باندی میں دو طلاقیں ہوں تو اس کے لیے حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی سے نکاح صحیح کر لے، اور وہ (شوہر ثانی) اس سے دخول بھی کرے۔ شرح الوقایہ میں ہے کہ حرہ (آزاد) عورت تین کے بعد اور باندی دو کے بعد حلال نہیں یہاں تک کہ اس سے کوئی دوسرا شخص نکاح صحیح کرے۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے: وہ مطلقہ ثلاثہ سے نکاح نہیں کرے گا، اگر حرہ (آزاد) ہے، اور دو طلاق والی سے بھی، اگر وہ باندی ہے، یہاں تک کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس عورت سے نکاح صحیح کرے، اگرچہ وہ مراہق (بلوغت کے قریب) ہو، نافذ ہونے والے نکاح کے ساتھ۔]

واللّٰہ أعلم بالصواب، وعنده أم الكتاب، حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين القطبي حسني الحسيني النصير آبادي تجاوز اللّٰہ عن ذنبه الخفي والمبين.

خط سے وقوعِ طلاق؟

سوال: ایک شخص [نے] ملک برما سے اپنی عورت کو بذریعہ خط ہندوستان کو طلاق لکھ کر روانہ کر دیا ہے، اور وہ عورت کہتی ہے کہ ہم کو بلا قصور طلاق دیا، ہم کہیں نہ جاویں گے، البتہ ہمارا قصور ثابت کریں تو ہم جان سکتے ہیں، بعد ازاں دو چار آدمی ان سے پوچھنے لگے کہ تمہاری عورت نے کیا قصور کیا ہے کہ جو تم نے طلاق دیا ہے، تو پھر کہتا ہے

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب في العقد على المبانة:۵/ ۴۰-۴۱، دار الكتب العلمية بيروت، ۱۴۲۴ھ- ۲۰۰۳م الطبعة الثانية

کہ اس وقت مجھ کو خفگان ہو گیا تھا اور اس کا کچھ قصور نہیں تھا۔ اب آپ سب کوئی جیسا کہیں ویسا کروں۔ اب تو مجھ سے قصور ہو گیا۔

هو المصوب

الجواب: وفی الدر المختار:

ولو كتب على وجه الرسالة والخطاب، كأن يكتب: يا فلانة! اذا أتاكِ كتابي هذا، فأنت طالق، طلقت بوصول الكتاب.(۱)جوهرة، انتهىٰ.

[درمختار میں ہے: اگر وہ خط اور خطاب کے طریقہ پر لکھے، اس طور پر تحریر کرے کہ اے فلانہ! جب میرا یہ خط تجھے پہنچے تو تجھے طلاق ہے، خط کے موصول ہونے کے ساتھ وہ مطلقہ ہو جائے گی۔ کذا فی الجوہرہ۔]

طلاق موقوف قصور وغیر قصور پر نہیں ہے، (اور) لکھنے پر اقبال کیا، اب ایک طلاق دیا یا دو یا تین، بر تقدیر ایک و دو، اندر عدت کے رجعت ہے، رجوع کر لیوے (اور) تین طلاق کی صورت پر مغلظہ [ہے]، بلا حلالہ حلال نہیں ہے۔ قرآن شریف میں ہے:

﴿فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ﴾ (۲)

[پھر اگر وہ اس کو طلاق دے دے، تو اس بعد اس کے لیے وہ عورت اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے تعلق نکاح قائم نہیں کر لیتی۔]

ایک دو میں بعد گذرنے عدت کے بائنہ [ہے] رجعت نہیں، ضرورت نکاح پڑھنے کی پڑے گی۔ فی الدر المختار:

وينكح مبانة بمادون الثلاث في العدة وبعدها بالاجماع،

---

(۱)الدر المختار مع الرد، كتاب الطلاق:٤/٤٥٦، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٤ه-٢٠٠٣م

(۲)البقرة: ٢٣٠

ومنع غيره فيها لاشتباه النسب.(۱)انتهیٰ.

[درمختار میں ہے: وہ (شوہر) اپنی مطلقہ بائنہ غیر ثلاثہ سے عدت کے اندر (رجوع) اوراس کے بعد بالاجماع نکاح کرسکتا ہے، اور دوران عدت (اس شوہر کے علاوہ) دوسرے کے ساتھ نکاح سے اشتباہ نسب کی وجہ سے ممنوع ہے۔]

واللہ أعلم، حررہ الراجی عفو ربہ المتین محمد أمین حسني الحسيني عفي عنه

ایک مجلس میں تین طلاق کا حکم؟

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے حقیقی بھائی سے کہا کہ میں گھر میں نہ رہوں گا، سفر کروں گا، اس نے پوچھا: کیا سبب ہے؟ تب بیان کیا کہ آپ کی اہل خانہ کی چھوٹی ہمشیرہ نے میری ماں بہن کو گالیاں دیں ہیں، مجھے برداشت نہیں، تب اس نے اپنی بی بی سے دریافت کیا، معلوم ہوا کہ فی الحقیقت گالیاں دی ہیں، شوہر نے کہا: مجھ سے کیوں اطلاع نہ کی، عورت نے کہا: مارے خوف کے نہیں عرض کیا، مرد جاہل ناعاقبت اندیش نفس بندہ [نے] طیش [میں آ] کر کے بیساختہ مکرر، سہ کرر، زبان پر لایا کہ ''میں نے تجھے طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا۔ یہ کہہ کر مکان سے باہر آیا، بعد چند عرصہ کے غصہ فرو ہوا، اور شیطان اتر گیا، تب پھر پشیمان وپریشان ہوا، اور استغفار کیا، اب چاہتا ہے کہ پھر وہ عورت بدستور اپنے عقد نکاح میں مسلم رہے، خواہ جرمانہ یا کفارہ یا کسی نوع سے تو بہتر ہے، اس صورت میں کوئی وجہ ہوسکتی ہے کہ بغیر حلالہ اور بغیر دوسرے کے ساتھ نکاح کیے ہوئے، اپنے تحت وتصرف میں رہے؟ بینوا توجروا۔

هو المصوب

جواب: صورت مسئولہ میں جبکہ کلمہ دو طلاق دیا مکرر بلا خطاب تجھے جو اول میں

---

(۱)الدر المختار مع الرد، كتاب الطلاق، باب الرجعة:٥/ ٤٠، المصدر السابق آنفاً

کہا، (اور) ارادہ دو پچھلے کلمہ سے تاکید اول کی قصد کیا، جیسے کہ نہ لانا ''واوعطف'' کا، جس کا ترجمہ اردو میں ''اور'' ہوتا ہے، دلالت کرتا او پرتاکید کے۔ بر تقدیر قصد کرنے کے طلاق رجعی ہوا، اندر عدت اختیار رجعت ہوگا، (اور) غیر مدخولہ ایسی صورت میں بائنہ ہوگی، نکاح سے عورت یعنی زوجہ ہوگی۔ ہدایہ میں ہے:

فان فرّق الطلاق، بانتُ بالأولىٰ، ولم تقع الثانية والثالثة، وذلك مثل أن تقول: أنت طالق طالق طالق......الخ. انتهىٰ(۱)

[اگر لفظ طلاق کو الگ الگ کر کے کہا ہے تو پہلے سے ہی بائنہ ہو جائے گی، اور دوسری اور تیسری طلاقیں واقع نہیں ہوں گی، اور یہ "أنت طالق طالق طالق" کہنے کی طرح ہے۔]

درمختار میں ہے:

كرّر لفظ الطلاق وقع الكل، فان نوى التأكيد دين......انتهىٰ(۲)

[طلاق کے الفاظ کو مکرر استعمال کیا ہے تو کل طلاقیں واقع ہوں گی، اگر تاکید کی نیت کرے تو بھی دیانۃً طلاق واقع ہو جائے گی۔]

ورنہ نہیں یعنی اگر دونوں صورت نہیں بلکہ ثلاثہ سے یعنی تینوں کلمہ سے تین طلاق ارادہ کیا [تو] مغلظہ ہوگا۔ كما في النووي شرح صحيح مسلم:

المراد أن المعتاد في الزمن الأول كان طلقة واحدة، وصار الناس في زمن عمر (رضي الله عنه) يوقعون الثلاث دفعة، فنفّذه عمرُ (رضي الله عنه) فعلىٰ هذا يكون اخباراً عن اختلاف عادة الناس، لا عن تغير حكم في مسئلة

---

(۱) الهداية، كتاب الطلاق، باب ايقاع الطلاق، فصل في الطلاق قبل الدخول: ۱٦٧/۳، مكتبة البشرىٰ كراتشي، الطبعة الثانية ۱٤۲۸ھ- ۲۰۰٧م

(۲) الدر المختار مع الرد، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها: ٥۲۱/٤، دار الكتب العلمية الطبعة الثانية، ۱٤۲٤ھ- ۲۰۰۳م

واحدة. انتهىٰ(۱)

[شرح نووی میں لکھا ہے: مفہوم یہ ہے کہ زمن اول میں عادت ایک طلاق کی تھی، اور لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تین طلاقیں ایک ہی دفعہ میں واقع کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تینوں طلاق نافذ کردی، اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ یہاں (مقصود) لوگوں کے اختلافِ عادت کے بارے میں خبر دینا ہے، نا کہ ایک مسئلہ میں حکم کے بدلنے کے بارے میں بتانا ہے۔]

(اور) مغلظہ میں حکم، نص قطعی قرآنی سے حلالہ کا ہوگا:

﴿فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ﴾ (۲) انتھیٰ

[اگر اس نے عورت کو طلاق دی ہے تو اس کے بعد اس کے لیے وہ عورت اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ عورت کسی دوسرے شوہر سے نکاح (ہم بستری لازمی ہے) نہ کرے۔]

واللّٰہ أعلم، حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز اللّٰہ عن ذنبه الغث والسمين.

ایک مجلس میں تین طلاق اور اس کا شرعی حکم؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے جورو ہندہ سے ایک مجلس میں تین مرتبہ یہ کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی۔ تو اس صورت میں طلاق بائن واقع ہوئی؟ ہندہ زید سے جدا ہوگئی یا اس تین مرتبہ طلاق دفعۃ واحدہ بیچ مجلس واحد کے، کہنے سے صرف ایک طلاق رجعی پڑی؟ زید اپنی زوجہ ہندہ سے رجوع کرے؟ بیّنوا توجروا.

(مرسلہ: نور محمد عطار، از مقام بلیہ)

---

(۱) المنهاج شرح صحيح مسلم للامام النووي، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث: ۴۰۹/۵، دار احياء التراث العربي بيروت بدون السنة (۲) البقرة: ۲۳۰

هو المجیب بالصواب

جواب: درصورت صدق سوال سائل کے اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔قال العيني فى عمدة القارى:

فيه خلاف، فذهب طاؤس و محمد ابن اسحاق والحجاج بن أرطأة [والنخعي] وابن مقاتل والظاهرية الى أن الرجل اذا طلق امرأته ثلاثاً معاً فقد وقعت عليها واحدةً (۱)

(یعنی طاؤس ومحمد بن اسحاق (حجاج بن ارطاة، نخعی، ابن مقاتل اور اصحاب ظواہر) وغیرہ اس جانب گئے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی جورو[بیوی] کو تین طلاق ایک مجلس میں دفعۃً واحدۃً دی، تو اس صورت میں صرف ایک طلاق واقع ہوئی)۔

واحتجّ هؤلاء بحديث ابن عباس الذى رواه مسلم فى صحيحه بهذا الاسناد، حدثنا اسحاق بنُ ابراهيمَ أخبرنا روح بنُ عبادةَ أخبرنا ابنُ جريج، ح: وحدثنا ابنُ رافع—و اللفظ له— حدثنا عبدُ الرزاق: أخبرنا ابنُ جريج : أخبرني ابنُ طاؤس عن أبيه؛ أنّ أبا الصهباء قال لابن عباسٍ: أتعْلَمُ أنّمَا كانت الثلاث تُجْعَل واحدةً علىٰ عهد النبى (صلى الله عليه وسلم) وأبى بكرٍ رضي الله عنه، وثلاثاً من امارة عمر رضي الله عنه؟ فقال ابن عباس: نعم. (۲)فثبت بهذا

(۱)عمدة القارى شرح صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث لقوله تعالى:﴿الطلاق مرتان، فامساك بمعروف أو تصريح باحسان﴾(۲۰/۲۳۳، دار احياء التراث العربي بيروت)

(۲)صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، رقم:۱۴۷۲. وسنن أبى داؤد، كتاب الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، رقم:۲۲۰۰، دار السلام للنشر والتوزيع الرياض

الحدیث أن الطلاق وقع واحدة فی سوال هذه المسئلة.

[ان حضرات نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جس کو امام مسلمؒ نے اس سند سے اپنی صحیح میں روایت کی ہے، اسحاق بن ابراہیم نے ہمیں بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ان کو روح بن عبادہ نے، ان کو ابن جریج نے، (تحویل سند) اور ہمیں ابن رافع نے بیان کیا ہے، الفاظ ان کے ہیں، ان کو عبدالرزاق نے اور ان کو ابن جریج نے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا کہ مجھے ابن طاؤس نے اپنے باپ سے بیان کیا کہ ابوالصہباء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ کیا آپ کو علم ہے کہ تین طلاقیں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی تین سال میں ایک تھی؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ہاں۔ چنانچہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اس مسئلہ میں ایک طلاق واقع ہوئی۔]

جب ثبوت وقوع ایک طلاق کا ہوا، تو زید اپنی بیوی ہندہ سے اندر عدت کے رجوع کر لیوے، کیونکہ یہ ایک طلاق رجعی ہے، ظاہر ہے کہ زوجہ ایک طلاق سے بائن نہیں ہوتی۔

واللہ اعلم بالصواب، حررہ: احمد حسن مچھلی شہری

[دوسرا جواب]

مجیب نے اوپر کتابیں مذکورہ سے اس سوال کے جواب میں تحریر کیا ہے مطابق انہیں روایات کے میرا بھی یہی مسلک ہے، اور مجیب نے جو لکھا وہ صحیح ہے، مگر واضح رہے کہ اگر عدت اس عورت مطلقہ کی جو تین حیض ہے گذر گئی ہو، تو نکاح جدید کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اگر عدت کے اندر ہے تو اس کو چاہیے کہ بلا نکاح اس عورت سے رجوع کرے یعنی کہے کہ میں رجوع کرتا ہوں، اور اس کے ساتھ شب باشی کرے، نکاح جدید کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ لیکن وہ مرد ایک طلاق دے چکا،

مالک صرف دو طلاق کا رہ گیا، اب اس کو اگر دو طلاق دے گا دو طہر میں، تو وہ عورت بائن ہو جائے گی، بلا حلالہ کیے ہوئے اس عورت سے نکاح اس مرد کا جائز نہ ہوگا۔ اور حلالہ کے یہ معنی ہیں کہ جو عورت طلاق بائن دی جائے تو اسکو چاہیے کہ دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر لے، اور جو شخص کہ جس کے ساتھ نکاح کیا ہے بعد جماع کے طلاق دے، تو بعد گذرنے کے عدت کے پھر شوہر اول کے ساتھ نکاح اس کا، جائز ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ: محمد کریم عرف کریم بخش صدیقی محمدی

هو المصوّب

صورت مسئولہ میں عند الاحناف طلاق ثلاثہ واقع ہوں گی، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک موافق مجیب اول طلاق واحد واقع ہوئی، واللہ اعلم بالصواب۔ ابوالخیر محمد مکی فاروقی محمدی حنفی جونپوری عفی عنہ

هو المصوّب والله يقول الحق وهو يهدى السبيل

مسئلہ مسئولہ میں یعنی جو آدمی تین طلاق دیوے، اور ارادہ اس کا دونوں مرتبہ پچھلے سے تاکید پہلے کی مراد نہ ہو بلکہ مقصود تین سے تین ہو، بس ایسی صورت میں۔ بمذہب جمہور صحابہ و تابعین وائمہ اربعہ واکثر مجتہدین و بخاری و جمہور محدثین۔ تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ جیسا کہ کہا امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم میں:

> وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته: أنت طالق ثلاثاً، فقال الشافعي ومالك وأبو حنيفة وأحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف: يقع الثلاثُ. وقال طاؤس وبعض أهل الظاهر: لا يقع بذلك الا واحدةً، وهو رواية عن الحجاج ابن أرطأة ومحمد بن اسحاق، والمشهور عن الحجاج ابن أرطأة أنه لا يقع به شيء، وهو قول ابن مقاتِل، ورواية عن محمد بن اسحاق. (۱) انتهىٰ.

---

(۱) المنهاج شرح صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث: ٤٠٩/٥، تحقيق: الشيخ عرفان العشا حسونة، [الطبعة الأولىٰ ١٤٢٠هـ-٢٠٠٠م] دار احياء التراث العربي بيروت

[علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جس نے اپنی عورت سے کہا: تجھے تین طلاق ہے۔ تو امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور علمائے سلف وخلف نے فرمایا کہ تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور طاؤس اور بعض اہل ظواہر نے کہا کہ اس سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور یہ حجاج بن ارطاۃ، محمد بن اسحاق سے روایت ہے، اور حجاج بن ارطاۃ سے تو یہ بھی منقول ہے کہ اس سے کچھ بھی (ایک بھی طلاق) واقع نہیں ہوگی۔ اور یہ ابن مقاتل کا قول ہے، اور ایک روایت محمد بن اسحاق کی بھی یہی ہے۔]

البتہ بوجہ ارتکاب خلاف طریقہ شرعیہ کے گناہ لازم ہوگا۔ کما فی مؤطا الامام مالك:

أنه بلغه أنّ رجلاً قال لعبد الله بن عباسٍ: انّی طلّقت امرأتی مائة تطليقةٍ، فماذا ترى عليّ؟ فقال له ابن عباسٍ: طلّقتْ [منكَ] بثلاثٍ، وسبع و سبعون اتخذتَ [بها] آيات الله [هزواً] (لعباً ولهواً).(۱) انتهىٰ.

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ در مصفی شرح مؤطا تحت ایں حدیث فرمودہ، ہکذا عبارتہ مروی، گفت عبداللہ ابن عباس را آنکہ طلاق دادم زن خود را صد طلاق، پس چہ می بینی بر من؟ پس گفت اورا عبداللہ بن عباس: مطلقہ شد از تو بسہ (۳/) طلاق، ونود وہفت تمسخر کردی باں آیات خدا تعالیٰ را۔ انتہیٰ.

[حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس حدیث کے تحت مصفی شرح مؤطا میں فرمایا ہے، اسی طرح اس کی عبارت مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی عورت کو سو طلاقیں دیں، تو

---

(۱) مؤطا الامام مالك بن أنس المدني، كتاب الطلاق، ما جا في البتة (ان طلّق بكلمة واحدة ثلاثاً أو أكثر وقعت الثلاث) رقم: ۱۱۲۱، المكتبة الأشرفية بديوبند، الطبعة الهندية

میرے بارے میں آپؓ کا کیا خیال ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا: تین طلاق سے وہ تجھ سے مطلقہ ہوگئی، اور ستانوے سے تو نے آیات الٰہی کا مذاق اڑایا۔]

اور[یہ] بھی اسی مؤطا میں ہے:

مالك أنه بلغه أنّ رجلاً جاء الى عبد الله بن مسعود، فقال: انّي طلّقتُ امرأتي ثمانيَ تطليقاتٍ، فقال ابن مسعود: فماذا قيل لك؟ قال: قيل لي انّها [قد] بانتْ منّي. فقال ابن مسعود: صدقوا. من طلّق كما أمره الله تعالىٰ، فقد بيّن الله له. ومن لبَسَ على نفسه لبساً، جَعَلْنا لَبْسَه [مُلصَقاً] به. لا تلبسوا على أنفسكم و نتحمّلُه عنكم. هو كمَا يقولون. (١) انتهىٰ.

[مالک فرماتے ہیں: ان کو یہ روایت پہنچی کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا، اس نے کہا کہ میں نے اپنی عورت کو آٹھ طلاقیں دیں، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: تجھے کیا حکم دیا گیا ہے؟ اس نے کہا: مجھے یہ کہا گیا ہے کہ بلاشبہ وہ مجھ سے بائنہ ہوگئی، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: سچ کہا۔ جو حکم الٰہی کے مطابق طلاق دے گا، تو اللہ تعالیٰ (عورت کو) اس سے الگ کرے گا، اور جو اپنے اوپر معاملہ کو مشتبہ کرے گا تو ہم اس کے مشتبہ معاملہ کو اس کے ساتھ کر دیں گے، تم لوگ اپنے اوپر معاملہ کو خلط ملط نہ کرو کہ ہم بعید از کار تاویل کا سہارا لے کر تم سے اس کا بوجھ اٹھائیں، وہ (حکم اور فتویٰ) وہی ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ تین طلاقیں واقع ہوں گی۔]

اور سنن ابی داؤد میں ہے:

(١) مؤطا الامام مالك بن أنس المدني، كتاب كتاب الطلاق، ما جا في البتة (ان طلق بكلمة واحدة ثلاثاً أو أكثر وقعت الثلاث) رقم:١١٢٢، المكتبة الأشرفية بديوبند، الطبعة الهندية

طلّق رجلٌ امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها. ثم بدأ له أن ينكحها، فجاء يستفتي [فذهبت معه أسأل له] فسأل عبد الله ابن عباس وأبا هريرة عن ذلك؟ فقالا: لانرى أن تنكحها حتیٰ تنكح زوجاً غيرَك. قال: فانّما طلاقيُ ايّاها واحدةٌ، فقال ابن عباس: انّك أرسلتَ [من يدك] ما كان لك من فضل.(۱)انتهیٰ.

[ایک شخص نے اپنی عورت کو اس سے دخول (ہم بستری) سے قبل تین طلاق دی، پھر اسے سوجھی کہ اس عورت سے نکاح کرے، تو وہ فتویٰ لینے آیا، پس میں اس کے ساتھ اس کے متعلق سوال کرنے گیا، اس نے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے اس کے بارے میں پوچھا، تو دونوں حضرات نے فرمایا: تمہارا اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت تیرے علاوہ کسی اور شوہر کے نکاح (یاد رہے کہ حلالہ میں جماع وہم بستری شرط ہے) میں آئے، اس نے کہا: میرا ارادہ صرف ایک طلاق کا تھا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: بیشک تو نے اپنے ہاتھ سے اس کو چھوڑ دیا جو تیرے لیے زیادہ تھا یعنی اگر ایک طلاق دیتا تو مزید طلاق دینے کا حق تجھ کو رہتا۔]

اور مصنف عبدالرزاق میں [حضرت] عبادۃ بن الصامت سے مروی ہے:

انّ أباه طلق امرأة ألف تطليقة، فانطلق عبادة فسأل عنه؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بانت بثلاث في معصية الله، ولقي تسع مائة وسبعة وتسعون عدواناً و

---

(۱) ابوداؤد میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نہیں ہے، اگرچہ اس مفہوم کی احادیث ہیں، البتہ مؤطا امام مالک میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے، ملاحظہ ہو: كتاب الطلاق، باب ما جاء في طلاق البكر (اذا طلق امرأة لم يمسها تطليقة واحدة بانت، واذا طلق الرجل ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيره) رقم:۱۱۵۷

ظلماً، انْ شاء عذّبه، وان شاء غَفر لهٗ.(۱)

[بیشک اس کے باپ نے (اپنی) عورت کو ایک ہزار طلاق دی، حضرت عبادہ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ تین سے بائنہ ہوگئی، اور نو سو ستانوے ظلم وزیادتی اور گناہ کیا، اگر وہ چاہے گا تو عذاب دے گا، اور اگر چاہے گا اس کی مغفرت کرے گا۔]

اور ایسے ہی حکم حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ سے [امام] وکیع نے روایت کیا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسی امر پر اہتمام کرنا اور تینوں طلاق کے وقوع کا حکم دینا اگرچہ ایک جلسہ میں ہوں، صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہے، اور یہی قول، موافق ظاہر قرآن کے ہے۔ کما قال ولي الله المحدث الدهلوي في المسوّیٰ علی المؤطا:

فان طلّقها ثلاث تطليقات متفرقات كان حكمه واضحاً، وكذا انْ طلّق طلقة واحدة، فانْ جمع بين التطليقات الثلاث أو أكثر في كلمة واحدة تعارض في ذلك وجهان؛ أحدهما: أنه أرسلها دفعة وأتى بها مرة، فتكون تطليقة واحدة رجعية لقوله تعالیٰ ﴿الطَّلاَقُ مَرَّتَانِ﴾(۲)

---

(۱) مصنّف عبد الرزاق، رقم: ۱۱۳۳۹/ تحقيق: الشيخ المحدث حبيب الرحمٰن الأعظمي (المجلس العلمي–الهند، الطبعة الأولیٰ، ۱۳۹۲ھ- ۱۹۷۲م) کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"عبد الرزاق قال: أخبرنا يحيیٰ بن العلاء عن عبد الله ابن الوليد العجلي عن ابراهيم عن داؤد بن عبادة بن الصامت قال: طلق جدّي امرأة له ألف تطليقة، فانطلق الی رسول الله صلی الله عليه وسلم فذكر ذلك له، فقال النبي صلی الله عليه وسلم: أمّا اتقی الله جدُّك، أمّا ثلاثٌ فله، وأمّا تسع وتسعون فعدوانٌ وظلمٌ، ان شاء الله تعالیٰ عذّبه، وان شاء غفر له".

اور مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی انہی الفاظ کے یہ روایت موجود ہے۔

(۲) البقرة: ۲۲۹

وثانيها: أنه أجمل التطليقات الثلاث في كلامه وأراد اختصار ما كان بيده من التطليقات فكأنه قال: أنت طالق ثلاث مرات، وهو معنىٰ قول ابن عباس؛ انّك أرسلتَ من يدك ما كان لك من فضل، فتكون محرمة لا تحل الا بزوج، فهذا هو اللبس الذي اقترفه على نفسه، ثم نظرنا في القياسين فوجدنا الثاني أرجَحَهُما، لأنّه صريحٌ كلامه ومنطوقٌ خطابه، فتركنا التأويل البعيد ورجعنا الى المنطوق، فجعلناها ثلاثاً وهو قوله "[هو] كما تقولون".(۱)

[حضرت ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''المسوىٰ شرح مؤطا'' میں لکھا ہے: اگر اس نے اپنی بیوی کو الگ الگ تین طلاقیں دی ہے، تو اس کا حکم ظاہر وواضح ہے، اور اسی طرح (اس کا حکم کا بھی واضح ہے) اگر اس نے ایک طلاق دی ہے۔ اگر اس نے تین طلاقوں اور زیادہ کو ایک کلمہ میں جمع کیا ہے تو اس میں دو صورتیں ہیں:

(۱) ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تینوں طلاقیں ایک ہی دفعہ میں دی اور ایک ہی بار میں اس کو لے آیا، تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "طلاق دو بار ہے"۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے تین طلاق کو اپنے کلام میں مجمل رکھا، اور ارادہ اس کے اختصار کا ہے جو اس کے ہاتھ میں مزید طلاقوں کا اختیار ہے گویا کہ اس نے کہا: "أنت طالق ثلاث مرات" یہ حضرت ابن عباسؓ کے قول کا معنیٰ ہے کہ تو نے اپنے ہاتھ

---

(۱) المسوىٰ شرح الموطا للامام مالك، كتاب النكاح، باب ان طلق بكلمة واحدة ثلاثاً أو أكثر وقعت الثلاث: ۲/۱۵٦، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولىٰ ۱٤۰۳ھ- ۱۹۸۳م، توزيع: دار الباز، مكة المكرمة

سے اس کو چھوڑ دیا جو تیرے لیے باقی تھے۔ چنانچہ وہ حرام ہوگی، وہ حلال نہیں ہوگی مگر دوسرے زوج (شوہر) سے، تو یہ وہی التباس ہے جس سے اس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، پھر ہم نے اصحاب قیاس کو دیکھا تو دوسرے قول کو ارجح (زیادہ قابل ترجیح) پایا، اس لیے کہ اس کا کلام صریح ہے، اس کا خطاب ناطق ہے، پس ہم نے تاویل بعید کو ترک کر دیا، اور منطوق کی طرف رجوع کیا تو ہم نے اس کو تین بنایا ہے، اور یہی قول "ھو کما تقولون" ہے۔]

باقی وہ حدیث [ہے] جو صحیح مسلم میں مروی ہے:

كان الطلاق علىٰ عهد النبي صلى الله عليه وسلم وأبى بكر (رضي الله عنـه) وسنتين من خلافة عمر (رضي الله عنه)، طـلاقُ الثـلاثِ واحـدةً، فقال عمر بنُ الخطّاب (رضي الله عنـه): انّ الـناسَ استعجلوا فى أمر [قد] كانت لهم فيه أناةٌ، فلو أمضيناهُ عليهم فأمضاهُ عليهم.(۱)

[طلاق (تین طلاقیں) عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، اور خلافت صدیقی اور خلافت عمری کے ابتدائی دو سالوں میں ایک طلاق تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیشک لوگوں نے ایک ایسے معاملہ میں جلدی کی کہ ان کے لیے اس میں مہلت اور انتظار تھا، تو ہم اس کو ان پر جاری کر دیں (تو مناسب ہے) تو آپؓ نے اس کو ان پر لاگو کر دیا یعنی ایک بارگی کی تین طلاق دینے سے تینوں واقع ہوں گی۔]

پس اس کی تاویل جمہور محدثین وفقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ اوائل میں تین مرتبہ طلاق کے لفظ کہتے تھے تو اس سے تاکید منظور ہوتی تھی اس وجہ سے وہ ایک طلاق ہوتا تھا،

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، رقم: ۱۴۷۲، دار السلام، الرياض

نہ یہ کہ تین لفظ سے تین طلاق بھی مقصود ہوں، پھر وہ ایک ہی ہوئی۔ كما ذكره النووي:

المراد أن المعتاد في الزمن الأول كان طلقةً واحدةً، وصار الناس في زمن عمر رضي الله عنه يوقعون الثلاث دفعة، فنفذه عمر رضي الله عنه. فعلىٰ هذا يكون اخباراً عن اختلاف عادة الناس [لا عن] تغير حكم في مسئلة واحدة. انتهىٰ. (۱) وكذا ذكره ابن الهمام وغيره.

[امام نوویؒ نے ذکر کیا ہے کہ اس کی مراد یہ ہے کہ دور اول میں عادت ایک طلاق کی تھی، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ تین طلاق کو ایک ہی دفعہ میں دینے لگے، تو آپؓ نے تین نافذ کیا، پس اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں لوگوں کے اختلاف عادت کے بارے میں خبر دینا (مقصود) ہے، نہ کہ ایک مسئلہ میں حکم کے بدلنے کا۔ اور اسی طرح (علامہ) ابن ہمام وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔]

والله أعلم بالصواب، وعنده أم الكتاب، واليه المرجع والمآب، حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين. فقط

طلاق مغلظہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس بارے میں کہ ایک شخص مسمی ''صوفی'' نے اپنی زوجہ منکوحہ مسماۃ ''سجریا'' کو تینوں طلاق اس طرح پر دیا [کہ] عرصہ تخمیناً ڈھائی برس کا ہوا کہ میاں بی بی نے آپس میں خانگی طور پر جھگڑا وفساد کیا، اور اس غصہ کی حالت میں ایک طلاق دے دیا، اور اس وقت مسماۃ مذکورہ حیض سے تھی، اور

(۱) المنهاج شرح صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث: ٥/٩٠٤، دار احياء التراث العربي بيروت، تحقيق: الشيخ عرفان العشا حسونة

عرصہ تخمیناً نو دس مہینہ کا ہوا کہ پھر اسی طور [پر] جھگڑا وفساد میں پھر ایک اور طلاق دیا، اور عرصہ پانچ روز کا ہوا کہ پھر آپس میں مرد وعورت نے جھگڑا کیا، اور اسی غصہ کی حالت میں ایک اور طلاق دیا، اور دو گواہ دروازے پر سے پکار کر طلاق دیا، مگر گواہ کہتے ہیں [کہ] ہم لوگوں نے نہیں سنا ہے۔ اور پہلے اور دوسرے میں گواہ نہیں۔ لہذا طلاق ہوا یا نہیں؟ اور اگر ہوا تو کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

هو الموفّق

جواب: احناف کے نزدیک طلاق مغلظہ ہوا۔ بلا حلالہ حلال نہیں۔ مستدل ہیں بآیت کریمہ:

﴿فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ﴾ (۱)

[اگر اس نے عورت کو طلاق دی ہے، تو اس کے بعد اس کے لیے وہ عورت اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ عورت کسی دوسرے شوہر سے نکاح (ہم بستری شرط ہے) نہ کرے۔]

(اور) طلاق بتا کر کے حدیث "امرأۃ رفاعۃ" (۲) کے متمسک ہیں۔

والله أعلم، وعلمه أتم وأحكم، كتبه محمد أمين حسني الحسيني عفا الله عنه سيئاته، وغفر الله [له] معصياته.

---

(۱) البقرة: ۲۳۰

(۲) صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من جوز الطلاق الثلاث لقول الله تعالىٰ ﴿الطلاق مرتان، فامسال بمعروف أو تسريح باحسان﴾ (البقرة: ۲۲۹)، رقم: ۵۲۶۰، ۵۲۶۱، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها حتى تنكح زوجاً غيره ويطأها، ثم يفارقها، وتنقضي عدتها، رقم: ۱۴۳۳، سنن الترمذي، أبواب النكاح، باب ما جاء فيمن يطلق امرأته ثلاثاً فيتزوجها آخر فيطلقها قبل أن يدخل بها، رقم: ۱۱۱۸، سنن النسائي، كتاب الطلاق، الطلاق للتي تنكح زوجاً ثم لا يدخل بها، رقم: ۳۴۳۶، ۳۴۳۷، طلاق البتة، رقم: ۳۴۳۸، ۳۴۳۹، ۳۴۴۰-۳۴۴۲، سنن ابن ماجة، أبواب النكاح، باب الرجل يطلق امرأته ......الخ، رقم: ۱۹۳۲، ۱۹۳۳

حلالہ میں ہم بستری شرط ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت منکوحہ کو طلاق دیا، بعد طلاق کے تا اختتام عدت اس عورت کو اپنے مکان پر محض اپنے قبضہ میں رکھا، اور نان ونفقہ خود دیتا رہا، بعد گذرنے ایام عدت کے اس عورت کا نکاح اپنے ایک نوکر سے- جو گونگا وبہرا بھی ہے، اور کوئی وارث بھی نہیں ہے- کردیا، اور نکاح کرنے کے بعد بھی اپنے ہی قبضہ سے ایک دوسرے مکان میں اس عورت کو رکھا کہ جہاں گونگا مذکور جا نہیں سکتا، اور نہ خلوت صحیح ہوئی، اور نہ نان ونفقہ اس گونگے سے اس عورت کا نہ ادا ہوسکا اور اس عورت پر اس کا کسی طرح کا قبضہ یا تصرف ہوا- نکاح کے ایک ہفتہ یا عشرہ کے بعد اس گونگے سے طلاق دلا کر وہ شخص یعنی قدیم شوہر اس کا یعنی عورت کا پھر اپنے مکان پر لے گیا، اور بدستور قدیم اپنے ہی قبضہ میں رکھے [ہوا] ہے تو اس صورت میں وہ شخص بموجب شریعت کے اس عورت مذکور کو اپنے مکان پر رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس سے نکاح ثانی اپنا، کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور گونگا مذکور سے خلوت صحیحہ کے ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہوئی- جیسا حکم شریعت شریف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو، ویسا جواب ملے- فقط والسلام-

هو المصوب

جواب: ایسی صورت میں حلالہ صحیح نہیں ہوا- (اور) شوہر اول سے نکاح نہیں ہوسکتا کہ صحبت داری شرط ہے- کما فی الحدیث:

> انّ رفاعة بنَ سموأل طلّق امرأته تميمة بنت وهب فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم [ثلاثاً]، فنكحت عبد الرحمٰن بن الزبير، فاعترض عنها، فلم يستطع أن يمسّها. ففارقها. فأراد رفاعةُ أن ينكحها وهو زوجها الأول الذى كان طلّقها. فذكر [ذلك] لرسول الله صلى الله عليه

وسلم، فنهاه عن تزويجها. وقال: لا تحل [لك] حتىٰ تذوق العُسَيلة.(١)انتهىٰ. كذا رواه مالك فى المؤ طا.

[حدیث شریف میں ہے کہ [حضرت] رفاعہ بن سموأل نے اپنی بیوی تمیمہ بنت وہب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تین طلاقیں دیں، تو انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر سے نکاح کر لیا، وہ ان سے روک رہے، اور ہم بستری پر قادر نہیں ہوئے، تو انہوں نے ان کو طلاق دے دی، رفاعہ نے ان سے نکاح کرنا چاہا، اور یہ ان کے پہلے شوہر تھے جنہوں نے طلاق دی تھی، چنانچہ انہوں [حضرت رفاعہ] نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں ذکر کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کرنے سے روکا، اور فرمایا: وہ تمہارے لیے جائز نہیں ہے یہاں تک کہ مٹھاس کو چکھ لے یعنی دوسرے شوہر سے بعد نکاح جنسی تعلق قائم کرلے۔]

رقمه محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين. فقط

ناشزہ عورت کا شرعی حکم؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ بابت طلاق دینے ایک ایسی عورت کے کہ جو اطاعت مرد کی نہ قبول کرے، اور بدمزاجی اور بلا مرضی وبلا اجازت کے دوسروں کے گھروں پر دن یا رات میں آمد ورفت رکھے، مرد کو گالیاں دے (اور) کوسا کرے، اور مرد کی پہلی زوجہ کی اولاد کو گالیاں دے، اور کوسا کرے، اور اسباب مرد کا بلا مرضی واجازت اس کی، اپنی صرف میں لاوے، یا ان کو چھپا کر اپنے عزیزوں یا غیروں کو تقسیم کردے، یا فروخت

(١)مؤطا الامام مالك، كتاب النكاح، باب نكاح المحلل وما أشبهه، رقم: ١٠٨٠

کر ڈالے، اور بدخواہی کیا کرے، اور مرد کی غیبت کیا کرے، روٹی نہ پکاوے، کھانا نہ کھلاوے، مرد کی چارپائی نہ بچھاوے، پانی نہ پلاوے، بچھونا نہ بچھاوے، مکان میں جھاڑو نہ دے، برتن نہ مانجے، بحالت غریبی مرد اپنے، کی وسعت نہ ہونے کے ان سب کا منھ سے عار رکھے، مزاح کرے، عمدہ کھانا، عمدہ کپڑا خلاف حیثیت مرد کے طلب کرے، پلنگ پر رات دن بچھونا بچھائے بیٹھی رہے، اور موقع پا کر مرد کے گھر، ستی کے کپڑے، یا زیور جو زوجہ سابقہ کی دختران کی شادی کے لیے بنام زد جہیز کے، (اور) یا ظروف رکھے ہوئے ہوں کنجی قفل میں لگا کر آنکھ مرد کی بچا کر نکال لیوے، اور پٹاریاں سے پان کی (اور) خاصدان و روپیہ چرا لیوے۔

ایسی عورت کی مفارقت بذریعہ طلاق کے بابت کیا علماء فرماتے ہیں، ایسی عورت نافرمان کے ساتھ کیا برتاؤ مرد کو لازم ہے؟ یعنی یہ سب مصیبت و تکلیفات اٹھاتا رہے یا علاحدہ کی فکر کرے کہ جس سے کوئی صورت راحت کی نہیں، اور مرد [کے] ساتھ بدمزاجی اور فحش بکنے سے پیش آوے، لام کاف یعنی کلمات گالی کے نکالے اور گالیاں بے حد و بے شمار دیوے، اس کے ساتھ میں کیا کیا جاوے؟ اور مرد اپنے اوقات کے موافق کھانا کپڑا دینے کو موجود ہے، اور عورت کی تمام بے اعتنائی مذکورہ بالا ہے، بوجہ بدمزاجی و بدخلقی و شرارت و عادت خراب کے مرد کے کپڑا سینے میں کراہیت [محسوس] کرے، دوسروں کے خوشی سے سیتی رہے، اور اس عورت کو حکم خدا اور رسول کی بخوبی آگاہ کیا گیا، (اور) کتابیں دین کی سنائی گئیں ہیں لیکن اثر پذیر و عمل نہیں۔ فقط

هو المصوب

جواب: اگر عورت سمجھانے و بجھانے سے (اور) بستر سے جدا سلانے (اور) زجر و توبیخ و تنبیہ دینے، مارنے سے، راہ راست پر نہیں آتی (اور) اطاعت شوہر بحکم خدا اور رسول علیہ السلام جو فرض ہے بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہوں، اس اطاعت کو قبول نہیں کرتی، طرفین سے ایک ایک حکم اٹھائے جاویں تا کہ صورت اصلاح کی بن

جاوے، ورنہ مرد کو اختیار بروئے شرع پہنچتا ہے کہ صورت مستفسرہ میں فرقت کرے (اور) طلاق دیوے۔ مرد کو شارع نے اختیار دیا ہے:

﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾(۱)

[دستور کے مطابق روک لے یا سلوک کر کے رخصت کردے۔]

اور حق تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ......الآية﴾(۲)

[جن عورتوں کی بدخوئی کا تمہیں ڈر ہو تو ان کو سمجھاؤ، اور ان کے بستر الگ کردو، اور ان کو تنبیہ کرو، پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان کے خلاف کسی راستہ کی تلاش میں مت پڑو۔]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَماً مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحاً يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ......الآية﴾ (۳)

[اور اگر تمہیں ان دونوں کے آپس کے توڑ کا ڈر ہو تو ایک فیصلہ کرنے والا مرد کے خاندان سے اور ایک فیصلہ کرنے والا عورت کے خاندان سے کھڑا کرو، اگر وہ اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں میں جوڑ پیدا فرمادے گا۔]

والله أعلم، وعلمه أتم وأحكم، رقمه محمد أمين حسني الحسيني عفا الله عنه ذنوبه، وستر عيوبه.

شہادت نسواں اور طلاق؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس بات کے [جزء

(۱) البقرة: ۲۲۹ (۲) النساء: ۳۴ (۳) النساء: ۳۵

اول] کہ زید نے اپنی بی بی کو چار طہر میں چار طلاقیں دیں، دو طلاق کا اقرار زید خود کرتا ہے، اور باقی دو کی نسبت کہتا ہے کہ مجھ کو خیال نہیں ہے، طلاق ثالث ہونے پر زید کے والد مرحوم نے اپنی لڑکی اور داماد سے نیز احباب سے کہا کہ آج میرے لڑکے زید نے اپنی عورت کو تین طلاقیں پوری کر دیں، اور پھر بھی اس عورت کو رکھے ہوئے ہے، اب اس کے یہاں کھانا پینا حرام ہے، دیگر یہ کہ طلاق ثالث کے شاہد کا انتقال ہو گیا، مگر اظہار ذیل سے ثبوت پایا جاتا ہے۔

(۱) ثبوت طلاق ثالث کا [یہ ہے کہ] زید کا حقیقی چھوٹا بھائی بیان کرتا ہے کہ میری ماں نے بیان کیا کہ زید نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں۔

(۲) ثبوت دوم: خالد نے کہا کہ میں نے اپنی بی بی سے سنا کہ زید نے اپنی زوجہ کو چار طلاقیں دیں، ان کی بی بی نے کہا کہ میری ماں نے بیان کیا ہے، اور ان کی ماں نے کہا کہ زید کی چھوٹی بہن ہندہ نے بیان [کیا] کہ مجھ سے ماں نے بیان کیا، اور میرے باپ نے بیان کیا کہ زید [نے] اپنی بی بی کو تین طلاقیں دیں، اور اسے رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کے یہاں کا اکل و شرب جائز نہیں۔

(۳) ثبوت سوم: خالد مذکورہ بالا نے بیان کیا کہ بکر کی بڑی بہن نے بموجودگی بکر کے، بیان کیا کہ میں نے اپنی چھوٹی بہن سے سنا کہ کہتی تھی کہ میں عمرو کی نہر گئی ہوئی تھی تو اس کی بی بی نے مجھ سے کہا کہ میرے میاں نے بیان کیا ہے کہ زید نے اپنی عورت کو تینوں طلاقیں دے دیں، مگر ہم لوگ بچوں کے لحاظ سے چھپاتے ہیں، اس واقعہ کو چار شخص معتبر نے ہندہ سے دریافت کیا تو صحیح پایا۔

(۴) ثبوت چہارم: زید کا حقیقی سالا ولید نے کہا کہ اس وقت میری بہن حالت حیض میں تھی، میں نے ایک مفتی صاحب سے دریافت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ حیض کی طلاق واقع نہیں ہوئی، بموجب شریعت کے یہ اظہار قابل تسلیم ہے یا نہیں؟ طلاق چوتھا زید نے اپنی زوجہ کو اپنے سسرال میں ایک طلاق دی جس کی چھ

شہادتیں موجود ہیں، دریں صورت زید کی بی بی، زید کے نکاح میں ہے یا خارج ہوگئی؟ اور اگر خارج ہوگئی تو زید اپنے ساتھ مکرر نکاح کس صورت سے کرسکتا ہے یا نہیں؟ بموجب کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے تحریر فرمائیے۔

[جزء دوم] ایک مفتی صاحب نے ثبوت تیسرا جو کہ اظہار ہے اس کو مہمل اور مختل ٹھہرایا، اور طلاق چہارم کے شاہدین کو طلب نہیں فرمایا، صرف زید کی دو طلاق کے اقرار پر حکم فرمادیا کہ زید کی بی بی، زید کے نکاح سے باہر نکل گئی، مگر پھر نکاح کرسکتا ہے۔ چنانچہ نکاح ثانی کردیا اور پانچ روپیہ جرمانہ [ادا] کیا، سو یہ فیصلہ بموجب کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے یا کہ نہیں؟ اور مفتی صاحب نے اور طلاقوں کا ثبوت طلب نہیں کیا، تو حق کیا یا ناحق؟ بینوا تو جروا بغیر حساب۔

هو المصوب

جواب: [جزء اول] برتقدیر صدق سوال وبیان نفس الامری (اور) واقعی بلا دغل وفصل، دو طلاق جس کا اظہار واقرار زید کو [ہے] باقی کی نسبت عدم خیال۔ (اور) جملہ ثبوت کے باب میں شہادت تنہا ایک عورت یا مرجع ایک عورت کی جانب ہوتا ہے، کہیں لڑکی، کہیں ماں، کہیں کسی کی بی بی۔ اولاً کسی عورت کی گواہی مقبول نہیں، دو عورت کی گواہی بمنزلہ ایک مرد کی ہے، (اور) تنہا عورت کی گواہی کافی نہیں۔ آیت قرآن [ہے]:

﴿وَاسْتَشْهِدُواْ شَهِيدَيْنِ من رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾ (۱)

[اور تم اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ بنالو، اگر دونوں مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہی سہی، یہ گواہان تمہارے پسند کے لوگوں میں سے ہوں۔]

---

(۱) البقرۃ: ۲۸۲

وفی الدر المختار:

ولم تقبل شهادة أربع بلا رجل. انتهیٰ(۱)

[اور درمختار میں ہے: چار عورتوں کی گواہی بغیر آدمی کے قبول نہیں ہے۔]

ہاں جس طلاق میں چھ شہادت ہیں اس وقت طلاق ثلاثہ ہوں گی، بس اس وقت میں حکم [حلالہ] کا ہوگا:

﴿فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ﴾ (۲)

[اگر اس نے عورت کو طلاق دی ہے اس کے بعد اس کے لیے وہ عورت اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ عورت کسی دوسرے شوہر سے نکاح (ہم بستری لازمی ہے) نہ کرے۔]

[جزء دوم] ایسی حالت میں جرمانہ وغیرہ خلاف کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

واللّٰہ أعلم، وعلمه أتم وأحکم، حرره الراجی عفو ربه المتین محمد أمین حسني الحسیني عفا اللّٰه عنه ذنوبه ومحا اللّٰه عنه عیوبه.

طلاق رجعی اور اس کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی مسماۃ مریم کو [بحالت] غصہ دو مرتبہ طلاق دیا اس الفاظ کے ساتھ کہ چمرو کی لڑکی مریم نامی کو ہم نے طلاق دیا، دو مرتبہ اسی الفاظ سے کہا بمقابلہ گواہوں کے۔

اب طلاق دینے کے بعد شوہر مسمّیٰ زید بہت پشیمان ہے، آیا عدت کے اندر مسمّیٰ زید اپنی بی بی مسماۃ مریم سے رجعت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور مسماۃ مذکورہ حاملہ بھی ہے۔

هو الموفق للصواب

جواب: رجعت کر سکتا ہے۔ [کما] فی شرح الوقایة [فی] باب الرجعة:

---

(۱) الدر المختار مع حاشیة ابن عابدین، کتاب الشهادات: ۸/۱۷۹، دار الکتب العلمیة بیروت، الطبعة الثانیة، ۱٤۲٤ھ-۲۰۰۳م (۲) البقرة: ۲۳۰

هی فی العدة لا بعدها لمن طلقت دون ثلاث. انتهیٰ.(۱)
والرجعة بفتح الراء، وجاء الکسر أیضاً لغة الرد، یستعمل
فعله متعدیاً بنفسه ولازماً، فیتعدی بالیٰ، یقال: رجع الیٰ
أهله ورجعه الیهم، ویقال فی مصدره أیضاً رجعاً ورجوعاً
ومرجعاًرجعةً، ورجعی بالکسر. کذا فی الفتح. انتهی.(۲)
[شرح وقایہ میں رجعت کے بیان میں ہے کہ رجعت عدت کے اندر
ہوتی ہے، اس کے بعد نہیں، یہ اس کے لیے ہے جس کو تین طلاقیں
نہیں دی گئی ہیں۔ اور رجعت راء کے فتح کے ساتھ آتا ہے، لغت
میں کسرہ بھی آیا ہے بمعنیٰ لوٹا لینے کے، اس کا فعل متعدی اور لازم
دونوں طرح مستعمل ہے، اور الیٰ سے متعدی ہوتا ہے، کہا جاتا ہے کہ
وہ اہل (گھر والوں) کی طرف لوٹا، اس نے ان کی طرف اسے لوٹا
دیا، اس کا مصدر "رجعاً، رجوعاً، مرجعاً، رجعةً" ہیں۔ اور رجعی
کسرہ کے ساتھ ہے۔ اور اسی طرح فتح القدیر میں ہے۔]

وفی الهدایة:

واذا طلّق الرجلُ امرأته تطلیقة رجعیة أو تطلیقتین فله أن
یراجعها فی عدتها، رضیَتْ بذلك أو لم ترضِ، لقوله
تعالیٰ: ﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ﴾(۳) من غیر فصل.

ولا بد من قیام العدة، لأن الرجعة استدامة الملك، ألا تری
أنه سُمّیَ امساکاً، وهو الابقاء وانّما یتحقّقُ الاستدامة فی

(۱) شرح الوقایة، کتاب الطلاق، باب الرجعة: ۲/۷۲، مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ، ۱۳۴۱ھ-
۱۹۲۲ء، مکتبۂ تھانوی دیوبند، مطبوعہ بلاسنہ

(۲) عمدة الرعایة فی حل شرح الوقایة: ۲/۹۷، مکتبہ تھانوی، دیوبند، سن طباعت غیر مرقوم

(۳) البقرة: ۲۲۹

العدة، لأنه لا ملك بعد انقضائها.

والرجعة أن يقول: راجعتُكِ أو راجعتُ امرأتي، وهذا صريح في الرجعة، ولا خلاف بين الأئمة. انتهىٰ(١)

وفي الكفاية:

ذكر في المحيط اذا أراد الرجل أن يراجع [امرأته فالأحسن أن يراجعها] بالقول، لا بالفعل، لأن [صحة المراجعة] بالقول متفق عليها، وبالفعل مختلف فيها. انتهىٰ.(٢)

وفي الدر المختار [في]باب الرجعة: هي استدامة الملك القائم بلا عوض ما دامت في العدة بنحو راجعتكِ ورددتكِ ومسكتكِ بلا نية لأنه صريح. انتهىٰ.(٣)

[ہدایہ میں ہے: اور اگر مرد اپنی عورت کو ایک یا دو طلاق رجعی دے تو وہ اس کی عدت کے اندر رجعت کر سکتا ہے، خواہ عورت راضی ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ ارشاد ربانی ﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ﴾ بغیر فصل کے ہے، اور عدت کا قیام لازمی ہے، کیونکہ رجعت ملکیت کو باقی رکھنے کا نام ہے، آپ نے دیکھا کہ آیت میں امساک کہا گیا ہے، اور امساک باقی رکھنے کو کہتے ہیں، بلاشبہ امساک، عدت کے اندر باقی رکھنے سے

---

(١) الهداية مع حواشي العلامة اللكناوي، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ٣٧٣/٢، مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ (١٣٢٥ھ) باہتمام مولانا محمد یوسف فرنگی محلیؒ۔ کتب خانہ زکریا جیسور، چوراستہ بنگلہ دیش: ٣٩٤/٢-٣٩٥، مع الدراية في تخريج الهداية

(٢) الكفاية شرح الهداية مع فتح القدير، باب الرجعة: ١٤/٤، دار احياء التراث العربي، بيروت

(٣) الدر المختار مع الشامي: ٥٢٩/٢-٥٣٠، مکتبہ نعمانیہ دیوبند، اصلاح کردہ از نصر الوفائی الہوریني، سن طباعت ندارد۔ رد المحتار مع الدر المختار: ٢٣/٥، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٤ھ-٢٠٠٣م

متحقق ہوتا ہے، اس لیے کہ عدت کے بعد کوئی ملکیت نہیں رہتی۔ اور رجعت میں وہ کہے: میں نے تجھ کو لوٹا لیا، یا میں نے اپنی بی بی کو لوٹا لیا۔ یہ (کلمات اور جملے) رجعت کے باب میں صریح ہیں، اور اس میں ائمہ کرام کے مابین کوئی اختلاف بھی نہیں۔

کفایہ میں ہے: جب آدمی اپنی بی بی کو کو لوٹانا چاہے تو بہتر یہ ہے کہ وہ قول سے رجوع کرے، نہ کہ فعل سے، اس لیے کہ رجعت بالقول متفق علیہ مسئلہ ہے، اور رجعت بالفعل میں اختلاف ہے۔

درمختار کے "باب الرجعة" میں ہے: رجعت، قائم رکھنے والی ملکیت کو پائیدار بنانے کا نام ہے جب تک کہ عدت کے دوران ہے، مثلاً راجعتكِ، رددتكِ، مسكتكِ جیسے الفاظ کے ساتھ، بلانیت (رجعت درست ہے) کیونکہ یہ (رجعت کے باب میں) صریح ہیں۔]

پس طلاق رجعی میں رجعت، نہ نکاح کی حاجت، جو مدعی نکاح کا ہو اس پر دلیل لانا لازم۔

والالیس لـه حظ من العلم من الآية والسنة والفقه والتفقه في الدين.

قال الله تعالىٰ في كتابه:

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ (۱)

وفي مدارك التنزيل:

وقيل: قالت أنصاريّة: انّ زوجي قال: لا أزال أطلّقك ثم راجعتُك، فنزلت "الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" أي الطلاق الرجعي مرتان، لأنه لا رجعة بعد الثلاث، فامساك بمعروف برجعة، والمعنىٰ فالواجب عليكم امْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أو تَسْرِيحٌ

(۱) البقرة: ۲۲۹

بِإِحْسَان، بأن لا يراجعها حتى تبين بالعدة، وقيل بأن يطلقها الثالثة.(۱)انتہیٰ.

[اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَان﴾ (۲)

[دستور کے مطابق روک لے یا سلوک کر کے رخصت کر دے۔]

مدارك التنزيل میں ہے:

منقول ہے کہ ایک انصاری عورت نے (دربار رسالت مآبؐ میں آ کر) دریافت کیا: بیشک میرے شوہر نے کہا، میں تجھے طلاق دوں گا، اور پھر لوٹا لوں گا، تو"الطَّلَاقُ مَرَّتَان" نازل ہوئی، یعنی طلاق رجعی دو مرتبہ ہے، اس لیے کہ تین طلاق کے بعد رجعت نہیں ہے، اچھائی کے ساتھ روکنا رجعت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اچھائی کے ساتھ روکنا یا احسان کر کے چھوڑ دینا تم پر واجب ہے بایں طور کہ اس سے رجعت نہ کرے یہاں تک کہ عدت گزارنے سے وہ بائنہ ہو جائے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس کو تیسری طلاق بھی دے دے۔]

وفى السراج المنير:

الطلاق أى التطليق كالسلام بمعنى التسليم، أى الذى يراجع به مرتان أى اثنتان، وروي عن عروة بن الزبير قال: كان الناس فى الابتداء يطلّقون من غير حصر ولا عدد، كان الرجل يطلّق امرأته فاذا قاربَتْ انقضاءَ عدّتها راجعها، ثم طلّقها

---

(۱)مدارك التنزيل وحقائق التأويل للامام أبى البركات عبد الله بن أحمد النسفي الحنفي:۱/۱۹۰، تحت تفسير الآية نفسها، دار الكلم الطيب، بيروت، الطبعة الأولى، ۱٤۱۹هـ-۱۹۹۸م (۲)البقرة:۲۲۹

كذالك ثم راجعها بقصد مضارتها، فنزلت هذه الآية.(١)

وروى أبوداود وغيره أنه صلى الله عليه وسلم سئل: أين الثالثة؟ فقال صلى الله عليه وسلم:أو تسريحٌ باحسان، فامساكٌ أى فعليكم امساكهنّ اذا رجعتموهنّ بعد الطلقة الثانية بمعروف.انتهىٰ.هكذا فى تفسير فتح البيان وكذا فى تفسير البيضاوي(٢)

وفى حجة الله البالغة للشيخ المحدث ولي الله الدهلوي رحمه الله: وكان أهل الجاهلية يطلّقون ويراجعون الى متىٰ شاؤوا، وكان فى ذلك من الاضرار مالا يخفىٰ، فنزل قوله تعالىٰ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾معناه أن الطلاق للرجعة مرتان.(٣)انتهىٰ.

وفى المصفّى شرح المؤطا للشاه ولي الله المحدث الدهلوي عليه الرحمة:

طلاقی کہ رجعت عقب اومی شواند شد، دوبار است. انتهیٰ۔(٤)

---

(١)تفسير السراج المنير للشربيني تحت الآية نفسها:١/١٤٨، مطبعة بولاق الأميرية، القاهرة، ١٢٨٥ھ.

(٢)السراج المنير للشربيني تحت الآية ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ نفسها:١/١٤٨، مطبعة بولاق الأميرية، القاهرة، ١٢٨٥ھ، یہ عبارت تفسیر بیضاوی اور تفسیر فتح البیان از نواب صدیق حسن خان قنوجیؒ میں نہیں ہے، البتہ اس مفہوم کی عبارتیں پائی جاتی ہیں

(٣)حجة الله البالغة:٢/٢٤٣، تحقيق: محمد طعمة حلبي، دار المعرفة بيروت الطبعة الثانية، ١٤٢٥ھ-٢٠٠٤م، ٢/٣٦٩، تقديم وتعليق: الشيخ محمد شريف سكر، الطبعة الثانية، ١٤١٣ھ-١٩٩٢م، دار احياء العلوم بيروت، ٢/١٣٩، الفيصل للنشر والتوزيع بديوبند، الهند، طبعة عكسية عن ١٣٧٣ھ

(٤)المصفى للامام الدهلوي:......؟، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ترجمہ قرآن میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح ہے: طلاق رجعی دو بار است، پس ازاں یا نگاہ داشتن است بخوش خوئی یا رہا کردن بہ نیکوئی۔ مجموعہ تراجم خمسہ مع احسن التفاسیر از مولوی حافظ سید احمد حسن مرحوم:۴۹، مطبوعہ قدیم دہلی

[طلاق بمعنی تطلیق ہے جیسا کہ سلام بمعنی تسلیم ہے، ایسی طلاق جس میں رجعت ہوتی ہے دو ہیں، عروہ بن الزبیر سے مروی ہے کہ لوگ پہلے بغیر عدد اور حصر کے طلاق دیتے تھے، آدمی اپنی عورت کو طلاق دیتا تھا اور جب انقضائے عدت کے قریب ہو جاتی تو وہ رجعت کر لیتا، پھر اسی طرح سے طلاق دے دیتا، اور پھر رجعت کر لیتا، یہ اس (عورت) کو تکلیف دینے کے لیے ہوتا تھا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

امام ابوداؤد وغیرہ حضرات نے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، تیسری (طلاق) کہاں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ﴿أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾، چنانچہ امساک کا مطلب یہ ہے کہ تم پر ان کو بھلائی کے ساتھ روکنا لازمی ہے، جب تم دوسری طلاق کے بعد رجعت کرو۔ اسی طرح تفسیر فتح البیان اور تفسیر بیضاوی میں ہے۔

"حجۃ اللہ البالغۃ" میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: دور جاہلیت کے لوگ طلاق دیتے تھے، اور جب چاہتے رجعت کرتے تھے، اور یہ ان کو تکلیف پہونچانے کے لیے ہوتا تھا جو کہ بالکل مخفی نہیں ہے، پس اللہ تعالیٰ کا قول ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ نازل ہوا یعنی رجعی طلاق دو ہیں۔ المصفی شرح مؤطا میں ہے: ایسی طلاق جس کے بعد رجعت ہوتی ہے، دو مرتبہ ہے۔]

واللہ أعلم، وعلمه أتم وأحكم، حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز اللّٰه عن ذنبه الدقيق والسمين.

مسئلہ طلاق مغلظہ یا رجعی؟

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں باب کہ زید زوجہ خود را

طلاق داد، وبعد چند روز بر رضا مندی ہماں زوجہ خود نکاح کرد، آیا ایں نکاح شرعاً درست است یا نادرست؟ واہل برادری را از شخص مذکورہ خورد ونوش داشتن روا است یا نہ؟ بینوا توجروا، فقط۔ (از قصبہ جائس)

[ترجمہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی، چند روز کے بعد اپنی زوجہ کی رضامندی سے نکاح کیا، آیا اس طرح نکاح درست ہے یا نہیں؟ اہل خاندان وبرادری کو اس شخص سے خورد ونوش کا تعلق رکھنا روا ہے یا نہیں؟ مسئلہ کی وضاحت فرما کر ممنون وماجور ہوں۔]

هو المصوب

جواب: اگر طلاق رجعی داد کہ عبارت از یک طلاق خواہ دو طلاق، اندریں عدت اورا می رسد کہ بلا نکاح رجوع بسوئے زن خود کند۔ کما فی الهداية:

واذا طلّق الرجلُ امرأتَه تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين فله أن يراجعَها في عدّتها رضيَتْ بذالك أو لم ترضِ، لقوله تعالىٰ ﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾(۱) من غيرِ فصلٍ.(۲) انتهىٰ.

واگر عدت منقضی گزشتہ، پس حاجت بنکاح افتد، بعدہ زوجہ خویش داند۔ کذا في الهداية:

واذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها، لأن حل المحلية باق، لأن زواله معلق بالطلقة الثالثة.(۳) انتهىٰ.

---

(۱) البقرة: ۲۳۱ (۲) الهداية مع حاشية العلامة اللكنوي، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۲/۳۹٤، یاسر اینڈ ندیم کمپنی دیوبند، بلا سنہ

(۳) الهداية مع حاشية العلامة اللكنوي، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۲/۳۹۹، یاسر اینڈ ندیم کمپنی دیوبند، بلا سنہ

واگر طلاق ثلاثہ دادہ، پس بدون تحلیل حلال نباشد۔ کما قال اللّٰہ تعالی:

﴿فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (۱)

[ترجمہ: اگر طلاق رجعی دی خواہ ایک ہو یا دو، عدت کے اندر اس کو لے آئے، بلا نکاح وہ عورت سے خود رجوع کر لے۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے: اور جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے خواہ ایک طلاق رجعی ہو یا دو طلاقیں، تو وہ اس سے عدت کے اندر رجعت کر سکتا ہے، چاہے وہ راضی ہو یا نہ ہو، کیونکہ ارشاد الٰہی ہے "ان کو بھلائی کے ساتھ روکے رکھو" اور یہ (قول) بغیر فصل کے فرمایا ہے۔

اور عدت گزر جائے تو نکاح کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے بعد اپنی بیوی جانے۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے: اور جب طلاق بائن ہو، تین سے کم ہو، تو وہ عدت کے اندر، اور اس (عدت) کے بعد نکاح کر سکتا ہے، اس لیے کہ محل کی حلیت باقی وقائم ہے، اس لیے بھی کہ اس (نکاح) کا ختم ہونا تین طلاق کے ساتھ معلق ہے۔

اور اگر تین طلاق دی ہے تو حلالہ کے بغیر حلال نہیں ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے "پس اس نے اگر اس کو طلاق دی ہے تو اس کے لیے حلال نہیں ہوگی جب تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور کے ساتھ نکاح نہ کر لے" یاد رہے کہ حلالہ میں ہم بستری شرط ہے۔]

واللّٰہ أعلم، کتبہ محمد أمین حسني الحسیني، عفا اللّٰہ ذنوبہ وستر عیوبہ، فقط.

---

(۱) البقرة: ۲۳۰

لا پتہ شوہر کی بیوی کا نکاح ثانی (۱)

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، کہ مسمی علی بخش حجام عرصہ سات سال کا گزرا کہ مفقود الخبر ہو گیا ہے، اس کی زوجہ بوجہ تنگی معاش وعدم قیام عصمت، نکاح ثانی اپنا مسمی قادر بخش حجام، برادر کلاں علی بخش حجام مفقود مذکور، کے ساتھ کرنا چاہتی ہے، آیا یہ نکاح از روئے شرع شریف کے جائز ہے یا نہیں؟ مع ادلہ شرعیہ ارشاد فرمائیے۔ بینوا توجروا، فقط۔

---

(۱) کسی عورت کا شوہر لا پتہ ہو جائے، اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس عورت کا شوہر زندہ ہے یا مردہ؟ تو اس کو اصطلاحاً مفقودۃ الزوج سے تعبیر کرتے ہیں، اس مسئلہ میں علمائے امت کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے، اس مسئلہ میں کتب فقہ وفتاویٰ کے علاوہ کتب احادیث شریفہ میں مختلف آثار منقول ہیں، جن کے مطالعہ سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام کا موقف اس بارے میں مختلف تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لا پتہ شوہر کی بیوی دوسری شادی نہیں کرے گی، اگر اس نے دوسری شادی کر لی، اور اس کے بعد اس کا سابق شوہر جو لا پتہ تھا آ گیا تو وہ عورت اس کی بیوی ہی رہے گی، اسے (لا پتہ شوہر) کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو اسے بیوی بنا کر رکھے اور اگر طلاق دینا چاہے تو طلاق دے کر اپنی زوجیت سے الگ کر دے۔ اور ایک دوسرا اثر منقول ہے جس سے دوسرا جواب ملتا ہے کہ وہ عورت جس کا شوہر لا پتہ ہو گیا ہے اور یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ زندہ ہے یا مردہ؟ تو وہ عورت چار سال تک انتظار کرے گی، اور اس کے بعد چار ماہ دس دن کی عدت گزارنے کے بعد اس (لا پتہ شوہر) کی زوجیت سے باہر آ جائے گی۔ ائمہ ثلاثہ کے مسالک کی بنیاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اثر پر ہے جب کہ امام مالک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول اور موقف کو اختیار فرمایا ہے۔ صاحب فتاویٰ حضرت مولانا سید ابو المحاسن محمد امین نصیر آبادی قدس سرہ نے ائمہ کرام اور علمائے احناف کے مسلک سے ہٹ کر اس مسئلہ میں امام مالک بن انس مدنیؒ کے مسلک پر فتویٰ دیا ہے، یہ صاحب فتاویٰ کی فقہی بصیرت کی بات تھی کہ انہوں نے غالباً اس مسئلہ میں الحیلۃ الناجزۃ اور کتاب الفسخ والتفریق جیسی اہم کتابوں کی تصنیف سے پہلے یہ فتویٰ دیا تھا۔ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اس مشکل مسئلہ کا حل "الحیلۃ الناجزۃ للمرأۃ العاجزۃ" لکھ کر پیش کیا، جس میں مشاہیر علمائے ہند و پاک، اور مالکی علمائے حرمین شریفین کی تصدیقات اور تصویبات ہیں، اس کے علاوہ اس موضوع پر سابق نائب امیر شریعت مولانا عبد الصمد رحمانی مونگیریؒ کی ایک اہم تصنیف "کتاب الفسخ والتفریق" کے نام سے مطبوع ومتداول ہے۔

هو المصوب

جواب: اس مسئلہ میں ومن بعدہم مختلف ہیں۔ کما فی الفتح أی فتح القدیر:

الحاصل أن المسئلة مختلفة فی ما بین الصحابة، فذهب عمر الی ما تقدم، وذهب علي الیٰ أنّها امرأته حتی یأتیه البیان.(۱)انتهیٰ.

وفی الموطا لامام مالك رحمه اللّٰه: أن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه وأرضاه قال: أیُّمَا امرأة فقدت زوجها فلم تدرِ أین هو؟ فانها تنتظر أربع سنین، ثم تعتد أربعة أشهر وعشراً، ثم تحل (للازواج).(۲)انتهیٰ.

[فتح القدیر از علامہ ابن ہمام میں ہے: حاصل کلام یہ ہے کہ یہ مسئلہ صحابہ کرام کے مابین بھی مختلف فیہ ہے، چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اس طرف گئے جس کا ذکر آچکا ہے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اس طرف گئے کہ یہ (عورت) اس کی بیوی رہے گی یہاں تک کہ اس کے پاس (موت یا طلاق کی) خبر آجائے۔

مؤطا امام مالک میں ہے: لاریب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی بھی عورت جس نے اپنے شوہر کو مفقود کر دیا ہے، اور وہ نہیں جانتی کہ وہ (اس کا شوہر) کہاں ہے؟ پس وہ چار سال انتظار کرے گی، پھر اس کے بعد چار مہینے اور دس دن عدت گزارے گی، پھر وہ دوسرے کے ساتھ نکاح کے لیے حلال ہو جائے گی۔]

اور بعضوں نے اس پر اجماع صحابہ کا نقل کیا ہے۔ کما فی الزرقاني:

---

(۱)فتح القدیر، کتاب المفقود:۶/ ۱۳۷، دار الکتب العلمیة بیروت، سنة الطباعة ۲۰۰۹م، الطبعة الثانیة، تحقیق: عبد الرزاق غالب المهدی

(۲)مؤطا الامام مالك، کتاب الطلاق، باب العدة التی تفقد زوجها: ۱۱۷۲

قيل وقد أجمع الصحابة عليه، ولم يعلم لهم مخالف في عصرهم، وعليه جماعة من التابعين.(۱) انتهىٰ.

[شرح زرقانی در مؤطا امام مالک میں ہے: کہا گیا کہ اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے، اوران کا کوئی مخالف ان کے زمانہ میں نہیں جانا گیا، اس مسئلہ پر تابعین کی ایک جماعت بھی قائم ہے۔]

اور حنفیہ وقت ضرورت تصریح کرتے ہیں کہ فتویٰ قول [امام] مالکؒ پر۔ جو موافق ایک جماعت صحابہ کی ہے۔ جائز ہے۔ كما في رد المحتار:

ذكر ابن وهبان في منظومه: أنه لو أفتىٰ بقول مالك في موضع الضرورة يجوز.(۲) انتهىٰ.

[ردالمحتار میں ہے کہ ابن وهبان نے اپنی منظوم میں ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی (عالم یا مفتی) ضرورت کی جگہ میں امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ دے تو (ایسا کرنا) جائز ہے۔]

والله أعلم بالصواب. حرّره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين. فقط

---

(۱) شرح الزرقاني على المؤطا، كتاب الطلاق، باب العدة التي زوجها: ۳/ ۳۰۲، الطبعة الاولىٰ ۱۴۲۴ھ- ۲۰۰۳م، مكتبة الثقافة الدينية، القاهرة

(۲) ردالمحتار مع الرد، كتاب المفقود، مطلب في الافتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود ۶/ ۴۶۱، دار الكتب العلمية بيروت، ۱۴۲۴ھ- ۲۰۰۳م، الطبعة الثانية. منظومة الامام ابن وهبان على نور الايضاح: ۱۵، کتب خانہ رشیدیہ، اردو بازار جامع مسجد دہلی

کتاب العنین

عنین کا حکم

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں معنیٰ کہ مسمیٰ زید بہ مسمیٰ ہندہ عقد کردہ در زمانہ دوازدہ سال شد، از آں جملہ با چہار سال چنانکہ دستور زمانہ ہست با ہندہ بسر بردہ از عرصہ ہشت سال در بیماری فالج مسمیٰ زید گرفتار شدہ تا ایں دم حالتی از بیماری باقی ماند کہ بکار دنیاداری آید، چناچہ از مسمیٰ زید برائے طلاق ہندہ گفتہ شد، جواب می دہد کہ ہرگز ہرگز طلاق نخواہم داد، نہ خبرگیری جامہ وطعام ودیگر اخراجات خواہم ساخت وخواہد شد از فاقہ کشی جان بہلاکت خواہم رسانید، وہر روز وشب زد وکوب می نماید، ہندہ زندہ نیست بلکہ مردہ، پس دریں صورت آنچہ حکم شرع شریف است؟ بینوا توجروا. فقط

هو المصوب

جواب: برتقدیر صدق سوال مدت ایک سال کی، بناء برظہور آفت وعجز اصلی وعارضی کے، مجبوب وعنین کو دی جاتی ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

واذا كـان الـزوج عـنيـناً أجلّه الحاكم سَنَة، فان وصل اليها فبها، والّا فرّق بينهما اذ [طلبت] المرأة ذلك. انتهیٰ(۱)

---

(۱) الهداية، كتاب الطلاق، باب العنين وغيره:۳/۲۷۷، مكتبة البشریٰ كراتشي، الطبعة الثانية ۱٤۲۸ھ–۲۰۰۷م

[جب شوہر عنین ہو تو حاکم اس کو ایک سال کی مہلت دے گا، اگر وہ اس کے بعد مجامعت کرلے تو ٹھیک ہے، ورنہ دونوں کے مابین اس وقت تفریق کردی جائے گی جب عورت اس کا مطالبہ کرے۔]

اور اسی (ہدایہ شرح بدایۃ المبتدی از امام برہان الدین مرغینانی) میں ہے:

[یحتمل] أن یکون الامتناع لعلة معترضة ویحتمل لآفة أصلیّة. انتھیٰ(۱)

[احتمال ہے کہ یہ امتناع علت عارضہ کی وجہ سے ہو، اور اس کا بھی احتمال ہے کہ آفت اصلی کی وجہ سے ہو۔]

بر تقدیر عجز عارضی کے تفریق نہ ہوگی۔ کما فی الدر المختار:

فلو جبّ بعد وصوله الیها مرة أو صار عنیناً بعده أی الوصول، لا یفرق لحصول حقّها بالوطي مرة. انتھیٰ(۲)

[درمختار شرح تنویر الابصار میں ہے کہ ایک مرتبہ کی ہم بستری کے بعد اگر وہ (شوہر) مجبوب ہو جائے، یا اس (ہم بستری) کے بعد وہ عنین ہو جائے، تو ایک بار عورت کو مجامعت کے حق حاصل ہونے کی وجہ سے تفریق نہیں کی جائے گی۔]

بجز خلع (۳) کے چارہ نہیں۔ عدم خبر گیری میں گنہگار ہوگا۔

---

(۱) نفس المصدر السابق آنفاً (۲) الدر المختار مع الرد، کتاب الطلاق، باب العنین وغیرہ: ۵/۱٦۸، دار الکتب العلمیة، الطبعة الثانیة ۲۰۰۳م

(۳) میاں بیوی کے درمیان قائم رشتہ نکاح کو ختم کرنے کے تین طریقے شریعت نے بتایا ہے، ان میں سے ایک کا تعلق شوہر سے ہے اور تیسرے کا تعلق بیوی سے ہے، اور جب کہ دوسرے کا تعلق دونوں یعنی میاں و بیوی سے ہے، یہ دوسرا طریقہ دونوں کی رضامندی سے انجام پاتا ہے، اس کو اصطلاح فقہ میں خلع کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان قائم رشتہ کا نبھایا جانا مشکل ہے، اور شوہر اپنی بیوی کو طلاق نہیں دے رہا ہے تو ایسی حالت میں بیوی یا اس کے رشتہ دار مہر یا مال کے ذریعہ طلاق حاصل کرے۔ قرآن مجید میں ہے:............ باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

واللّٰه أعلم وعلمه أتم وأحكم، حرره الراجي رحمة ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز اللّٰه عن ذنبه الدقيق والسمين.

.........بقیہ حاشیہ......

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ (البقرة:۲۲۹)
[ترجمہ: پس اگر تم کو خوف واندیشہ ہو کہ وہ دونوں حدود الٰہی (زوجیت کے حقوق وفرائض کے ضابطوں اور قوانین) کو قائم نہیں رکھ سکیں گے، تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ (عورت) کچھ دے کر اپنی جان چھڑا لے]

بخاری شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی دربار رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوئیں اور آپ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں ثابت کے اخلاق ودین کے سلسلہ میں کوئی عیب نہیں کرتی ہوں، البتہ میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم ان کو ان کا دیا ہوا باغ (جو مہر میں ایک باغ دیا گیا تھا) کو واپس کر دو گی؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں۔[البخاري، كتاب الطلاق، باب الخلع وكيف الطلاق فيه، رقم: ۵۲۷۳-۵۲۷٦، دار السلام، الرياض] امام قدوری نے کتاب الخلع میں لکھا ہے: اذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود اللّٰه فلا بأس أن تفتدي نفسهامنه بمال يخلعها به.(مختصر القدوري:۲۰٤، المطبع المجيدي ببلدة كان فور، ۱۳۷۳ھ) یعنی جب زوجین میں ناچاقی پیدا ہو جائے اور دونوں کو اس کا اندیشہ ہو کہ وہ زوجیت کے حقوق وقوانین کی پاسداری نہ کر سکیں گے، تو عورت کے لیے کوئی حرج اور گناہ نہیں کہ وہ مال کے ذریعہ سے خلاصی حاصل کر لے۔ خلع کا حکم یہ ہے کہ خلع کرنے سے ایک طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے، جس طرح الفاظ کنائی سے ایک طلاق بائن ہوتی ہے، یہ حکم تخمینی نہیں بلکہ تحقیقی ہے، محدث بیہقی کی روایت میں ہے: الخلع تطليقة بائنة. یہی متعدد حضرات صحابہ کرام کا مسلک ہے، حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی مرتضی، اور حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے اکابر صحابہ کرام کا بھی یہی مسلک تھا، اور احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔

کتاب الظہار (۱)

ظہار اور اس میں نیت کا اثر

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین وتابع شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی مرد نے اپنی منکوحہ کو غصہ میں مادر کہا کہ تو میری ماں ہے، اور عورت نے کہا کہ تو میرا لڑکا ہے، تو نکاح رہا کہ نہیں؟ یا کہ اس پر کفارہ عائد ہوگا؟ فقط.

(مرسلہ: امام الدین پنجابی از ملک برہما۔ محررہ ماہ جنوری/۱۸۹۴ء)

هو المصوب

جواب: بشرط حرف تشبیہ، صورت مسئولہ [میں] اگر بنیت ظہار کہا، ظہار ہوگا۔ اور اگر

---

(۱) شوہر کا اپنی بیوی کسی ایسی عورت سے تشبیہ دینا یا اس کے برابر کہنا جس سے اس کا نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے، شریعت میں ظہار کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ شوہر اس عورت سے اس وقت تک مباشرت نہیں کرسکتا جب تک کہ ظہار کا کفارہ نہ ادا کردے، قرآن مجید نے ظہار اور اس کے کفارے کو تفصیل سے بیان کیا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ☆ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا﴾ (المجادلة:۳-۴)

[جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو قبل اس کے کہ ایک دوسرے سے ملیں، ان کے ذمے ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے، اور اس کفارہ کے ذریعہ تم کو تنبیہ کی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔ اگر کسی کو یہ میسر نہ ہو تو مباشرت اور میل جول سے پہلے دو ماہ پے در پے روزے رکھنا ہے، اور جس سے یہ بھی نہ ہوسکے تو اس کے ذمے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔]

بارادۂ طلاق کہا تو طلاق ہوگا۔ ورنہ بلا نیت کسی شی کے لغو ہوگا۔ کما فی شرح الوقایة:

وفی أنت عليَ مثل أمّی أو كأمّی، انْ نوی الكرامة أو الظهار صحت أی نیته، وانْ نوی الطلاق بانت، وانْ لم ینو شیئاً لغا.(۱)انتهیٰ.

وهكذا فی الهداية: ولو قال: أنت عليَ مثل أمّی أو كأمّی، یرجع الی نیته لینكشف حكمه، فانْ قال: أردت الكرامة فهو كما قال، لأنّ التكريم بالتشبيه فاش فی الكلام، وانْ قال: أردت الظهار فهو ظهار، لأنه تشبيه بجميعها وفيه تشبيه بالعضو، لكنه ليس بصريح فيفتقر الی النية، وان قال: أردت الطلاق فهو طلاق بائن، لأنه تشبيه بالأم فی الحرمة فكأنّه قال: أنت [عليّ] حرام ونوی الطلاق، وان لم تكن له نية فليس بشیءٍ عند أبی حنيفة وأبی یوسف[لاحتمال الحمل علی الكرامة].(۲)انتهیٰ.

[شرح الوقایہ میں ہے:انت عليّ مثل أمّی یا كأمّی میں اگر وہ کرامت یا ظہار کی نیت کرے تو اس کی نیت صحیح ہو جائے گی،اور اگر وہ طلاق کی نیت کرے تو وہ بائنہ ہو جائے گی،اور اگر کچھ بھی نیت نہیں کرے تو یہ لغو ہوگا۔

اسی طرح ہدایہ میں ہے:اگر کوئی أنت عليّ مثل أمی یا كأمّی کہتا ہے تو اس کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا تا کہ اس کا حکم ظاہر ہو جائے،

---

(۱)شرح الوقاية مع عمدة الرعاية للامام اللكنوي، كتاب الطلاق، باب الظهار، بيان كفارة الظهار:۲/۱۱۳-۱۱٤، مطبوعہ مکتبہ تھانوی دیوبند، بلاسنہ

(۲)الهداية، كتاب الطلاق، باب الظهار:۳/۲٥۲، مكتبة البشریٰ، لاهور باكستان، الطبعة الثانية ۱٤۲۸ھ- ۲۰۰۷م

اگر وہ یہ کہے کہ میری اس سے مراد کرامت ہے تو اس کا وہی حکم ہوگا جس کو اس نے کہا ہے، کیونکہ کلام (بول چال اور گفتگو) کے اندر کرامت کے ذریعہ تشبیہ عام ہے، اور اگر وہ یہ کہے کہ میں نے اس سے ظہار کا ارادہ کیا ہے تو وہ ظہار ہوگا کیونکہ اس (ماں) کے وجود سے تشبیہ ہے، اور اس میں تشبیہ بالعضو بھی ہے، لیکن صراحت نہیں ہے، چنانچہ نیت کی طرف رجوع کی ضرورت ہوتی ہے، اور اگر وہ کہے کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق بائن ہوگی، کیونکہ حرمت میں ماں سے تشبیہ ہے، گویا کہ اس نے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے، اور اس نے طلاق کی نیت کی، اور اگر اس کی کوئی نیت نہیں ہوگی تو کرامت پر محمول کرنے کے احتمال کی وجہ سے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک کچھ نہیں ہوگا۔]

وكذا فی الفتح:

يلغو قوله أنت أمّي أويا ابنتي أويا أختي ونحو ذلك مما ليس فيه تشبيه، نعم يكره التكلم(۱) بمثل هذا.(۲)انتهیٰ.

---

(۱) ایسے کلمات سے بیوی کو خطاب کرنا مکروہ ہے۔ فتاویٰ عالم گیری میں ایک مسئلہ یہ لکھا ہے کہ اگر کسی نے ماں یا بہن کے مثل یا برابر نہیں کہا، بلکہ یوں کہا کہ تو میری ماں ہے یا میری بہن ہے، تو ظہار نہیں ہوگا، مگر ایسا کہنا گناہ ہے، اور مکروہ تحریمی ہے (الفتاوی الهندية، كتاب الطلاق، الباب التاسع في الظهار) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی کو بہن کہہ کر خطاب کرنے سے منع فرمایا، حدیث شریف میں ہے: عن أبي تميمة الهجيمي، أن رجلاً قال لامرأته: يا أخية! فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أختك هي؟! فكره ذلك، ونهى عنه. (سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب في الرجل يقول لامرء ته يا أختي، رقم: ۲۲۱۰) ابوتمیمہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا: اے بہن! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہاری بہن ہے؟! پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند کیا، اور اس سے منع فرمایا۔

(۲) عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية للامام اللكنوي مع شرح الوقاية، كتاب الطلاق، باب الظهار، بيان كفارة الظهار: ۲/ ۱۱٤، مطبوعہ مکتبہ تھانوی دیوبند، بلاسنہ

[فتح القدیر میں ہے کہ کہنے والے کے اس قول میں "أنت أمي، یا ابنتي، یا أختي" اور اس طرح کے جملے جن میں کوئی تشبیہ نہیں ہے، لغو ہیں، ہاں ایسے کلمات کا استعمال مکروہ ہے۔]

پس ساتھ حرف تشبیہ کے بلا نیت ظہار وطلاق، لغو ہوگا۔ ایسا کلمہ بدون حرف تشبیہ کے بدرجہ اولیٰ لغو ہے، ایسے الفاظ سے نکاح باقی (لیکن) ایسے کلمات کراہیت سے خالی نہیں۔ (اور) جانب عورت سے بہر تقدیر اور بہر صورت لغو وعبث [ہے] کیونکہ طلاق وظہار جانب مرد سے [ہے]، نہ عورت کی طرف سے۔

واللّٰہ أعلم بالصواب وعندہ حسن الثواب، حررہ الراجي عفو ربه المتین محمد أمین حسني الحسیني تجاوز اللّٰہ عن ذنبه الخفي والمبین.

تشبیہ سے وقوع طلاق یا ظہار؟

سوال: ایک شخص نے اپنی عورت کو کسی وجہ سے ناراض ہوکر یہ کہا کہ اگر میں اس کو اپنے گھر آنے دوں تو اپنی کسی محرمات کے ساتھ مرتکب برے فعل کا ہوں، یعنی زنا کروں۔ [اب] یہ شخص اپنی عورت کو رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

هو المصوب

جواب: صورت مسئولہ میں اگر نیت طلاق کی ہے [تو] حکم طلاق کا ہوگا۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

ولو قال: ابعُدی عنّي ونوی الطلاق، یقع.(۱)

ایسا ہی [فتاوی] قاضی خان (اور) فتح القدیر میں ہے:

من الکنایات تنحی عنّي ونحوت منّي.(۲)

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات: ۳۷۶/۱، مکتبة زکریا دیوبند، الطبعة بدون السنَة والتاریخ)

[اور اگر وہ (اپنی بیوی سے) کہے کہ تو مجھ سے دور ہوجا، اور وہ طلاق کی نیت کرے تو طلاق واقع ہوجائے گی۔]

(۲) فتاوی قاضیخان علی هامش الفتاوی الهندیة، کتاب الطلاق، فصل فی الکنایات والمدلولات: ۴٦۸/۱، الطبعة الهندیة بدون السنة

في الدر المختار: أنت علي حرام كأمي، صح ما نواه من ظهار أو طلاق.(۱)

[کنایات کی قبیل سے "تنحی عنّی" اور "نحوت منّی" بھی ہے۔ درمختار میں ہے کہ [اگر شوہر اپنی بیوی سے کہے کہ] تو مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہے، تو ظہار یا طلاق میں سے جس کی نیت کرے، درست ہے۔]

والله أعلم وعلمه أتم وأحكم، حرره الراجي رحمة ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الدقيق والسمين.

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الطلاق، الباب التاسع فی الظهار: ۱/۵۰۷، مكتبة زكريا ديوبند

کتاب العدۃ

مطلقہ کب نکاح کرسکتی ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ زید نے اپنی منکوحہ عورت سے دین مہر اور عدت وغیرہ معاف کراکے، اور ایک روپیہ نقد لے کر طلاق بائن بموجدگی تین شخصوں گواہان کے دے دیا، اب مسماۃ مطلقہ کتنے روز کے بعد اپنا نکاح کسی دوسرے مرد کے ساتھ کرسکتی ہے؟ بموجب قرآن وحدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جواب ارقام فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا۔

(راقم: خاکسار عبدالصمد چودھری، بابوگنج ڈاکخانہ بابوگنج ضلع پرتاب گڑھ)

هو المصوب

جواب: عدت طلاق تین قروء [ہیں] جس کے بعد دوسرے کے ساتھ نکاح کا اختیار ہوگا۔ کما قال تعالیٰ:

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ (۱)

حنفیہ کے نزدیک تین حیض ہیں، شافعیہ کے نزدیک تین طہر۔

جو آئسہ (یعنی جس کو حیض نہیں آتا) ہے اس کے لیے تین مہینہ ہے۔

﴿وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ﴾ (۲)

---

(۱) البقرۃ: ۲۲۸ - ترجمہ: [مطلقہ عورتیں اپنے بارے میں تین دور تک انتظار کریں]

(۲) الطلاق: ٤

[اور تمہاری جو عورتیں حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تمہیں شک ہو تو ان کی عدت تین مہینہ ہے۔]

کما فی الحديث رواه أبوداود والترمذي قوله صلى الله عليه وسلم: "طلاق الأمة تطليقتان وعدتها حيضتان". انتهىٰ. (١)

وما رواه البخاري في قصة ابن عمر رضى الله عنهما "مره فليراجعها"......الحديث. انتهىٰ. (٢) فقال أهل الكوفة: هي الحيض، وهو قول عمر وعلي و ابن مسعود وأبي موسى ومجاهد وقتادة والضحاك وعكرمة والسدي وأحمد بن حنبل. وقال أهل الحجاز: هي الأطهار، وهو قول عائشة وابن عمر ......والزهري والنخعي. (٣)

---

(١) جامع الترمذي، كتاب الطلاق، باب ما جاء أن طلاق الأمة تطليقتان، رقم: ١١٨٢، دار السلام الرياض. سنن أبى داؤد، كتاب الطلاق، باب في طلاق العبد، رقم: ٢١٨٩

(٢) صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب قول الله تعالىٰ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾ (الطلاق: ١)، رقم: ٥٢٥١، باب اذا طلقت الحائض تعتد بذلك الطلاق، رقم: ٥٢٥٢، سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب في طلاق السنة، رقم: ٢١٧٩-٢١٨٥، دار السلام الرياض، امام ابوداؤدؒ نے اس حدیث کے بارے میں "هو حديث مجهول" کہا ہے، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ، صفحہ: ۲۹۹، سن طباعت ۱۳۰۵ھ-۱۸۸۶ء

(۳) پوری تفصیل کے لیے "فتح القدير، النقاية، البحر الرائق" وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں، نیز کنز الدقائق میں کتاب الطلاق، باب العدۃ کے حواشی صفحہ: ۱۳۸، از مولانا اعزاز علی امروہیؒ سابق استاذ دار العلوم دیوبند، مطبوعہ مطبع قاسمی ۱۳۴۳ھ، باہتمام مولانا حبیب الرحمن عثمانی دیوبندیؒ میں ملاحظہ کریں۔ قروء کا اطلاق لغوی اعتبار سے حیض اور طہر دونوں پر ہوتا ہے، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیال حضرات قرء کا معنیٰ طہر متعین کرتے ہیں، جبکہ دوسرے حضرات قرء سے حیض مراد لیتے ہیں، جن میں امام ابوحنیفہؒ، امام اوزاعیؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام زفرؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ اور ان کے ہم خیال لوگ ہیں، امام نوویؒ شارح مسلم نے دوسرے فریق کی حمایت میں لکھا ہے: والقائل بالحيض يشترط ثلاث حيضات كوامل، فهو أقرب الى موافقة القرآن. شرح النووى: ٥/٢، ٤٠، دار احياء التراث العربى بيروت، تحقيق: الشيخ عرفان العشا حسونة

[ترجمہ: جیسا کہ حدیث میں ہے، جس کو امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے روایت کی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "باندی کی طلاق دو طلاق ہیں، اور اس کی عدت دو حیض ہیں" اور جو روایت امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے واقعہ میں نقل کیا ہے (جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ابن عمرؓ کے بارے میں فرمایا کہ) "ان سے کہو کہ اپنی عورت سے رجوع کرلے......الخ"۔

اہل کوفہ کہتے ہیں کہ یہ (قروء سے مراد) حیض ہے، اور یہ حضرت عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ اور ابوموسیٰؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ، عکرمہؒ، سُدّیؒ اور احمد بن حنبلؒ کا قول ہے۔ اور اہل حجاز کہتے ہیں: یہ طہر ہے، اور یہ حضرت عائشہؓ، ابن عمرؓ......زہریؒ اور نخعیؒ کا قول ہے۔]

واللّٰہ أعلم بالصواب، حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز اللّٰہ عن ذنبه الدقيق والمبين.

دوران عدت بیوہ معتدہ کا عیادت کرنا؟

سوال: کیا ارشاد ہے علمائے دین کا اس مسئلہ میں کہ ایک عورت معتدۃ الموت اپنے مکان فرقت میں عرصہ تین (۳) ماہ سے ہے، اور ایک ماہ دس دن اس کی عدت میں باقی ہیں، اب اس کی ماں بہن دونوں بیمار ہیں، یہ ہر دو مریض اس معتدہ کے پاس بوجہ اپنی علالت کے جا نہیں سکتی، اور نہ معتدہ بباعث عدم انقضاء عدت، ماں و بہن کی عیادت کرسکتی ہے، اور ایک دوسرے کی مفارقت کا از حد صدمہ ہے جس سے خوف زیادتی مرض مریضتان کا ہے، لہٰذا ایسی حالت میں معتدہ اپنی ماں و بہن کے مکان میں آکر عیادت کرے، [تو] درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا، فقط۔

هو المصوب

جواب: اس مسئلہ میں اختلاف ہے روایۃً ودرایۃً۔ في الهداية:

ولا یجوز للمطلقة الرجعية والمبتوتة الخروج من بيتها ليلاً ولانهاراً، والمتوفیٰ عنها زوجها تخرج نهاراً أو بعض الليل، ولا تبيت فی غير منزلها.(۱) انتهیٰ.

[ہدایہ میں ہے: مطلقہ رجعی اور بائنہ کے لیے اپنے گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے، خواہ (یہ نکلنا) دن میں ہو یا رات میں۔ اور متوفیٰ عنہا زوجہا (بیوہ) دن میں اور رات کے بعض حصہ میں نکل سکتی ہے، البتہ وہ اپنے گھر کے علاوہ رات کہیں اور جگہ نہیں گزارے گی۔]

وفی الكفاية:

فأما المتوفیٰ عنها زوجها يُبَاح لها الخروجُ نهاراً، فيمكنه التعريضُ لها على وجهٍ لا يقف عليه سواها.(۲) انتهیٰ.

وفی الدر المختار:

ومعتدة موت تخرج فی الجديدين، وتبيت أكثر الليل فی منزلها، لأن نفقتها عليها، فتحتاج للخروج، حتیٰ لو كان عندها كفايتها صارت كالمطلقة، فلا تحلّ لها الخروج. فتح. وجوّزها فی "القنية" خروجها لاصلاح مالا بدّ لها منه كزراعة ولا وكيل لها، طلقت أو مات وهی زائرة فی غير مسكنها عادت اليه فوراً لوجوبه عليها، وتعتدان أی معتدة طلاق و موت فی بيت وجبت فيه، ولا تخرجان منه الا أن تخرج أو ينهدم المنزل أو يخاف انهدامه أو تلف مالها أو لا تجد كراء البيت ونحو ذلك من الضرورات،

(۱) الهداية، كتاب الطلاق، فصل فی باب العدة: ۳/۲۹۷، مكتبة البشریٰ، لاهور پاكستان، الطبعة الثانية ۱۴۲۸ھ-۲۰۰۷م

(۲) الكفاية شرح الهداية: ۴/۱۶۵ مع فتح القدير، دار احياء التراث العربي، بيروت

فتخرج لأقرب موضع.(۱) انتهیٰ.

[کفایہ شرح ہدایہ میں ہے: جہاں تک متوفیٰ عنہا زوجہا (بیوہ) کی بات ہے تو اس کے لیے دن میں نکلنا جائز ہے، اس سے اس طرح پر تعریض بالنکاح کرنا درست ہے جس پر اس کے سوا کوئی واقف نہ ہو۔ یعنی مثلاً تعریض میں اس طرح کے جملے کہے جاسکتے ہیں: انّكِ لجميلةٌ، انّكِ لصالحةٌ، من غرضيُ أن أتزوّجكِ، وغیرہ۔ البتہ صاف انداز میں کہنا درست نہیں ہے، کیونکہ اس وقت تعریض کے بجائے تصریح ہوجائے گی، مثلاً کوئی کہے: انّيُ أريدُ أنْ أنكحَكِ، وغیرہ۔

درمختار میں ہے: اور موت کی عدت گزارنے والی جدیدین یعنی دن اور رات میں نکل سکتی ہے، اور رات کا اکثر حصہ گھر میں گزارے گی، اس لیے کہ اس کا نفقہ اسی کے ذمہ ہے، تو وہ نکلنے کے لیے محتاج ہے، حتیٰ کہ بیوہ کے پاس اس کی بقدر کفایت مال ہے تو وہ مطلقہ کی طرح ہوجائے گی، لہٰذا اس کے لیے نکلنا جائز نہیں ہوگا۔

قنیہ میں ہے کہ معتدہ کا اپنی ضروریات کی اصلاح و درستگی کے لیے نکلنا جائز ہے، جیسے کہ زراعت وکھیتی کی دیکھ ریکھ اور خبر گیری کے لیے نکلنا جب کہ اس کا کوئی کارندہ نہ ہو۔ اور کوئی عورت مطلقہ ہوگئی، یا کسی کا شوہر مرگیا ہے اس حال میں کہ وہ اپنے مکان میں نہیں ہے، تو وہ (طلاق یا موت کی خبر پاکر) فی الفور اپنے گھر (مکان) میں آئے گی کیونکہ اس مکان میں آنا واجب ہے، اور معتدۂ طلاق اور متوفیٰ عنہا زوجہا (بیوہ) دونوں اس گھر میں عدت گزاریں گی جس میں عدت واجب ہوئی ہے، اور دونوں اس گھر سے نہیں نکلیں گی الا یہ کہ اس وقت نکلنا جائز ہے جب کہ ان وہاں سے نکالی جائے یا گھر منہدم ہو

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب العدة: ۵/ ۲۲۵، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية، ۱۴۲۴ھ- ۲۰۰۳م

جانے کا خوف ہو، یا اپنے مال کے برباد ہونے ڈر ہے، یا گھر کا کرایہ دینے کی استطاعت عورت میں نہیں ہے، اوراس قسم کی اور ضروریات ہیں، تو اس مکان سے قریب ترین مکان کی طرف منتقل ہو جائے گی، یعنی اس کو کوشش ہونی چاہیے کہ وہ زیادہ دور نہ جائے۔]

وفی مؤطا[الامام] محمد فی قصة الفريعة، فقال:

أمكثی فی بيتك حتیٰ يبلغ الكتاب أجله، قالت: فأعددت فيه أربعة أشهر و عشراً، قالت فلما كان أمر عثمان، أرسل اليّ، فسئلنی عن ذالك؟ فأخبرته بذالك فاتبعه وقضیٰ به.(۱)انتهیٰ.

قال [الامام] محمد فی المؤطا: لا ينبغی للمرأة أن تنتقل من منزلها الذی طلقها فيه زوجها، ان كان الطلاق بائناً أو غير بائن أو مات عنها فيه حتیٰ تنقضي عدتها، وهو قول أبی حنيفة و العامة من فقهائنا.(۲)انتهیٰ.

[مؤطا امام محمد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے گھر میں ٹھری رہو یہاں تک کہ عدت اپنی انتہا کو پہنچ جائے، انہوں نے کہا کہ میں نے اس گھر میں چار ماہ دس دن شمار کر لیے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد آیا تو آپؓ نے مجھے بلوایا اور اس کے بارے میں مجھ سے دریافت کیا، میں نے آپ کو اس کے بارے میں بتایا، آپؓ نے اس کو تسلیم کیا، اور اس کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

---

(۱)مؤطا الامام محمد بن الحسن الشيباني مع التعليق الممجد للامام اللكنوي، تحقيق:الأستاذ تقي الدين الندوي المظاهري، كتاب الطلاق، باب المرأة تنتقل من منزلها قبل انقضاء عدتها من موت أو طلاق:۲/۵٦۱-۵٦٤، رقم الحديث: ۵۹۲، الطبعة الثانية ۱٤۱۸ھ- ۱۹۹۸م

(۲)مؤطا الامام محمد بن الحسن الشيباني مع التعليق الممجد للامام اللكنوي، كتاب الطلاق:۲/۵٦۰-۵٦۱، ۲/۵٦۵، الطبعة الثانية ۱٤۱۸ھ- ۱۹۹۸م

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ مؤطا میں فرماتے ہیں کہ اس عورت کے لیے اپنے اس گھر سے منتقل ہونا درست نہیں جس میں اس کے شوہر نے اس کو طلاق دی ہے، خواہ طلاق بائن ہو یا طلاق غیر بائن یا متوفی عنہا زوجہا ہو یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے، اور یہ امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہائے کرام کا قول ہے۔]

عن جابر رضي الله عنه قال: طلّقت خالتُه، فأرادت أن تخرج الىٰ نخلٍ لها، فلقيَت رجلاً، فنهاها، فجاءت رسولَ الله صلى الله عليه وسلم، فقال: اخرُجي فجُدّي نخلَكِ لعلّكِ تصَدّقي أو تفعَلِي معروفاً. كذا رواه النسائي.(۱)

وفي رواية الترمذي فقال: كيف قلتِ؟ قالت: فرددتُ عليه القصة التي ذكرتُ له من شان زوجي، قال: أمكثي في بيتك حتىٰ يبلغ الكتاب أجله......الحديث. قال صاحب الترمذي: والعمل على هذا الحديث عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم، لم يروا للمعتدة أن تنتقل من بيت زوجها حتىٰ تنقضيَ عدّتُها. وهو قول سفيان الثوري والشافعي وأحمد وأسحاق.

[حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری خالہ مطلقہ ہوگئیں تو انہوں نے اپنے نخلستان کی طرف نکلنے کا ارادہ کیا، چنانچہ وہ راستہ میں ایک آدمی سے ملی تو اس آدمی نے ان کو منع کیا، تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکلو اور اپنی کھجوروں کو توڑلو، شاید کہ تم صدقہ کرو یا کوئی خیر کا کام کرو۔

ترمذی کی روایت میں ہے کہ پس آپ نے فرمایا کہ تم یہ کیسے کہتی ہو؟

---

(۱) سنن النسائي، كتاب الطلاق، باب خروج المتوفى عنها بالنهار، رقم: ۳۵۸۰. سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب في المبتوتة تخرج بالنهار، رقم: ۲۲۹۷. دار السلام الرياض

انہوں نے جواب دیا: میں نے پورا قصہ دوہرا دیا جو میں نے اپنے شوہر کے بارے میں ذکر کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ اپنے گھر میں ٹھری رہو یہاں تک کہ عدت اپنی انتہا کو پہونچ جائے......الخ۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اور دیگر بہت سے اہل علم کے نزدیک اس حدیث پر عمل ہے، یہ حضرات معتدہ کے لیے اپنے شوہر کے گھر سے منتقلی کواس وقت تک جائز قرار نہیں دیتے جب تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔ اور یہ حضرت سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ کا قول ہے۔](۱)

و[قال اللّٰه تعالیٰ] فی کلامه المجید:

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم﴾(٢)

[اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں فرمایا: ان کو اپنی حیثیت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو]

وفی کلامه تعالیٰ:

﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾(٣)

[ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نہ تم ان عورتوں کو ان کے گھروں سے نکالو، اور نہ وہ خود نکلیں سوائے اس کے کہ وہ کوئی کھلی بے حیائی کر بیٹھیں۔]

واللّٰه أعلم، وعلمه أتم وأحكم، حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز اللّٰه عن ذنبه الخفي والمبين. فقط.

---

(١) جامع الترمذي، أبواب الطلاق واللعان، باب ما جاء أين تعتد المتوفى عنها زوجها، رقم الحديث:١٢٠٤، دار السلام الرياض. سنن أبي داوٗد، كتاب الطلاق، باب في المتوفى عنها تنتقل، رقم:٢٣٠٠، دار السلام الرياض

(٢) الطلاق:٦ (٣) الطلاق:١

کتاب الحضانة

حق حضانت اور اس کی مدت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مرد تھا، وہ مر گیا، اور دو لڑکے ہیں اس کی نسل سے، لڑکوں کی ماں نے دوسرا نکاح کیا، اور لڑکوں کی دادی نے دوسرا نکاح کیا، اور لڑکوں کے چچا اور دادا بھی ہے، اور لڑکوں کی عمر یہ ہے کہ لڑکی دو برس کی اور لڑکا چار برس کا، اور اب اس وقت تین شخص دعوی کرتے ہیں؛ اول: ماں کہتی ہے کہ میں پرورش کروں گی۔ دوسرے: دادی کہتی ہے کہ میں پرورش کروں گی۔ تیسرے: دادا کہتا ہے کہ میں پرورش کروں گا۔ سو اب کس کی پرورش میں آسکتے ہیں؟ اور پرورش کی مدت کیا ہے؟ فقط.

هو المصوب

جواب: حق حضانت یعنی پرورش کا [حق] جس کی تحدید زمانہ میں (اور) تعداد ازمنہ میں، فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔ ہدایہ میں ہے:

والأم و الجدة أحق بالغلام حتى يأكل وحده ويشرب وحده و يلبس وحده ويستنجي وحده. وفي الجامع الصغير حتى يستغني فيأكل وحده ويشرب وحده ويلبس وحده، والمعنى واحد، لأن تمام الاستغناء بالقدرة على الاستنجاء، ووجهه أنه اذا استغنى يحتاج الى التأدب

والتخلق بآداب الرجال وأخلاقهم، والأب أقدر على التأديب والتشفيف. والخصّاف قدّر الاستغناء بسبع سنين اعتباراً للغالب.(۱)انتهیٰ.

[ماں، نانی اور دادی کو (بالترتیب) بچہ کی حضانت حق کا ہے، یہاں تک کہ وہ خود کھانے لگے، خود پینے لگے اور خود پہنے اور خود سے استنجاء کرنے لگے۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ یہاں تک کہ وہ خود مستغنی ہوجائے کہ خود کھانے لگے، پینے لگے اور خود پہنے۔ اور دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، اس لیے کہ کامل استغناء قدرت علی الاستنجاء کے ساتھ وابستہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ مستغنی ہوجائے گا تو آدمیوں کے آداب واخلاق کو اختیار کرنے اور سنورنے، مزین ہونے کی ضرورت ہوتی ہے، اور باپ اخلاق وآداب سکھانے پر زیادہ قادر ہے۔ اور امام ابوبکر احمد بن عمر خصافؒ نے عموم کا اعتبار کرتے ہوئے سات سال کا حکم لگایا ہے۔]

''کافی'' وغیرہ میں فتویٰ [ہے] اوپر سات برس کے۔ چنانچہ عینی والے نے نقل کیا، پس حق حضانت و پرورش ماں کا [ہے]، من بعد نانی کا، من بعد دادی کا، جب تک کہ شادی انہوں نے دوسرے سے نہ کی ہو، ورنہ تزویج سے حق ساقط ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا:

عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عبد الله بن عمرو أن امرأة قالت؛ يارسول الله! انّ ابني هذا كان بطني له وعاء، وحجري له حواء، وثديي له سقاء، وزعم أبوه أنّه ينتزعه منّي، فقال عليه الصلاة والسلام: أنت أحق به ما لم

(۱)الهداية شرح بداية المبتدي، باب حضانة الولد ومن أحق به:۳/۳۱۲-۳۱۳، مكتبة البشرىٰ، كراتشي باكستان، ۲۰۰۸

تتزوجی. انتھیٰ.(۱)

[عمرو بن شعیب اپنے والد، اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بیشک میرا پیٹ میرے اس بچہ کے لیے برتن ہے، میری گود اس کا گھر ہے، اور میری چھاتیاں اس کے لیے ڈول ہے، اس کا باپ اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس بچہ پر تمہارا حق زیادہ ہے جب تک کہ تم شادی نہ کرو۔]

واللہ أعلم، رقمہ محمد أمین القطبي حسني الحسیني الأحمدي المحمدي النصیر آبادي تجاوز اللہ عن سیآتہ و معصیاتہ الخفیة و الجلیة. فقط

حضانت کا حق کس کو حاصل ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا، زید کی نسل سے ہندہ کا ایک لڑکا پیدا ہوا، اور اس کا نام اسماعیل رکھا گیا، بعد چند روز کے زید انتقال کر گیا، اور اسماعیل کو لے کر ہندہ پانچ سال تک بیٹھی رہی، بعد اس کے ہندہ نے عمرو سے نکاح کیا، اور جو لڑکا زید کی نسل سے پیدا ہوا تھا، وہ لڑکا لے کر عمرو کے یہاں ہندہ گئی، اور وہ لڑکا بلوغت کو پہونچا، ہندہ نے اسماعیل کو گھر سے نکال دیا، اور چند روز کے بعد اسماعیل نے زینب سے نکاح کیا، اور اسماعیل کی نسل سے دو لڑکے پیدا ہوئے، ایک لڑکا اور ایک لڑکی، بعد چند روز کے اسماعیل نے انتقال کیا، لڑکے چھوٹے ہیں، لڑکا چار برس کا اور لڑکی دو برس کی، سو اس وقت میں وارث کون ہیں؟ لڑکے کی دادی کہتی ہے کہ میرا حق ہے کہ میرے لڑکے کے

---

(۱) سنن أبی داؤد، أبواب تفریع الطلاق، باب من أحق بالولد، رقم:۲۲۷۶، دار السلام الریاض. سنن الدارمي، باب المهر، رقم:۲۱۸، ۲۱۹، سنن الدارقطني، کتاب النکاح، باب المهر، رقم:۳۸۰۸، ۳۸۱۰

لڑکے ہیں، اور زید کے بھائی کہتے ہیں کہ میرا حق ہے، اور زینب کہتی ہے کہ میرا حق ہے کہ میں نے پرورش کیا ہے، تو کس کی طرف ورثہ (پرورش کا حق) پہونچتا ہے؟

هو الموفق

جواب: حق حضانت یعنی پرورش کا حق ماں کا ہے، (اور) جبکہ ماں نے اپنے عقد ثانی کر لینے سے حق پرورش کو ساقط کیا، تو ام الام [ثانی] ہے، (اور) بر تقدیر عدم حیات ام الام یعنی جدہ، ام الاب ہے یعنی دادی ہے، (اور) حق ولدیت بعد اب وجد کے عم ہے یعنی باپ دادا کے پیچھے جو بھائی حقیقی باپ کا ہے، حق ولدیت اس کا [ہے]۔

والله أعلم بالصواب، حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني النصير آبا دي عفا الله عنه ذنوبه وعن والديه. فقط

کتاب المیراث

ماں، زوجہ، تین لڑکے، دولڑکیاں اور بہن میں تقسیم میراث

سوال: چہ می فرمانید علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمی فقیر محمد ابن غلام محمد جانسی روبروئے مادر خود مسماۃ ہندہ مذہب شیعہ، ومسماۃ زینب [اخت] و مسماۃ خانیہ زوجہ فقیر محمد مذہب شیعہ، ومسمون میر محمد وعمرو وزید بنون حنفی المذہب، و مسمیان جہانیہ وشہانیہ بنات خود فوت شد۔ وبعدہ مسماۃ ہندہ روبروئے دختر خود مسماۃ زینب مذکورہ وبنون وبنات فقیر محمد محجوب الارث را گذاشتہ فوت شد، حالا از ترکہ فقیر محمد ومسماۃ ہندہ، بہر کس از ورثائے شرعی چہ قدر شرعاً میراث خواہد رسید۔ بینوا بالکتاب [والسنۃ] وتوجروا یوم الحساب، فقط۔

[کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی فقیر محمد بن غلام محمد جانسی نے اپنی ماں مسماۃ ہندہ جو شیعہ مذہب رکھتی ہے، اور مسماۃ زینب اور مسماۃ خانیہ زوجہ فقیر محمد جو کہ شیعی مذہب کو ماننے والی ہیں، اور فرزندان مسمیان میر محمد، عمرو، اور زید حنفی مسلک کے پابند ہیں، اور دختران خود مسمیان جہانیہ اور شہانیہ کے روبرو انتقال کیا۔

اور اس کے بعد مسماۃ ہندہ نے اپنی بیٹی مسماۃ زینب مذکورہ، اور فرزندان ودختران فقیر محمد محجوب الارث کو چھوڑ کر فوت ہوگئی، اب مسمی فقیر محمد اور مسماۃ ہندہ کے ترکہ سے ورثائے شرعی میں سے کس کو شرعاً میراث میں کتنا حصہ ملے گا۔ کتاب وسنت کی روشنی میں

وضاحت فرمائیں اور روز قیامت مستحق اجر ہوں۔ فقط]

هو المصوب

جواب: بعد تقدیم ما یتقدم علی الارث ترکہ متروکہ فقیر محمد، حصۂ ششم مادر موصی الیہ مسماۃ ہندہ (۱) وحصۂ ہشتم زوجہ (۲) مورث، باقی "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ" درمیان پسران ودختران (۳) تقسیم خواہد یافت۔ [اخت او مسماۃ زینب محروم شود]۔ (۴)

---

(۱) وأما للأم فأحوال ثلاث: (۱) السدس مع الولد أو ولد الولد وان سفل، أو مع الاثنين من الأخوة والأخوات فصاعداً من أيّ جهة كانا، (۲) وثلث الكل عند عدم هؤلاء المذكورين، (۳) وثلث ما بقي بعد فرض أحد الزوجين.

(السراجی فی المیراث مع دلیل الوراث للکیرانوي: ۲۷، مکتبة الاتحاد بدیوبند)

الأصل فی أحوال الأم قوله تعالىٰ:

﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ﴾ (النساء: ۱۱)

(۲) أما للزوجات فحالتان: (الحالة الثانية) والثمن مع الولد وولد الابن وان سفل.

(السراجی فی المیراث: ۱۹، مع دلیل الوراث).

والأصل فی میراث الزوجة قوله تعالىٰ:

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم﴾ (النساء: ۱۲)

(۳) وأما بنات الصلب فأحوال ثلاث: (۱) النصف للواحدة (۲) والثلثان للاثنتين فصاعدة (۳) مع الابن ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ وهو يعصبهن.

(السراجی فی المیراث: ۲۰)

والأصل فی ذلك قوله تعالىٰ:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ (النساء: ۱۱)

(٤) بنو الأعيان والعلات أی الأخوة والأخوات لأب وأم، وبنو العلات أی الأخوة والأخوات لأب كلهم يسقطون بالابن وابن الابن وان سفل.

(الشريفية شرح السراجية: ۲۰، المکتبة الأسعدية سهارن فور، الهند)

ودر ترکہ مسماۃ گہاسی یعنی ہندہ بجز دختر حسن باندی یعنی زینب دیگر ہیچ نخواہد یافت ونخواہد رسید، بلکہ حصہ کہ از ترکہ فقیر محمد بمادرش اوہم بعد وفاتش بدخترش مسماۃ زینب خواہد رسید۔(۱)

[صورت مسئولہ میں ان امور کو انجام دینے کے بعد جو تقسیم میراث پر مقدم ہوتے ہیں (یعنی تجہیز وتکفین کا خرچ نکالا جائے، اور قرض ادا کیا جائے، اور وصیت نافذ کی جائے) فقیر محمد کے ترکہ متروکہ میں سے ماں مشار الیہا مسماۃ ہندہ کو چھٹا حصہ، اور زوجہ کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ باقی کو بیٹوں اور بیٹیوں کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔[اس کی بہن مسماۃ زینب محروم ہوگی]۔

ترکہ مسماۃ ہندہ میں سوائے بیٹی مسماۃ زینب کے کوئی کچھ نہیں پائے گا اور نہ ہی ملے گا، بلکہ فقیر محمد کے ترکہ سے اس کی ماں کو اس (فقیر محمد) کی وفات کے بعد جو حصہ ملا تھا وہ اس کی بیٹی مسماۃ زینب کو ملے گا۔]

واللہ أعلم بالصواب، حررہ الراجی محمد أمین حسني الحسيني النصير آبادي عفا الله عنه.

---

(۱) حقیقت مسئلہ یہ ہے کہ جب بیٹی اکیلی ہو تو اس کو نصف حصہ ملتا ہے، اور پوتے پوتیاں عصبہ ہوں گے، اور ان کے درمیان ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ قاعدہ کے لحاظ سے وراثت تقسیم کی جائے گی۔

أما لبنات الصلب فأحوال ثلاث:(۱) النصف للواحدة (۲) والثلثان للاثنتين فصاعدة(۳) مع الابن للذكر مثل حظ الانثيين وهو يعصبهن.

(السراجی فی الميراث: ۲۰، مع دليل الوراث، مكتبة الاتحاد بديوبند، الهند)

وبنات الابن كبنات الصلب، ولهن أحوال ست:(۱) النصف للواحدة (۲) والثلثان للاثنتين فصاعدة عند عدم بنات الصلب (۳) ولهن السدس مع الواحدة الصلبية تكملة للثلثين، (٤) ولا يرثن مع الصلبيتين (٥) الا أن يكون بحذائهن أو أسفل منهن غلام فيعصبهن والباقي بينهم للذكر مثل حظ الأنثيين (٦) ويسقطن بالابن.

(السراجی فی الميراث مع دليل الوراث: ۲۰-۲۱، مكتبة الاتحاد بديوبند، الهند)

ابن، ۲/ بنات اور زوجہ میں وراثت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی زید کی دو بی بی مسماۃ ہندہ و مسماۃ زینب ہیں، مسماۃ ہندہ زوجہ اولی کی ایک دختر مسماۃ کلثوم [ہے، اور] مسماۃ زینب زوجہ ثانیہ کے ایک پسر مسمیٰ عبد الرحمٰن (اور) ایک دختر مسماۃ آمنہ ہیں، بعد چند روز منقضی ہونے کے زید نے زوجہ اولیٰ مسماۃ ہندہ کو طلاق دے دیا، اور اس وقت میں دختر مذکورہ دو برس کی تھی، بعد ازاں اس کی پرورش والدہ کے پاس ہوئی بلکہ شادی بھی ہندہ نے اپنی طرف سے اپنی دختر مسماۃ کلثوم کی کیا، حالت حیات میں کئی بار مسماۃ کلثوم نے اپنے والد مسمیٰ زید سے حصہ کے بارے میں کہا، انہوں نے جواب دیا کہ تو کیوں متردد ہے، تیرا حصہ میں دوں گا حتیٰ کی اس اثناء میں زید کا انتقال ہو گیا۔ الحال حصہ کلثوم کا از روئے شرع شریف کیا پہونچتا ہے۔ بینوا توجروا۔

هو المصوب

جواب: بعد تقدیم ما یتقدم علی الارث ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ (۱) میان عبد الرحمٰن و آمنہ و کلثوم (۲) تقسیم ترکہ متروکہ زید ہوگا، (اور) زوجہ کو ثمن (۳) ملے گا۔

---

(۱) النساء: ۱۱ [میراث کے مقدمات اور ابتدائیات کی کاروائی کے بعد ترکہ کو "مرد کے لیے دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے" والی آیت قرآنی کو سامنے رکھ کر آمنہ و کلثوم اور عبد الرحمٰن کے درمیان بانٹ دیا جائے گا، اور بیوہ کو آٹھواں حصہ ملے گا]

(۲) وأما بنات الصلب فأحوال ثلاث: (الحالة الثالثة) مع الابن ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ وهو يعصبهن. (السراجی فی المیراث: ۲۰)

والأصل فی ذلك قوله تعالیٰ:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ (النساء: ۱۱)

(۳) أما للزوجات فحالتان: (الحالة الثانية) والثمن مع الولد وولد الابن وان سفل.

(السراجی فی المیراث: ۱۹)

والأصل فی میراث الزوجة قوله تعالی:

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم﴾ (النساء: ۱۲)

واللّٰہ أعلم وعلمه أتم وأحكم، كتبه محمد أمين حسني الحسيني غفر اللّٰہ ذنوبه ولوالديه.

والد، زوجہ میں وراثت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ شرف الدین خان نے وفات پائی، ایک والد مسمیٰ احمد خان، ایک زوجہ نابالغہ مسماۃ زینب کو چھوڑا، اس کی زوجہ کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ایک تو نابالغہ ہے، اس پر اس کا نکاح بلا اطلاع اہل برادری واہل قصبہ واعزاء واقرباء کے ہوا ہے حتیٰ کہ باپ مسمیٰ احمد خان مذکور کو بھی اب تک جائداد متوفی ولی منجانب سرکار مقرر ہے، اطلاع وخبر نہیں ہے، اس کا خسر یعنی شرف الدین خان مرحوم کا باپ بطمع استحصال جائداد اس نکاح میں مہتمم ہوا، اور بطور خود شہرت نکاح کی دی اور شرف الدین خان مرحوم کے ترکہ سے اس کی زوجہ مشہور شدہ کو کچھ ملنا چاہیے یا نہیں؟ اگر کچھ ملنا چاہیے تو کس قدر زوجہ معلومہ کو اور کس قدر اس کے باپ احمد خان کو ملنا چاہیے، شرف الدین خان مرحوم کو اپنی زوجہ سے خلوت صحیحہ کا اتفاق نہیں ہوا۔

هو المصوب

جواب: بعد تقدیم ما یتقدم علی الارث ورفع موانع وصورت صحیحہ، ربع زوجہ کو (اور) تین ربع باپ کو تعصیب مطلق کے رو سے۔

مسئلہ من: ۴

میت ـــــ شرف الدین خان

زوجہ	اب
۱	۳

كما فی الدر المختار:

فللزوجات حالتان: [۱] الربع بلا ولد [۲] والثمن مع الولد.

وللأب والجد ثلاث أحوال: [۱] الفرض المطلق وهو

السدس وذلك مع ولد أو ولد ابن.[۲] والتعصيب المطلق عند عدمهما.[۳] والفرض والتعصيب مع البنت أو بنت الابن. انتهىٰ ملخصاً.(۱)

وفيه عند الانفراد يحرز جميع المال.انتهىٰ.(۲)

وفي السراجي: والتعصيب المحض، وذلك عند عدم الولد أو ولد الابن وان سفل.(۳)

وفي شرحه الشريفية: وذلك لقوله تعالىٰ: ﴿فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ﴾ (٤)اذ يفهم منه أن الباقي للأب فيكون عصبة. انتهى(٥)

[''درمختار'' میں ہے کہ زوجہ کے دو احوال ہیں:

(۱) ربع جبکہ کوئی اولاد نہ ہو (۲) ثمن یعنی آٹھواں حصہ جبکہ اولاد ہو۔

باپ اور دادا کے تین احوال ہیں:

(۱) فرض مطلق اور یہ چھٹا حصہ ہے، اور یہ بیٹے یا پوتے کے ساتھ ہے۔

(۲) بیٹے اور پوتے کی عدم موجودگی میں عصبہ محض۔

(۳) فرض مع تعصیب بیٹی یا پوتی کے ساتھ۔ اور اسی میں ہے کہ اکیلے ہونے کے وقت کل مال حاصل کرے گا۔

''سراجی'' میں ہے کہ عصبہ محض ہے اور یہ اولاد یا بیٹے کی اولاد نیچے تک

(۱) الدر المختار مع الرد، كتاب الفرائض: ۵۱۲/۱۰، دار الكتب العلمية بيروت، ۱٤۲٤ھ- ۲۰۰۳م، الطبعة الثانية۔ السراجي في الميراث:۱٦-۱۷، مكتبة الاتحاد ديوبند

(۲) نفس المصدر السابق آنفاً، فصل في العصبات: ۵۱۷/۱۰

(۳) السراجي في الميراث مع دليل الوارث:۱۷، مكتبة الاتحاد بديوبند-الهند

(٤) النساء:۱۱ (٥) الشريفية شرح السراجية :۱۸، مع حل الحواشي للعلامة الفقيه عبد الحي بن عبد الحليم اللكناوي، المكتبة الأسعدية سهارن فور، ديوبند

موجود نہ ہونے میں ہے۔ ''شریفیہ شرح سراجیہ'' میں ہے: اللہ تعالی کے نے فرمایا: ''اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو اس کے وارث اس کے ماں باپ ہیں، اس کی ماں کے لیے ثلث یعنی تہائی حصہ ہے''۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باقی سب باپ کے لیے ہیں کیونکہ وہ عصبہ ہے۔]

واللہ أعلم بالصواب وعندہ حسن الثواب، حررہ الراجي محمد أمین حسني الحسیني عفا اللہ المتین وتجاوز اللہ عن ذنبہ الخفي والمبین.

زندگی میں باپ سے الگ رہنے والے لڑکے کو میراث

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی حیات میں اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ اپنے تین لڑکوں کو تقسیم کردی، اور قدرے جائداد منقولہ اپنے لیے قائم رکھی، بعد چند روز یا اسی وقت دونوں بڑے لڑکے والدین سے علاحدہ، زندگی میں ہوگئے، اور چھوٹا بھائی اپنے والدین کا شریک رہ کر ان کے تمام اخراجات کا متکفل رہا، بعد انتقال والدین جو حقوق متعلقہ بعد وفات ہے وہ بھی سب چھوٹے لڑکے نے ادا کیا، اب جائداد منقولہ جو کہ والدین اپنے واسطے رکھے ہیں اس میں سے ان دونوں لڑکوں بڑوں کا شرعاً حصہ ملے گا یا نہیں؟ اگر حالت حیات میں والدین جائداد منقولہ اپنے چھوٹے لڑکے کو دے دیے گئے ہوں اس حالت میں بھی ان دونوں کو حصہ ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

ھو المصوب

جواب: حصہ ملے گا، بشرطیکہ اس چھوٹے کو ہبہ مع القبض نہ کیا گیا ہو۔ اگرچہ حالت حیات میں علاحدہ رہے ہوں، اس لیے کہ تقسیم ترکہ بعد ممات کے، کیا جاتا ہے:

﴿یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِیۤ أَوۡلَادِکُمۡ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡأُنثَیَیۡنِ﴾(۱)

[اللہ تعالی تمھیں تمہاری اولاد کی وراثت کے بارے میں وصیت کرتا

---

(۱) النساء: ۱۱

ہے کہ مرد کے لیے دو عورت کے حصہ کے برابر ہے۔]
بعد فوت ہونے مورث کے، حصہ باٹ (تقسیم کرنے) کا حکم ہے۔

والله أعلم، وعلمه أتم وأحكم، نقمه عبده المدعو بمحمد أمين حسني الحسيني، تجاوز الله عن ذنبه الدقيق والسمين.

میراث کی تقسیم کا ایک مسئلہ

سوال: چہ می فرمانید مفتیان شرع متین اندریں صورت کہ زید مرد، و یک پسر و زوجہ و برادر گذاشت، بعدہ زوجہ زید نکاح ثانی کردہ و پسر زید، نیز دریں زمان وفات یافت، و زوجہ منکوحہ بغیر خلوت صحیحہ، و مادر خود یعنی زوجہ زید پدر خود و عم یعنی برادر زید متوفی گذاشت، اندریں صورت تقسیم ترکہ زید بچہ عنوان خواہد شد و خواہد رسید۔ بینوا توجروا۔

[کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید مر گیا، اور ایک لڑکا، ایک زوجہ اور ایک بھائی چھوڑ گیا، اس کے بعد زوجہ زید نے نکاح ثانی کر لیا، اور اس کے لڑکے (بکر) نے بھی شادی کر لی، نیز اس زمانہ میں اس نے وفات پائی، زوجہ منکوحہ بغیر خلوت صحیحہ ہے، اور اس کی ماں یعنی زید کی بیوی [باپ کی بیوی] اور عم یعنی زید کا بھائی اس نے چھوڑا، اس صورت میں ترکہ زید کس طرح تقسیم ہوگی؟]۔

هو المصوب

جواب: از ترکہ زید ثمن بزوجہ اش، و باقی بہ پسر خواہد رسید۔ و از ترکہ پسر ربع بزوجہ اش، و ثلث بمادرش، و باقی بعم خواہد رسید۔(۱) بدیں صورت۔

---

(۱) فللزوجات حالتان: (۱) الربع بلا ولد، (۲) والثمن مع الولد.
وللأم ثلاثة أحوال: (۱) السدس مع أحدهما أو مع اثنين من الأخوة أو من الأخوات فصاعداً من أي جهة كانا، ولو مختلطين (۲) والثلث عند عدمهم (۳) وثلث الباقي مع الأب أحد الزوجين.
[الدر المختار مع كشف الأستار للشيخ الكيرانوي: ۲/۲۵۵، المطبع المجتبائي بدهلي، ۱۳۳۲ھ-۱۹۱۴م، الطبعة الأولى، السراجي في الميراث: ۱۹، ۲۷] ......باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

من:۸ بصحه:۹٦

میت ـــ زید

زوجه(کریمه)	ابن (بکر)	اخ (نعیم)
۱۲/۱	۷	م

من:۱۲ للتباین ما فی الید

میت ـــ بکر

ام(کریمه)	زوجه (حلیمه)	عم (نعیم)
۲۸/٤	۲۱/۳	۳٥/٥

المبلغ:(۹٦)

الأحیاء

کریمه	حلیمه	نعیم
٤٠	۲۱	۳٥

[ترکہ زید اس کی زوجہ (بیوی) کو آٹھواں اور باقی اس کے لڑکے کو ملے گا۔ اور ترکہ پسر سے ربع ملے گا اور اس کی ماں کو ثلث، اور باقی اس کے چچا کو ملے گا۔ اس کی تقسیم کی صورت متن میں ہی دیکھ لی جائے۔]

واللّٰہ أعلم، حررہ الراجی عفو ربه القوي أبو الحسنات محمد عبد الحي تجاوز اللّٰہ عن ذنبه الجلي والخفي۔

......بقیہ حاشیہ......

وللعم راجع الیٰ کتاب المیراث، فصل فی العصبات فی الدر المختار، والی السراجی فی المیراث، باب العصبات للامام السجاوندي مع دلیل الوراث للشیخ الکیرانوي:۳۲-۳۳، مکتبة الاتحاد بدیوبند، الهند

متفرقات

کیا جہاد بالنفس جہاد اکبر ہے؟(۱)

سوال: فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس واسطے، کہ جہاد نفسی جہاد اکبر ہے؟ [کیا اس لیے] کہ اپنے اوپر تلوار لگانا [چلانا] بہت مشکل ہے، اور دوسرے پر چلانا سہل ہے۔

پس تحقیق، اس کی [مطلوب ہے] کہ یہ احادیث، کتب موجودہ میں سے قوی روایتاً کس کتاب میں ہیں؟ بنابر سند حدیث، مرقوم ہونی چاہیے۔

هو الموفق

جواب: جہاد نفسی جہاد اکبر [ہے] اس لفظ سے روایت حدیث، بنظر فقیر سے نہیں

---

(۱) اسلام کے عباداتی نظام میں ایک اہم عبادت جہاد ہے، اس کا دائرہ اور حدود نہایت وسیع ہے، جہاد سے جہاد فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ ہی کا معنی لینا اس کے دائرہ وسعت کو تنگ کرنا ہے، آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں علمائے امت اور بزرگان دین نے جہاد کی متعدد قسمیں بیان کی ہیں مثلاً جہاد بالسیف، جہاد بالقلم، اور جہاد بالنفس اور جہاد بالمال وغیرہ۔ صلحائے امت وعلمائے دل نے بتایا ہے کہ سب سے بڑا جہاد اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہے، اسی کو اہل تصوف جہاد اکبر سے تعبیر کرتے ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جو ابھی ایک غزوہ سے واپس آئے تھے، فرمایا کہ ''تمہارا آنا مبارک، تم چھوٹے جہاد (غزوہ) سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو، بڑا جہاد بندہ کا اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہے''۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بہترین جہاد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنی خواہش سے جہاد کرتا ہے''۔ ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ المجاهد من جاهد نفسه۔ ''یعنی مجاہد تو وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے''۔

گزری۔(اور) اگر جہاد نفسی سے یہ مراد ہے کہ تمامی خواہشوں سے (اگرچہ طیبات و محللات سے کیوں نہ ہوں) نفس کو روکنا (اور) جی کو ترسانا جس کو مسلک، فقیری و درویشی کا، سمجھتے ہیں، حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ﴾(۱)

[اللہ نے تمہارے لیے جو پاکیزہ چیزیں حلال کر دیں، ان کو حرام مت ٹھراؤ]

دوسرے مقام پر یوں فرماتا ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾(۲)

[پوچھئے کہ کس نے اللہ کے دیئے ہوئے زینت کے سامان حرام کیے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیے ہیں اور صاف ستھری کھانے کی چیزیں۔]

برخلاف حکم ربانی، فقیری و درویشی کہاں؟ رہبانیت ہماری شریعت میں نہیں۔ نفس پر جبر کرنا (اور) تکلیف مالایطاق دینا و تکلیف بالمحل کے ساتھ خدا نے مامور نہیں فرمایا۔ چنانچہ فرمودۂ باری تعالیٰ [ہے]:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾(۳)

[اللہ تعالیٰ کسی کو طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں بناتا]

اور دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہے:

﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾(٤)

[اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، وہ تمہارے ساتھ سختی نہیں چاہتا]

---

(۱) المائدة:۸۷ (۲) الأعراف:۳۲ (۳) البقرة:۲۸٦ (٤) البقرة:۱۸۵

اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [ہے]:

الدین یسر.(۱)

[ترجمہ: دین آسان ہے]

اور حدیث آخر [ہے]:

یسروا ولا تعسروا.(۲)

[ترجمہ: آسانی پیدا کرو اور تنگی میں نہ ڈالو۔]

پس خلاف فرمودۂ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کمال کجا؟ اور طرۂ مزید برآں، تکلیف مالا یطاق دینے کو، جی و نفس کا مارنا (اور) قبل مرنے کے مرنا سمجھنا (اور) اس کو جہادِ نفسی بوجھنا، یہ اگر مراد ہے (اور) حدیث بھی ثابت کرنا یعنی "موتوا قبل أن تموتوا" [کو] سند میں پیش لانا [کرنا] غیر ثابت۔ چنانچہ موضوعات کبیر میں ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حدیث موتوا قبل أن تموتوا، قال العسقلاني: انّه غير ثابت، قلت: هو من كلام الصوفية والمعنى موتوا اختياراً قبل أن تموتوا اضطراراً أو المراد بالموت الاختيارى ترك الشهوات و اللهوات وما يترتّب عليها من الذالات و الغفلات. انتهىٰ (۳)

[حدیث "موتوا قبل أن تموتوا" کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے فرمایا: یہ ثابت نہیں ہے۔ میں (ملا علی

(۱) صحيح البخاري، كتاب الايمان، باب: الدين يسر، رقم:۳۹، سنن النسائي، كتاب الايمان و شرائعه، باب: الدين يسر، رقم:۵۰۳۷، شعب الايمان للبيهقي، كتاب الصيام، رقم:۳۵۹۸،۳۸۸۱

(۲) صحيح البخاري، كتاب العلم، رقم:۶۹۔ كتاب الأدب، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: يسروا ولا تعسروا، رقم:۶۱۲۵، صحيح مسلم، باب في الأمر بالتيسير و ترك التنفير، رقم:۱۷۲۳،۱۷۲۴،۱۷۳۴

(۳) موضوعات كبير للامام ملا علي القارى:۷۵، المطبع المجتبائي بدهلى

قاریؒ) کہتا ہوں کہ یہ اصحاب تصوف کا قول ہے، اور مفہوم یہ ہے کہ اضطراری موت سے پہلے اختیاری موت مرو۔ یا اختیاری موت سے مراد، شہوت ولغویات کو ترک کرنا ہے اوران چیزوں کا چھوڑنا ہے جن کی وجہ سے غفلت اور لغزشیں پیدا ہوتی ہیں۔]

اور اگر جہاد نفسی سے یہ معنی مراد [لیتے] ہیں کہ ایمان باللہ والرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکبر وافضل ہے (اور) سند اس کی، مطلوب ہے! تو ثابت۔ جیسا کہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں اخراج کیا:

انّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم سئل، أيّ العمل أفضل؟ فقال: ايمانٌ باللّٰه وبرسوله، قيل، ثم ماذا؟ قال: الجهاد فی سبيل اللّٰه، قيل، ثم ماذا؟ قال: حج مبرور. (۱) انتهیٰ.

[حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان، عرض کیا گیا پھر کون سا عمل؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: راہِ خدا میں جہاد کرنا، دریافت کیا گیا کہ پھر کون سا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مقبول حج۔]

وفی البخاري: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، والمهاجر من هجر ما نهى اللّٰه عنه. (۲)

وفيه أيضاً قالوا: يا رسول اللّٰه! أيّ الاسلام أفضل؟ قال: من

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الايمان، باب من قال: ان الايمان هو العمل، رقم:۲۶، و كتاب الحج، باب فضل الحج المبرور، رقم:۱۵۱۹

(۲) صحيح البخاري، كتاب الايمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، رقم: ۱۰، صحيح مسلم، باب تفاضل الاسلام، أيّ أموره أفضل؟ رقم الحديث: ۴۱، ۴۲

سلم المسلمون من لسانه ویده.(۱)انتھیٰ.

[بخاری شریف میں ہے کہ کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور ہجرت کرنے والا وہ ہے جو اللہ کے منع کردہ چیزوں کو ترک کردے۔

اسی (بخاری) میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! کون سا عمل اسلام میں سب سے بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ اور سالم رہیں۔]

واللّٰہ أعلم بالصواب، والیه المرجع والمآب، وحرره العبد المذنب محمد أمین حسني الحسیني عصمه اللّٰہ عن الشرور فی الدنیا والدین عن خلاف البطون والظهور، جعله فی الکونین بالسرور، وغفر له الذنوب وستر له العیوب، یا علام الغیوب.

تقلید ائمہ کی شرعی حیثیت؟

سوال: تقلید، ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی کرنا واجب اور درست ہے یا کہ نہیں؟ اور تقلید کرے تو کس طرح کی کرے؟ اور تقلید شخصی پر اجماع ہوا ہے کہ نہیں؟ اور اجماع ہوا تو کب ہوا؟ مع حوالہ کتب معتبرہ، سنہ و تاریخ کے [جواب تحریر فرمائیے]۔ بینوا توجروا، فقط.

هو المصوب

جواب: تقلید، ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی نہ واجب [ہے] جیسے شیخ الاسلام [علامہ ابن تیمیہؒ] اس کی طرف گئے، [اور] نہ حرام جیسے قائل ہوئے [امام] ابن حزمؒ، بلکہ محققین قائل جواز کے [ہیں] باعتبار مصلحت عظیمہ۔ چنانچہ حضرت شاہ

(۱)صحیح البخاري، کتاب الایمان، باب: أيّ الاسلام أفضل؟ رقم الحدیث:۱۱

ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ "حجة الله البالغة" میں لکھتے ہیں:

منهـا: أن هـذه الـمـذاهـب الأربـعة الـمـدوّنة المحرّرة قد اجتـمـعـت الأمة أومن يعتد به منها، على جواز تقليدها الى يومنا هذا، وفى ذلك من المصا لح من لايخفى، لاسيما فى هـذه الأيـام التـى قصُرت فيه الهمم جداً، وأشربت النفوسُ الهوىٰ وأعجب كل ذى رأي برأيه. انتهىٰ(۱)

[ترجمہ: ان میں ایک بات تو یہ ہے کہ تنقیح شدہ ومدون کردہ مسالک اربعہ کی تقلید واتباع کے جواز پر آج تک امت کا، یا ان حضرات کا اتفاق ہے جو کہ قابل اعتبار واعتماد ہیں۔ تقلید کرنے میں ایسے فوائد و مصالح پائے جاتے ہیں جو کہ مخفی وپوشیدہ نہیں ہیں، خاص طور سے ان ایام میں جبکہ عزائم اور ہمتیں کچھ زیادہ ہی پست ہوگئی ہیں، اور نفس میں خواہشات بھرے ہوئے ہیں، اور ہر صاحب رائے کو اپنی رائے اچھی لگتی ہے۔]

اور تقلید شخصی پر اجماع نہیں ہوا، کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ "حجة الله البالغة" میں فرماتے ہیں:

واعـلـم ان [الـنـاس] كـانـوا قبـل الـمأة الرابعة (فى المأة الأولى والثانية) غير مجمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد بعينه. قـال أبـو طـالـب المكي: انّ الكتب والمجموعات محدثة، والقول بمقالات الناس، والفتيا بمذهب الواحد من الناس، واتـخـاذ قـولـه، والـحـكـاية له [من] كل شيء، والتفقه على

---

(۱) حـجة الله البـالـغة، بـاب حـكـاية الـناس قبل المأة الرابعة وبعدها: ۱/ ۲۵۰، دار المعرفة بيروت، الطبعة الثانية

مـذهبـه، لـم يـكـن الناس قديماً على ذلك في القرنين الأوّل والثاني.(١)انتهى.

[ترجمہ: جان لیجیے کہ چوتھی صدی سے پہلے لوگ کسی متعین مسلک کی تقلید محض پر متفق نہیں تھے۔ ابوطیب مکی (محمد بن علی حارثی مکی متوفی ۳۸۶ھ) قوت القلوب نامی کتاب میں لکھتے ہیں کہ بیشک فقہی کتب اور فتاوی نئی چیزیں ہیں، لوگوں کے اقوال کا قائل ہونا، اور لوگوں (فقہاء) میں سے ایک (فقیہ) کے مسلک پر فتویٰ دینا اور اسی کے قول کو اپنانا اور ہر چیز میں اس کی بات کو نقل کرنا، اور اس کے مسلک کے موافق علم فقہ حاصل کرنا، یہ وہ مسئلہ ہے جس پر پہلی اور دوسری دونوں صدیوں میں لوگ نہیں تھے۔]

اور "حجة الله البالغة" میں تحت تشریح، قول صاحب "قوت القلوب" کے، لکھتے ہیں:

أقـول: وبـعـد القرنين حدث فيهم شيء من التخريج غير أن أهـل المأة الرابعة لم يكونوا مجتمعين على التقليد الخالص على مذهب واحد، والتفقه له، والحكاية لقوله كما يظهر من التتبع، بل كان فيهم العلماء والعوام.

وكـان مـن خبـر الـعامة أنّهم كانوا في المسائل الاجماعية التي لا اختـلاف فيها بين المسلمين وجمهور المجتهدين لا يقـلـدون الا صـاحـب الشرع، وكـانـوا يتعلمون صفة الوضوء والغسل والصلاة والزكاة ونحو ذلك من آبائهم أو معـلّمـي بـلدانهم، فيمشون حسب ذلك، واذا وقعت لهم

(١) حجة الله البـالـغة، باب: حكاية حال الناس قبل المأة الرابعة وبعدها: ٣٤٦/١، دار المعرفة بيروت، تحقيق: محمد طعمة حلبي، :۱۵۲/۱، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، وفیصل بک ڈپو دیوبند

واقعة، استفتوا من أي مفتٍ وجدوا من غير تعيين مذهب.

وكان من خبر الخاصة أنه كان أهل الحديث منهم يشتغلون بالحديث، فيلخص لهم من أحاديث النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، وآثار الصحابة ما لا يحتاجون معه الى شيء آخر في المسألة من حديث مستفيض أو صحيح قد عمل به بعض الفقهاء، ولا عذر لتارك العمل به. انتهىٰ. (۱)

[میں (شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ) کہتا ہوں کہ پہلی دو صدیوں کے بعد لوگوں میں تخریج کا ایک نیا سلسلہ وجود میں آیا، باوجود اس کے کہ چوتھی صدی کے لوگ کسی ایک متعین مجتہد کی تقلید محض، اسکی فقہ کو حاصل کرنے اور اقوال کو بیان کرنے اور نقل کرنے پر متفق و متحد نہیں تھے جیسا کہ تتبع (غور و خوض) کرنے سے عیاں ہے، بلکہ ان میں علماء و عوام دونوں ہوتے تھے۔

عوام کا حال یہ تھا کہ متفق علیہ مسائل پر شارع علیہ السلام کے علاوہ کسی کی تقلید اور پیروی نہیں کرتے تھے، جن میں مسلمانوں کے بیچ یا جمہور مجتہدین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا، اور وہ وضو، غسل، نماز، زکوٰۃ اور اس طرح کے مسائل میں اپنے آباء یا اپنے شہروں کے معلم حضرات (اصحاب تعلیم) سے سیکھتے تھے، اور اس کے مطابق چلتے (عمل کرتے) تھے، اور جب نیا مسئلہ ان کے سامنے پیش آتا تو اس کا حکم وہ کسی بھی ایسے مفتی سے معلوم کرتے تھے جو بغیر مسلک کی تعیین کے انہیں ملتا تھا۔

---

(۱) حجة اللّٰه البالغة، باب: حكاية حال الناس قبل المأة الرابعة و بعدها: ۱/۳۴٦-۳۴۷، دار المعرفة بيروت، تحقيق: محمد طعمة حلبي: ۱/۱۵۲-۱۵۳، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، فیصل بک ڈپو دیوبند

علماء کا یہ حال تھا کہ جو ان میں محدث ہوتے تھے، وہ حدیث سے اشتغال رکھتے تھے، اور ان کو احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ سے جو پہنچتے تھے، ان کے ساتھ کسی اور چیز کے وہ محتاج نہیں تھے، خواہ وہ حدیث مستفیض ہو یا حدیث صحیح، جس پر بعض فقہاء نے عمل کیا ہے۔ اس پر عمل نہ کرنے والے پر کوئی عذر نہیں ہے۔]

عمل کرنے کے لیے پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر آثار صحابہ پھر اجماع، اور اس میں بھی نہ پاوے تو اجتہادی مسائل مجتہدین پر عمل کرے۔(۱)

واللہ أعلم بالصواب وعندہ أم [الکتاب]، والیه المرجع والمآب، کتبه محمد أمین حسني والحسیني، تجاوز اللہ عن سیئاته الخفیة و الجلیة فی الدنیا و الدین۔

(۱) یہاں ترتیب بتانا مقصود ہے، نہ کہ از سرے نو غور وفکر اور تدوین کی دعوت ہے کیونکہ فقہ کامل کو پھر سے قرآن وحدیث اور اجماع واجتہاد سے استنباط کرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے، اور نہ ہی کسی ایک مسلک کے سارے فقہی مسائل واحکام پر نظر ثانی کی ضرورت ہے، یہ تنقیح شدہ مسائل واحکام ہیں، اور مسالک اربعہ مدونہ بھی محقق اور منقح ہیں۔ البتہ احناف کے یہاں ترتیب کچھ اس طرح ہے کہ پہلے قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ، اجماع، آثار صحابہ، اور اگر بظاہر ان میں کوئی مسئلہ حل نہ ہو رہا ہو تو اس وقت اجتہاد وقیاس کی نوبت آتی ہے، اس ترتیب کی دلیل قرآن مجید کی آیت کریمہ ہے: ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللَّهَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ وَأُولِی الْأَمْرِ مِنْکُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِی شَیْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَی اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِکَ خَیْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِیلًا﴾(النساء:۵۹)[اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں ذمہ دار ہیں پھر اگر کسی چیز میں تم جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیر دیا کرو اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے خوش تر ہے]۔ اور سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی میں حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مستقل ایک دلیل ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لما أراد أن یبعث معاذاً الی الیمن، قال: کیف تقضی اذا عرض لك قضاء؟ قال: أقضی بکتاب اللہ، قال: فان لم تجد فی کتاب اللہ؟

..................باقی اگلے صفحہ پر..................

آداب افتاء

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین [کہ] جو شخص بلا دلیل ادلہ شرعیہ کے، (اور) بلا تحقیق کتب دینیہ کے، مسائل بیان کرتا ہو، اور اپنے بیان کئے ہوئے مسائل پر مصر ہو، اس کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

هو الموفق وعليه التوثق

جواب: بلا دلیل، ادلہ شرعیہ سے (اور) بلا تحقیق، کتب دینیہ [سے] مسائل کا بیان کرنا بنظر متبحر ہونے وتبحر فی العلم (اور) سائلین کے بھی علم نہ ہونے کے نگاہ سے، ادلہ شرعیہ نہ قائم کر کے بیان کرنا، (اور) بلا تحقیق یعنی بلا تفصیل کتب دینیہ کے، مراد لے جاوے، اس خیال سے کہ عامی تفصیل اور اجمال کو کیا سمجھے گا؟ خود مفتی،

......بقیہ حاشیہ......قال: فبسنة رسول الله صلى الله علي وسلم، فان لم تجد في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا في كتاب الله؟ قال: أجتهد رأيي ولا آلو، فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم صدره، وقال: الحمد لله وفق رسولَ رسولِ الله لما يرضى رسول الله.(أبو داؤد:۳۵۹۲، الترمذي:۱۳۲۷) ایک دوسری حدیث میں ہے: حدثنا أحمد قال: حدثنا شباب العصفري قال: حدثنا نوح بن قيس عن الوليد بن صالح عن محمد بن الحنفية عن علي قال: قلت؛ يا رسول الله! ان نزل بنا أمر ليس فيه بيانٌ، أمرٌ ولا نهيٌ، فما تأمرنا؟ قال: تشاورون (أي شاوروا فيه) الفقهاء والعابدين، ولا تُمضُوا فيه رأيَ خاصة.(رواه الطبراني في المعجم الأوسط:۱۶۱۸) اس سلسلہ میں امام الکل فی الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے دو رسائل بڑی اہمیت وافادیت کے حامل ہیں، ان کا مطالعہ نہایت مفید ہے، ایک کا نام "عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد" اور دوسرے رسالہ کا نام "الانصاف في بيان أسباب الاختلاف" ہے، دونوں رسالوں کے ترجمے بھی اردو میں ہو چکے ہیں۔ اول الذکر رسالہ کا ترجمہ سلک مروارید کے نام سے مولانا محمد احسن صدیقی نانوتویؒ نے کیا ہے، دوسرے رسالہ کے متعدد ترجمے ہوئے، (۱) کشاف ترجمہ انصاف از: ترجمہ نگار......؟ (۲) وصاف ترجمہ انصاف از: حضرت مولانا عبد الشکور فاروقی لکھنویؒ، (۳) اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ از: مولانا صدر الدین اصلاحیؒ۔ اسی رسالہ کا ایک اور ترجمہ مولانا محمد احسن نانوتویؒ نے کیا ہے جس کا ذکر انہوں نے سلک مروارید کے دیباچہ مترجم میں کیا ہے۔

کتاب وسنت سے سمجھ کر صحیح جواب باصواب بہ پیرایۂ ''ما أنا علیہ و أصحابیُ'' کے دیتا ہے (اور) سائل بھی اس کو متدین ومتبع سنت جان کر بنظر اتباع کرنے کے، پوچھتا ہے۔

فذلك لعلمنا بأنه عالم بكتاب الله وسنة رسوله [صلى الله عليه وسلم] فلا يخلو قوله: اما أن يكون صريح الكتاب والسنة أمستنبطاً عنهما بنحو من الاستنباط أو عرف بالقرائن أن الحكم فى صورة ما منوطة بعلة كذا، واطمأن قلبه بتلك المعرفة فقاس غير المنصوص على المنصوص فكأنه يقول: ظننت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كل ما وجدت هذه العلة فالحكم سمة هكذا والمقيس مندرج فى هذا العموم، فهذا أيضاً معزي الى النبى صلى الله عليه وسلم ولكن فى طريقه ظنون، ولولا ذلك لما قلد مؤمن بمجتهد. فان بلغنا حديثٌ من الرسول المعصوم الذى فرض الله علينا طاعته بسند صالح يدل على خلاف مذهبه، وتركنا حديثه واتبعنا ذلك التخمين، فمن أظلم منا وما عذرنا يوم يقوم الناس لرب العالمين؟؟ هكذا فى حجة الله البالغة، انتهت عبارته بلفظه.(۱)

[ترجمہ: پس ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ کتاب الٰہی اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاننے والا ہے، اس لیے اس کا قول (ان تین باتوں میں سے کسی ایک) سے خالی نہیں ہوگا، یا تو وہ کتاب وسنت سے صریح قول سے ثابت ہوگا، یا کتاب وسنت سے استنباط کے

---

(۱) حجة الله البالغة، فصل فى مسائل ضلت فيها الأفهام: ۱/۱۵۶، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، فیصل بک ڈپو دیوبند۔: ۱/۳۵۳-۳۵۴، دار المعرفة بيروت

طریقہ کے مطابق مستنبط شدہ ہوگا، یا اس نے قرائن سے جانا ہے کہ بلا شبہ یہ حکم ایسی صورت میں اس طرح کی علت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، اور اس کا دل اس علم سے مطمئن ہے۔ پس اس نے منصوص پر غیر منصوص کو قیاس کیا، تو گویا کہ وہ یہ کہتا ہے: میں گمان کرتا ہوں کہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ جب بھی یہ علت پائی جائے تو اس بارے میں حکم ایسا ہوگا۔ اور مقیس نص کے عموم میں داخل ہے، تو یہ قیاس بھی اللہ کے رسول علیہ السلام کی طرف منسوب کی گئی، اور اس طریقہ کو (اپنانے میں) گمان ہے، اور اگر یہ نہ ہوتا تو کوئی مؤمن کسی مجتہد کی تقلید (پیروی واتباع) نہیں کرتا۔ بس اگر ہم کو رسول معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام (جن کی اطاعت اللہ نے ہم پر فرض کی ہے) کی کوئی حدیث صحیح سند کے ساتھ پہنچے، اور وہ (حدیث) امام مجتہد کے مسلک کے خلاف دلالت کرتی ہے، (ایسے میں) ہم آپ علیہ السلام کی حدیث کو چھوڑ دیں، اور تخمین اور گمان کی پیروی کریں تو ہم سے بڑھ کر ظالم اور نا انصاف کون ہوگا؟!! اور اس دن ہمارا کیا عذر ہوگا جس میں سارے لوگ تمام جہاں کے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے؟؟!!]

(اور) بلا وقوف ادلہ شرعیہ (اور) بلا تحقیق کتب دینیہ یعنی بلا شعور و بلا تحقیق و تنقیح کتب دینیہ، [مسائل کو] بیان کرنا، مجرد عقل سے [بدعت اور گمراہی ہے] فکما قال علي القاري في شرحه بالفقه الأكبر:

انّ القول بالرأي والعقل المجرد في الفقه والشريعة بدعة وضلالة.(۱) انتهى.

[ترجمہ: ملا علی قاریؒ نے فقہ اکبر کی اپنی شرح میں فرمایا ہے کہ رائے

---

(۱) شرح الفقه الأكبر للامام ملا علي بن سلطان القاري الهروي:۷، المطبع القيومي، كان فور، الهند

اور محض عقل کی بنیاد پر فقہ اور شریعت کے مسائل بیان کرنا بدعت اور گمراہی ہے۔]

وفی الحدیث:

من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار وفی روایة من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعده فی النار، رواه الترمذی(۱) هکذا فی مشکوٰة المصابیح.

[ترجمہ: ”اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے قرآن مجید میں اپنی رائے سے بات کہی، تو بس اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے“ اور ایک روایت میں ہے: ”جس نے قرآن میں بغیر علم کے کہا تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“]

اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ ”حجة الله البالغة“ میں فرماتے ہیں:

یحرم الخوض فی التفسیر لمن لا یعرف اللسان الذی نزل القرآن به والمأثور عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وأصحابه والتابعین من شرح غریب وسبب نزول وناسخ منسوخ.(۲) انتهی.

[ترجمہ: تفسیر میں اس شخص کے لیے غور وخوض حرام ہے، جو اس زبان کو نہیں جانتا ہو جس زبان میں قرآن کا نزول ہوا ہے، اور نہ ان روایات سے واقف ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، اور صحابہ و

(۱) جامع الترمذي، أبواب تفسیر القرآن عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، باب ما جاء فی الذی یفسر القرآن برأیه، رقم الحدیث: ۲۹۵۱

(۲) حجة اللّٰه البالغة، القسم الثانی فی بیان أسرار ما جاء عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم تفصیلاً، من أبواب: الاعتصام بالکتاب والسنة: ۳۸۹، دار المعرفة بیروت۔: ۱/۱۷۵، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، فیصل بک ڈپو دیوبند

تابعین سے منقول اقوال سے بے خبر ہو، چاہے وہ مشکل لفظ کی توضیح و تشریح ہو، یا اسباب نزول سے متعلق ہو، یا ناسخ اور منسوخ سے۔]

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أفتيَ بغير علم، كان اثمه على من أفتاه. الحديث رواه أبو داؤد عن أبي هريرة.(۱) كذا في المشكوٰة.

[ترجمہ: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کو بغیر علم کے فتوی دیا گیا، اس کا گناہ اس پر ہوگا جس نے فتوی دیا''۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے، اسی طرح مشکاۃ میں بھی ہے۔]

وفي عقد الجيد:

وفيمن يكون عامياً، ويقلد رجلاً من الفقهاء بعينه، يرى أنه يمتنع من مثله الخطأ، وأنّ ما قاله هو الصوابُ البتةَ، وأضمر في قلبه أن لا يتركَ تقليده، وانْ ظهر الدليل على خلافه، وذلك ما رواه الترمذي عن عدي بن حاتم، أنّه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ:﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ﴾(۲) قال: انّهم لم كونوا يعبدونهم، ولكنّهم كانوا اذا أحلّوا لهم شيئاً استحلّوه، واذا حرّموا عليهم شيئاً حرّموه.(۳) انتهى.

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب العلم، باب التوقي في الفتيا، رقم: ۳۶۵۷، تحقيق: الشيخ محمد عوامة حفظه الله ورعاه وبارك في عمره

(۲) التوبة: ۳۱

(۳) عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد: ۳۸، مع ترجمہ موسوم بہ سلک مروارید از مولانا مولوی محمد احسن صدیقی نانوتوی"، مطبوعہ از مطبع مجتبائی دہلی باہتمام جناب مولوی حافظ محمد عبد الاحد صاحب"، سن طباعت [۱۳۴۴ھ] ۔حجة الله البالغة، باب حكاية أهل الناس قبل المأة الرابعة وبعدها: ۱/۳۵۲-۳۵۳، دار المعرفة بيروت: ۱/۱۵۵، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، فیصل بک ڈپو دیوبند.

[ترجمہ: اور یہ اس آدمی کے حق میں ہے جو کہ عامی ہے اور کسی معین فقیہ کی تقلید کرتا ہے، اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس جیسا آدمی سے خطا ہونا محال اور ناممکن ہے، اور اس نے جو کچھ کہا ہے وہی صحیح ہے، اور وہ اپنے دل میں یہ بات چھپائے رکھے کہ وہ اس کی تقلید نہیں چھوڑے گا، اگرچہ دلیل اس کے خلاف ظاہر ہو جائے، تو یہ وہی بات ہے جس کو امام ترمذی نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللَّهِ﴾(۱) کو پڑھ رہے تھے، فرمایا: بیشک وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے، بلکہ جب علماء ان کے لیے کوئی چیز کو حلال کر دیتے تھے، تو وہ اس کو حلال جانتے تھے، اور جب کسی چیز کو وہ حرام بتاتے تھے، تو وہ اس کو حرام سمجھتے تھے]

وفي اليواقيت والجواهر انه روى عن أبي حنيفة رحمه الله أنه كان يقول: لا ينبغي لمن لم يعرف دليليْ أن يفتيَ بكلاميْ، انتهى.(۲)

[ترجمہ: الیواقیت والجواہر نامی کتاب میں امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے: اس شخص کے لیے جو میری دلیل نہ جانتا ہو، میرے کلام سے فتوی دینا درست نہیں۔]

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مروی ہے:

انّ الله لا يقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من العباد، ولكن يقبض العلم بقبض العلماء، حتى اذا لم يبق عالم، اتخذ الناس

---

(۱) التوبة: ۳۱ [انہوں نے اپنے علماء اور بزرگوں کو اللہ کے علاوہ رب بنا لیا]

(۲) حجة الله البالغة، باب حكاية أهل الناس قبل المأة الرابعة وبعدها: ۱/۳۵۷، دار المعرفة بيروت۔ :۱/۱۵۷، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، فیصل بک ڈپو دیوبند

رؤوساً جهالاً، فسألوا فأفتوا بغير علم، فضلّوا وأضلّوا.(۱) انتهیٰ

[ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ علم کو یوں چھین کر نہیں سمیٹے گا کہ وہ بندوں کے سینوں سے نکال لے، بلکہ علماء کو موت دے کے اٹھانے کے ساتھ علم کو سمیٹ لے گا یعنی اٹھا لے گا، یہاں تک کہ کوئی اہل علم باقی نہیں رہ جائے گا، تو لوگ جاہلوں کو مقتدیٰ و پیشوا اور سردار بنا لیں گے، تو ان سے مسائل کے احکام دریافت کیے جائیں گے، اور وہ (بلا خوف و جھجک ان کو) بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، پس وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے''۔]

اور جامع ترمذی میں ہے:

اتقوا الحديث عنّي الا ما علمتم، فمن قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار، ومن قال في القرآن بغير علم فليتبوأ مقعده في النار. رواه الترمذي (۲)

[ترجمہ: ''مجھ سے حدیث روایت کرنے سے بچو مگر جتنا کہ تم جانتے ہو، تو جس نے قرآن مجید میں اپنی رائے سے بات کہی، تو بس اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے، اور جس نے قرآن میں بغیر علم کے کہا تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے''۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے]۔

اور صحیحین میں ہے:

(۱) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب: كيف يقبض العلم؟ رقم الحديث: ۱۰۰، صحيح مسلم، كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه وظهور الجهل و الفتن في آخر الزمان، رقم الحديث: ۲۶۷۳

(۲) جامع الترمذي، أبواب تفسير القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في الذي يفسر القرآن برأيه، رقم الحديث: ۲۹۵۱

وعـن عبـد اللّٰه قـال: يـا أيهـا النـاس! من علم شيئاً فليقل به، ومـن لا يعلم فليقل: اللّٰه أعلم. فان من العلم أن تقول لما لا تـعـلم: اللّٰه أعلم. قال اللّٰه تعالى لنبيه: ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾(١)انتهىٰ.(٢)

[ترجمہ: حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اے لوگو! جو شخص کوئی بات جانتا ہو، وہ اس کو بیان کرے، اور جو اگر نہیں جانتا ہو تو وہ یہ کہے: اللہ ہی جانتا ہے، یہ بھی بے شک علم ہے کہ جس کو وہ نہیں جانتا ہے اس کے بارے میں یہ کہے: اللہ ہی جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ [آپ کہہ دیجیے میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا اور نہ میں بات بنانے والا ہوں۔]

واللّٰه أعـلـم وعـلـمـه أتـم حـرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني والحسيني أصلح اللّٰه حاله وأفلح باله في الدارين، فقط

---

(١)سورة ص:٨٦

(٢)ان الفاظ کے ساتھ صحیحین میں یہ حدیث منقول نہیں ہے بلکہ دوسرے کلمات کے ساتھ ہے، مفہوم ان احادیث کا ایک ہے، صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں:

عـن مسـروق قـال: دخـلـت عـلىٰ عبد اللّٰه، فقال: ان من العلم أن تقول لما لا تـعلم، اللّٰه أعلم، انّ اللّٰه قال لنبيه صلى اللّٰه عليه و سلم: ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ (سورة ص: ٨٦)

صحيح البخاري، كتاب التفسير، رقم الحديث: ٤٨٢٢

صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

يـا أيها الناس! من علم منكم شيئاً فليقل بما يعلم، ومن لم يعلم، فليقل: اللّٰه أعلم، فـانـه أعـلـم لأحدكم أنْ يقول لما لا يعلم: اللّٰه أعلم. فان اللّٰه عز وجل قال لنبيه صلى اللّٰه عليه وسلم: ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ (سورة ص:٨٦)

صحيح مسلم، كتاب صفات المنافقين وأحكامهم، رقم الحديث: ٢٧٩٨

اخوت اسلامی وموالات دینی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین جزاھم اللہ خیر الجزاء کہ ایک شخص کفار سے، کہ جو نیچ قوموں مثل چمار یا بھنگی وغیرہما کے، تھا، وہ اپنے افعال قبیحہ واعمال شنیعہ سابقہ سے تائب ہو کر دین محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اختیار کر کے داخل بدائرۂ اسلام ہوا۔

پس ایک جماعت اہل اسلام نے تو اس کے ساتھ آکلت ومجالست (اور) بھائی چارہ مثل آپس کے، برتا زع شروع کیا، اور ایک جماعت نے مثل حالت سابق ہی اس نو مسلم کے، ساتھ اعمال سابقہ اس کے، ترک موالات ونفرت دلی (اور) لعن و طعن کو اپنا شیوہ رکھا، بلکہ جن لوگوں نے نو مسلم مذکور کے ساتھ، مثل دیگر اہل اسلام، دیا، ان سے بھی نافر۔ (اور) فقط اسی وجہ سے قطع برداری کر دیا۔

ان دونوں میں حق پر کون جماعت ہے؟ اگر اول ہے تو جماعت ثانیہ کے بارے میں (کہ جن لوگوں نے کھلم کھلا جماعت اولیٰ (اور) شخص نو مسلم پر لعن طعن (اور) قطع اخوت اسلامی ونفرت دلی کو اپنا شیوہ کر رکھا ہے) از روئے شرع شریف کے کیا حکم ہے؟

(از ضلع رنگ پور)

هو المصوب

جواب: جماعت اولیٰ حق پر [ہے]۔ فرمودۂ باری تعالیٰ [ہے]:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾(۱)

[تمام اہل ایمان بھائی بھائی ہیں]

دوسری دلیل کی ضرورت نہیں۔ جماعت ثانیہ کا نافر ہونا اسی وجہ باعث اساءت ولعن وطعن وقطع اخوت اسلامی، شیوۂ ایمان نہیں۔ کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

لا یکون المؤمن لعاناً.(۲)

---

(۱) الحجرات: ۱۰

(۲) جامع الترمذی، باب ماجاء فی اللعن والطعن، رقم الحدیث: ۲۰۱۹

وفی روایة:لا یکون للمؤمن أن یکون لعاناً.(۱)

وفی روایة مسلم عن أبی الدرداء قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: ان اللعانین لا یکونون شھداء ولاشفعاء یوم القیامة. انتھیٰ(۲)

[ترجمہ:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''مومن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا''۔ایک دوسری روایت میں ہے:''مومن بندہ کے لیے مناسب نہیں کہ وہ لعنت بھیجنے والا ہو''۔اس کوامام ترمذیؒ نے روایت کیاہے،اورامام مسلم کی حضرت ابودرداء سے ایک روایت میں ہے، انہوں نے کہا:میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوارشادفرماتے ہوئے سنا کہ لعن وطعن کرنے والے قیامت کے دن نہ ہی گواہ ہوں گے اور نہ شفاعت کرنے والے ہوں گے''۔]

بحسب ارشادباری تعالیٰ:وکونوا عباد اللّٰہ! اخواناً(۳) باہمی اخوت اسلامی کی راہ سے بھائی چارہ رکھنا چاہیے۔اورالفت ورغبت[ہو]،نہ کہ نفرت وعداوت جو منہی عنہافی الشرع ہے،علی ہذاالقیاس تحقیروتذلیل کو[بھی] جاننا چاہیے،جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المسلم أخ المسلم، لا یظلمه ولا یخذله ولایحقره، التقوی ھا ھنا، ویشیر الی صدره ثلاث مرار، بحسب امرء من الشر أن یحقر أخاه المسلم، کل المسلم علی المسلم حرام دمه

---

(۱)جامع الترمذی، باب ماجاء فی اللعن والطعن، رقم الحدیث:۲۰۲۰

(۲)صحیح مسلم، کتاب البر، باب النھی عن لعن الدواب وغیرھا، رقم الحدیث: ۲۵۹۸

(۳)صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم الظن والتجسس والتنافس والتناجش ونحوھا، رقم الحدیث:۲۵۶۳) [اورتم اللہ کے بندو!بھائی بھائی ہوجاؤ]

وماله وحرمته.(١) كذا رواه مسلم عن أبي هريرة.

[ترجمہ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس کی تذلیل کرتا ہے، اور نہ ہی تحقیر کرتا ہے، پرہیزگاری (تقویٰ) یہاں ہے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے سینہ مبارک کی طرف سہ بار اشارہ فرمایا، آدمی کی برائی کے واسطے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے یعنی وہ اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے، ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، اس کی عزت وآبرو اور اس کا مال حرام ہے"۔

اس طرح امام مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے]۔

والله عليم بذات الصدور، واليه النشور، كتبه الفقير محمد أمين حسني الحسيني غفر الله ذنوبه ولوالديه. فقط

آداب شرب

استاذنا ومکرمنا جناب مولوی..................صاحب

بعد سلام مسنون التماس بجناب آنکہ کمترین بخیریت ہے اور آپ کی تندرستی ذات کے خواہاں، فدوی در اقدس سے محروم ہے، نہایت بد نصیبی ہے، اور بہت خطا مند ہوں، میری خطا کو معاف فرمائیے، اور مدت سے حضور کے غلاموں کی کیفیت سے آگاہ نہیں باعث رنج رہتا ہے، مکرر عرض ہے آنکہ حضور [کی] خدمت میں ایک استفتاء پیش کرتا ہے کہ اس وقت یہاں کے لوگ کھڑے ہو کر پانی پینا حرام سمجھتے ہیں اور جھگڑا اسی کا پھیلا ہوا اور اپنی بات کے آگے کسی کی بات نہیں مانتے اور اردو کی کتابوں کا حوالہ دیا کرتے ہیں اور آپ کی خدمت میں فدوی ارسال کرتا ہے، حضور جواب باصواب حدیث سے مطلع فرماویں گے، اور فدوی کی تسکین حضور پر نور کی

---

(١) صحيح مسلم، كتاب البر، باب تحريم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمه وعرضه وماله، رقم الحديث: ٢٥٦٤

باتوں پر بخوبی ہوگی۔

لہٰذا آپ بغور ملاحظہ عریضہ اور استفتاء ہٰذا [کے] جواب سے سرفرازی فرمائے کہ ضلع جون پور موضع برنگی، ڈاکخانہ مانی کلاں تھانہ خواجہ سرا مکان شیخ سجاد علی رسیدہ منصب علی معلم کو ملے۔ (کفش بردار منصب علی، از برنگی)

سوال: چہ می فرمانید علمائی دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ اکثر کتب فقہ دریں باب کراہت کردہ گویند کہ آب نوشیدن ایستادہ مکروہ است، ودر بعض کتب فقہ در استدلال خویش ایں حدیث ذکر کرداند کہ فرمود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام:

"لا يشربن أحدكم قائماً فمن نسي فليستقئ ثم كله"

وبعضے جہلاء کہ از علم دین بے بہرہ اند حدیث صحیح گردانیدہ اندومی گویند کہ کلیۃ در حالت قیام حر[ام] است ودر نظیر کتب مثل آثار محشر، قصہ کاذبہ متہم باصحاب آوردہ پیش نمایند کہ وقتے رسول الثقلین محبوب رب المشرقین دری وانے گزشتند کہ یکے از صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین را دیدند کہ ایستادہ آب نوش فرمود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ قی کن کہ آب ایستادہ نوشیدن منع است۔

پس این قول کہ صاحب "آثار محشر" مصنف قصۂ اردو آوردہ وگفتہ کہ حدیث است استدلال جہدست پس ایں حدیث در کدام کتاب از احادیث صحیحہ صحاح ستہ است بیان فرمایند مع حوالہ کتب ونام راوی وقسم حدیث کہ مرفوع است یا مرسل وغریب است یا مشہور یا آحاد ویا متواتر وغیرہ لیکن در فتاوی عنابیہ مذکور است، قال صاحب الفتاوى العنابية:

"لا بأس أن يشرب قائماً"

پس قول یکے مر دیگری را معارض است پس دریں ہر دو قول کرا صحیح گویند واعتبار نمایند۔ لہٰذا از احادیث صحیحہ صحاح ستہ مع اسناد ارقام فرمایند کہ رفع اوہام فاسدہ عوام شود۔ بینوا توجروا، انّ اللہ لا یضیع أجر المحسنین.

[کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اکثر کتب فقہ میں باب کراہت میں فرماتے ہیں کہ کھڑے ہوکر پانی پینا مکروہ ہے، اور بعض کتب فقہ میں اس کی دلیل میں اس حدیث شریف کوذکر کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"لا يشربنّ أحد كم قائماً فمن نسي فليستقيء ثم كله"

''تم میں سے کسی نے کھڑے ہوکر پانی پیا نہ کرے، اور اگر کوئی بھول جائے تو اسے چاہیے کہ الٹی کردے، اور پھر کھائے''۔

اور بعضے جہلاء کہ یہ لوگ علم دین سے بے بہرہ ہیں، نے صحیح حدیث مانا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ کلیۃً حالت قیام میں حرام ہے، اور دلیل میں کتب اردو مثل ''آثار محشر'' جو کہ اصحاب قصہ کی طرف منسوب غلط واقعات پر مشتمل ہے، کو لاکر پیش کیا ہے کہ ایک وقت...... رسول الثقلین، محبوب رب المشرقین گزرے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک صحابی کو دیکھا کہ کھڑے ہوکر پانی پیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قئی کرو کیونکہ کھڑے ہوکر پانی پینا منع ہے۔

پس یہ قول مصنف قصہ اردو، صاحب آثار محشر نے پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث ہے اور استدلال محنت طلب ہے، لہٰذا یہ حدیث صحاح ستہ کی احادیث صحیحہ میں سے کس کتاب میں ہے؟ حوالہ کتب، راوی کا نام اور قسم حدیث کہ یہ مرفوع ہے یا مرسل وغریب؟ مشہور ہے یا آحاد ومتواتر وغیرہ؟ لیکن فتاوی عنابیہ میں مذکور ہے، صاحب فتاوی کہتے ہیں کہ کھڑے ہوکر پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پس ایک کا قول دوسرے کے قول کا مخالف ہے، تو ان دونوں قول میں کسے صحیح کہیں اور کس کا اعتبار کریں۔ لہٰذا صحاح ستہ کی احادیث صحیحہ

سے مع اسناد جواب تحریر فرمائیں کہ عوام کے ذہن سے اوہام فاسدہ دور ہوجائے، مسئلہ کی وضاحت فرمائیں اور باعث اجر وثواب ہوں، بلا شبہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرمائے گا]۔

هو المصوب

جواب: در شرب آب ایستادہ فیما بین علماء اختلاف است۔ بعضے قائل حرمت، وبعضے بکراہت، وبعضے باباحت۔ ومنشاء اختلاف مختلف اقوال از آنحضرت علیہ السلام در روایت حدیث بلفظ "لا يشربن أحد منكم قائماً فمن نسي فليستقئ" مرفوع است. وقد أخرجه مسلمؒ في صحيحه از ابی ہریرہ کہ می گویند، قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم:

لا يشربن أحد منكم قائماً فمن نسي فليستقئ(١). انتهىٰ.

وقد أخرجه مسلم عن أبي سعيد الخدري أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم زجر عن الشرب قائماً.(٢)

وفيه أيضاً عن أنس عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه نهىٰ أن يشرب [الرجل] قائماً. قال قتادة: فقلنا: فالأكل؟ فقال: ذاك أشرّ وأخبث.(٣) انتهىٰ.

[کھڑے ہو کر پینے میں علماء کے مابین اختلاف ہے، بعض حرمت کے قائل ہیں اور بعض کراہت اور کچھ لوگ جائز کہتے ہیں، اور (علماء

---

(١) صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب في الشرب قائماً، رقم الحديث: ٢٠٢٦ـ دار السلام الرياض (٢) صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب في الشرب قائماً، رقم الحديث: ٢٠٢٥ـ دار السلام الرياض

(٣) صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب في الشرب قائماً، رقم الحديث: ٢٠٢٤ـ جامع الترمذي، أبواب الأشربة، باب ما جاء في النهي عن الشرب قائماً، رقم الحديث: ١٨٧٩ـ دار السلام الرياض

کی آراء میں) اختلاف کی بنیاد وہ مختلف اقوال ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث میں منقول ہیں، ان الفاظ کے ساتھ ایک مرفوع روایت ہے "لا يشربن أحد منكم قائماً فمن نسي فليستقئ" اس حدیث کی تخریج حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں فرمائی، کہ فرماتے ہیں کہ "تم میں سے کوئی کھڑے ہو کر پانی نہ پیئے، اور اگر کوئی بھول جائے تو قے کردے"۔ امام مسلم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے سے سختی سے منع کیا، صحیح مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ آدمی کھڑے ہو کر پیئے، حضرت قتادہ (تابعیؒ) کہتے ہیں کہ ہم نے پھر یہ سوال کیا (کہ کھڑے ہو کر) کھانا بھی؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ تو بہت برا اور نہایت خبیث ہے]۔

وفي رواية مسلم عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم شرب من زمزم من دلو منها، وهو قائم.(۱) انتهیٰ.

وفي رواية مسلم عن ابن عباس [قال]، سقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم من زمزم فشرب وهو قائم.(۲) انتهیٰ.

وقد روى الترمذي وغيره عن كبشة بنت ثابت وهي أخت

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب في الشرب من زمزم قائماً، رقم الحديث: ۲۰۲۷ ـ جامع الترمذي، أبواب الأشربة، باب ما جاء في الرخصة في الشرب قائماً، رقم الحديث: ۱۸۸۲ ـ دار السلام الرياض

(۲) صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب في الشرب من زمزم قائماً، رقم الحديث: ۲۰۲۷ ـ دار السلام الرياض

حسان بن ثابت، قالت: دخل عليّ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فشرب من [فی] قربة معلقة قائماً، فقمتُ الی [فيها] فقطعته. قال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح [غريب].(۱)

وفي صحيح البخاري: أتیٰ عليّ علیٰ باب الرحبة [بماءٍ] فشرب قائماً، فقال: انّ ناساً يكره أحدُهم أن يشرب وهو قائم، واني رأيت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فعل كما رأيتموني فعلت.(۲) انتهیٰ.

[مسلم شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آب زمزم ہمارے ڈول سے نوش فرمایا اس حال میں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کھڑے تھے''۔ مسلم شریف ہی میں حضرت ابن عباس کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ''میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زمزم کا پانی پلایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر زمزم نوش فرمایا''۔

امام ترمذیؒ اور دیگر محدثین حضرت کبشہ بنت ثابت رضی اللہ عنہا (یہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی خواہر ہیں) سے روایت نقل کی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے، آپ نے کھڑے ہو کر لٹکے ہوئے مشکیزہ کے منھ سے پانی پیا، میں اس مشکیزہ کی طرف گئی اور اس کا اس کو کاٹ دیا''۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حدیث صحیح حسن کہا ہے۔

---

(۱) جامع الترمذي، أبواب الأشربة، باب ما جاء في الرخصة في ذلك، رقم الحديث: ۱۸۹۲۔ دار السلام الرياض

(۲) صحيح البخاري، كتاب الأشربة، باب الشرب قائماً، رقم الحديث: ۵۶۱۵۔ سنن أبي داؤد، كتاب الأشربة، باب في الشرب قائماً، رقم الحديث: ۳۷۱۸۔ دار السلام الرياض

صحیح البخاری میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں باب الرحبہ پر پانی لایا گیا تو آپ نے کھڑے ہو کر ہی پیا، اور آپ نے فرمایا کہ کچھ لوگ کھڑے ہو کر پینے کو ناپسند کر رہے ہیں جبکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح دیکھا ہے جس طرح تم نے مجھے کرتے دیکھا"۔]

قال النووي شارح صحيح مسلم:[وأما]قوله صلى الله عليه وسلم "فمن نسي فليستقئ" فمحمول على الاستحباب والندب، فليستحب لمن شرب قائماً أن يتقيأه لهذاالحديث الصحيح الصريح. وفيه أيضاً والصواب فيها أن النهي فيها فمحمول علىٰ كراهة التنزيهية وأما شربه صلى الله عليه وسلم قائماً للجواز، فلا اشكال ولاتعارض.(۲)انتهىٰ.

[شارح مسلم امام نوویؒ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "فمن نسيَ فليستيقئ" استحباب، اور ندب پر محمول ہے، چنانچہ اس شخص کے لیے مستحب ہے جس نے کھڑے ہو کر پیا کہ وہ اس صریح صحیح حدیث کی بنیاد پر اس کی قے کر دے۔ اسی کتاب میں ہے کہ اس مسئلہ میں بہتر یہ ہے کہ نہی کو کراہت تنزیہ پر محمول کیا جائے، اور جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہو کر پینے کی بات ہے تو یہ جواز کے لیے ہے، لہٰذا کوئی تعارض اور اشکال نہیں ہے]۔

والله أعلم بالصواب وعنده أم الكتاب، حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني، تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين.فقط.

---

(۱)المنهاج شرح صحيح مسلم للنووي، كتاب الأشربة، باب كراهة الشرب قائماً، ۱۱۳/۷، دار احياء التراث الاسلامي بيروت، تحقيق:الشيخ عرفان حسونة، الطبعة الأولىٰ ۱٤۲۰ه-۲۰۰۰م

اہل فسق کے یہاں کھانا پینا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین [کہ] سود خوار و راشی (رشوت کھانے والا، اور) غاصب کے یہاں اکل وشرب کسی حالت میں بھی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا و أفتوا بسند الکتاب [و السنة] توجروا عند اللّٰہ بحسن المآب، فقط

هو الموفق والمعين وهو الرزاق ذو القوة المتين

جواب: سود خوار وراشی وغاصب کے ظالم ہونے میں کلام نہیں، (اور) مرتکب کبائر بلکہ مصر کبائر لا کلام ماثم یتو بوا، بے لجام و بے نظام ہیں۔ (اور) ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾(۱) نبی علیہ السلام کو ہے، (اور) جب شریعت میں موالات ومحبت باہمی کو بطریق اس کے رکھا جس کی خبر دی گئی:

”الحب فی اللّٰہ و البغض فی اللّٰہ“(۲)

(اور) اعلیٰ درجہ مراسم رغبت والفت سے ہم نوالہ وہم پیالہ ہونا، (اور) مخالفین شریعت غراء وطریقت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے گریز و پرہیز پر ضرور [ی ہے]۔ چنانچہ کلام پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾(۳)

---

(۱) الأنعام: ٦٨ [تو یاد آنے کے بعد پھر ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھیں]

(۲) سنن أبي داؤد، کتاب السنة، باب مجانبة أکل الأهواء وبغضهم، رقم: ٤٥٩٩

(۳) المجادلة: ٢٢

[جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے دوستیاں کرتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے قبیلہ کے لوگ ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان نقش کر دیا اور اپنی خاص رحمت سے ان کی تائید فرمائی ہے اور وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان ہی میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ ہیں اللہ کے لوگ، یاد رکھو! اللہ کے لوگ ہی مراد کو پہنچنے والے ہیں]۔

(اور) ہر گاہ مخالف خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باوجود قرابت قریبہ، منہی عنہا بلکہ مخالفت کرنے والے پر تشدید شدید و وعید مزید ہے، چنانچہ باری تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾(۱)

[اور جو صحیح راستہ سامنے آ جانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے گا اور اہل ایمان کے راستے سے ہٹ کر چلے گا تو وہ جدھر بھی رخ کرے گا اسی رخ پر ہم اس کو ڈال دیں گے، اور اس کو جہنم رسید کریں گے، اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے]۔

پس ربوا اور رشوت و غصب حرام قطعی [ہے] (اور) ارتکاب، محرمات قطعیہ کا (اور) اصرار، ان امور کا، کس درجہ نافرمانی و طغیانی (اور) عدول حکمی ہے؟! پھر ایسوں سے نفرت نہ ہونا (اور) رغبت کرنا بلکہ ہم نوالہ و ہم پیالہ ہونا کیا قوت ایمانی و حرارت اسلامی ہے؟؟!!! (اور) طرہ مزید برآں چندیں شکل برائے اکل [و شرب] حیلہ جوئی کے لیے، حیلہ شرعی ڈھونڈنا (اور) افتاء و استفتاء ہونا و کرنا بحرب من اللہ و رسولہ کے لیے [ہے] اور

(۱) النساء: ۱۱۵

"الربوا سبعون جزء أيسرها أن ينكح الرجل أمه". انتهى(۱)

بطونهم كالبيوت فيها الحيات ترىٰ من خارجهم. انتهىٰ (۲)

لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي. انتهىٰ(۳)

من أخذ شبراً من الأرض ظلماً فانه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين. انتهىٰ(٤)

لا يدخل الجنة لحم نبت من السحت، وكل لحم نبت من السحت كانت النار أولىٰ به. انتهىٰ.(٥)

[''ربا (سود) کے ستر حصے ہیں، اس کا سب سے کم درجہ آدمی کا اپنی ماں سے زنا کرنا ہے''۔ ''ان کے پیٹ گھروں کی طرح ہیں، جس

---

(۱) سنن ابن ماجہ میں الفاظ اس طرح ہیں:

"الربا سبعون حوباً. أيسرها أن ينكح الرجل أمّه"

سنن ابن ماجة، باب التغليظ في الربا، رقم: ۲۲۷٤

اور قدرے فرق کے ساتھ حدیث شریف کی دیگر کتب میں یہ روایت موجود ہے۔

"الحوب الأثم، والمراد أنها سبعون نوعاً من الأثم، والمراد التكثيردون التحديد، أيسرها أي أخف تلك الأيام أثم نكاح الرجل أمّه، والمراد به العقد أو الجماع، فالحديث يدلّ على أن الربا أشد من الزنا"

(۲) سنن ابن ماجة، باب التغليظ في الربا، ۲۲۷۳، مصنف ابن ابی شیبه، کتاب المغازی، حديث المعراج حين أسري بالنبي صلى الله عليه وسلم، رقم: ٣٦٥٧٤، ٣٧٧٢٩، مسند احمد بن حنبل، رقم: ٨٦٢٥، ٨٦٤٠، ٨٧٤٢، ٨٧٥٧

(۳) جامع الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما جاء في الراشي والمرتشي، تحقيق: علامه شاكر، رقم:۱۳۳۷، سنن أبي كتاب الأقضية، باب في كراهية الرشوة، رقم: ٣٥٨٠

(٤) صحيح البخاري، كتاب الغصب، باب ما جاء في سبع أرضين......، رقم: ٢٤٥٢، ٣٠٢٦، ٣١٩٥، ٣١٩٨۔ صحيح مسلم، باب تحريم الظلم وغصب الأرض......الخ، رقم: ٤٢١٩، ٤٢٢٠۔ سنن الدارمي، باب من أخذ شبراً من الأرض، رقم: ٢٦٦١

(٥) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح للامام على بن سلطان الهروي، باب الكسب وطلب الحلال، رقم: ٢٧٧١، ١٧٧٢

میں سانپ ہیں جو باہر سے دکھائی دیتے ہیں"۔ "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے اور لینے والے دونوں پر لعنت بھیجی ہے"۔ "جس نے ظلم وتشدد سے کسی کی زمین میں سے ایک بالشت بھی حاصل کی تو اس کو قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا"۔ جنت میں کوئی گوشت (انسان) نہیں جائے گا، جو سود سے پروان چڑھا ہو، اور ہر وہ گوشت جو سود سے پروان چڑھا ہے دوزخ اس کے لیے نہایت ہی بہتر ہے"]۔

ایسے تشدیدوں کے شایان (اور) وعید کی ان حدیثوں کے، لوگوں کے لیے یہ رغبت، ہم نوالہ وہم پیالہ کی ہو، عجب کل العجب!!؟؟ بلکہ نفرت کر کے (اور) پرہیز رکھ کر اسے چھوڑا ویں منکرات ومحرمات قطعیہ کو، نہ کہ آکلت ومشاربت رکھیں، جس کے باب [بارے] میں حدیث کیسی تخویف ووعید وارد [ہے]

"ولما وقعت بنو اسرائيل فى المعاصى نهتهم علمائهم فلم ينتهوا مجالسواهم فى مجالسهم وآكلواهم وشاربواهم فضرب الله قلوب بعضهم ببعض فلعنهم على لسان داؤد و عيسىٰ ابن مريم، ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون، قال: فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان متكأً، فقال: لا،والذى نفسى بيده تأطرونهم أطراً. رواه الترمذي.(۱)

وفى رواية قال: كلا! والله لتأمرنّ بالمعروف ولتنهونّ عن المنكر، ولتأخذنّ على يدى الظالم، ولتأطرنّه على الحق أطراً ولتقصرنّه على الحق قصراً أو ليضربنّ الله لقلوب بعضكم على بعض، ثم ليلعننّكم كما لعنهم. انتهىٰ.(۲)

---

(۱)جامع الترمذي، أبواب تفسير القرآن، تفسير سورة المائدة، رقم: ۳۰۴۷

(۲)سنن أبي داؤد، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، رقم: ۴۳۳۶، ۴۳۳۷ ـ دار السلام الرياض۔

..................باقی اگلے صفحہ پر......

[جب بنی اسرائیل معاصی اور گناہوں میں واقع ہوئے تو ان کے علماء نے روکا، وہ باز نہ آئے، وہ ان کے پاس بیٹھنے لگے اور ان کے ساتھ کھانے اور پینے لگے تو اُن کے دلوں کا اثر ان کے دلوں پر پڑ گیا، پس داؤد اور عیسیٰ کی زبانی ان پر لعنت بھیجی گئی یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے آگے بڑھے تھے، راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے بیٹھے تشریف فرما تھے، اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: تم کو کبھی نجات نہیں ملے گی جب تک معاصی والوں کو مجبور کر دو۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز نہیں، قسم ہے اللہ کی جب تک کہ تم بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو، ظالم کے ہاتھوں کو پکڑو، اور حق پر مجبور کرو، اور حق پر قائم ہو جاؤ، یا اللہ تعالیٰ تم کو ایک دوسرے سے بھڑا نہ دے پھر وہ تم پر لعنت بھیجے گا جیسا کہ ان لوگوں پر لعنت بھیجی تھی]۔

اور حیلہ جوئی اور گرسنہ خو کے لیے اشباہ میں ہے:

"اذا كان غالب مال المهدی حلالاً، فلا بأس لقبول هديته وأكل ماله مالم يتبين أنه حرام، وان كان غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل الا اذا قال: انه حلال ورثه أو استقرضه. انتهى.(۱)

[جب ہدیہ کرنے والے کا اکثر مال حلال ہے تو اس کے ہدیہ کو قبول کرنے، اور اس کی چیز کو کھانے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ یہ ظاہر

.........بقیہ حاشیہ...... شرح مشكل الآثار للامام الطحاوي، باب بيان مشكل ما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم فيما ينبغي بمن رأىٰ منكراً وبقوله في ذلك "ولتأطرنّه على الحق أطراً" رقم: ۱۱۶۳، ۱۱۶٤

(۱)الأشباه والنظائر لابن نجيم المصري، الفائدة الثانية، المسئلة الثامنة، تحقيق: عبد الكريم الفضيلي: ۱۳۸۔ المكتبة العصرية، صيدا بيروت، الطبعة الأولىٰ، ۱٤۱۸ھ۔ ۱۹۹۸م

نہ ہو جائے کہ وہ مال حرام ہے۔ اور اگر اس کی کمائی کا اکثر حصہ حرام ہے تو نہ اس کا ہدیہ قبول کرے اور نہ کھائے الا یہ کہ وہ کہہ دے کہ وہ حلال ہے اسے وراثت میں پایا ہے یا اس نے قرض پر اسے حاصل کیا ہے۔]

وفي العالمگيرية: فلا يجيب دعوة الفاسق المعلن ليعلم أنه غير راض لفسقه وكذا [دعوة] من [كان] غالب ماله من حرام ما لا يخبر أنه حلال. كذا في التمرتاشي. انتهى.(۱)

[فتاویٰ عالم گیری میں ہے: فاسق معلن کی دعوت قبول نہ کرے، تاکہ اس کو معلوم ہو کہ اس کے فسق اور گناہ سے وہ راضی نہیں، اور اسی طرح سے اس شخص کی دعوت کا حکم ہے جس کے مال کا اکثر حصہ حرام ہو، جب تک وہ یہ بتا دے کہ وہ حلال ہے۔ اسی طرح علامہ تمرتاشی کی کتاب میں ہے۔]

والله أعلم وعلمه أتم وأحكم، رقمه محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين، فقط

مصافحہ کا طریقہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد السلام علیکم کے مصافحہ کرنا ایک ہاتھ سے سنت اور جائز یا کہ دونوں ہاتھ سے؟ یعنی ہر ایک شخص کے ایک ایک ہاتھ مصافحہ میں دیوے یا کہ ہر ایک شخص اپنا دونوں ہاتھ دیوے؟ اس مسئلہ کی صحت جیسی حدیث صحیح سے اور فقہ سے، خاکسار [کو] مطلع کیا جاوے۔

هو الموفق(۱)

---

(۱) الفتاوى العالمگيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات ۳٤٣/٥، مكتبة زكريا ديوبند، الهند

(۲) یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ فقہائے اسلام نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کو مسنون قرار دیا ہے، مجالس الابرار کی عبارت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے،....... بقیہ اگلے صفحہ پر......

جواب: بہردودست تعلیق بخاری سے ثبوت پہنچتا ہے۔

كما قاله: [باب]الأخذ باليدين، وصافحه حماد بنُ زيدٍ ابنَ المبارك بيديه.(۱)انتهىٰ.

اورایک ہاتھ سے، روایت ترمذی شریف سے [ثابت ہے]۔

قال: أفيأخذ بيده ويصافحه ؟ قال: نعم.(۲)انتهىٰ.

[جیسا کہ امام بخاریؒ نے فرمایا: یہ دو ہاتھوں سے مصافحہ کا بیان ہے، اور حضرت حماد بن زیدؒ نے حضرت ابن المبارکؒ سے اپنے دونوں ہاتھوں سے ان سے مصافحہ کیا۔

اس آدمی نے کہا کہ پس وہ اس کے ہاتھ کو پکڑے گا اور مصافحہ کرے

..........بقیہ حاشیہ......اس میں ہے: "والسنة أن تكون بكلتا يديه" یعنی سنت طریقہ یہ ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہو۔ حماد بن زید بن الثابت والی حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہونا چاہیے، حضرت حماد کی روایت یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ تابعین کے عہد میں بھی یہی طریقہ رائج رہا ہوگا۔

روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بظاہر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کا ایک ہاتھ سے مصافحہ تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مبارک ہاتھ تھے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک ہاتھ ہونا یقینی نہیں ہے، البتہ اس روایت میں دونوں ہاتھوں کے ہونے کا امکان لغوی اعتبار سے موجود ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر لفظ "کف / ید" بطور جنس ہے، تو اس کے اندر ایک سے زائد معنیٰ لیا جاسکتا ہے، اور اگر جنس مراد نہ ہو تو ایک ہاتھ کا معنیٰ ہے۔ یعنی دونوں تشریح کا امکان ہے، راقم کی نظر میں اس کی آسان توجیہ یہ ہے کہ لفظ کف / ید، جنس ہونے کی وجہ سے دونوں معنیٰ لینے کا امکان ہے گو کہ ایک مبہم کلمہ ہے اور اس کی وضاحت روایت حماد سے ہوتی ہے، اس کے ہوتے ہوئے دوسرا معنیٰ لینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے، اس لیے فقہائے کرام کی تشریح کو ترجیح دیتے ہوئے کرتے ہوئے اس پر عمل کیا جائے، یہی اقرب الی السنہ معلوم ہوتا ہے۔

(۱)صحيح البخاري، كتاب الاستئذان، باب الأخذ باليدين، رقم الباب: ۲۸، دار السلام، الرياض (۲)جامع الترمذي، كتاب الاستئذان، باب ما جاء في المصافحة، رقم: ۲۷۲۸، دار السلام، الرياض

گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں۔]

باقی تصریح وصراحت اس بات کی کہ ایک ہاتھ سے ہونا چاہیے، سنت مرفوع سے وروایت قویہ سے نظر فقیر سے نہیں گذرا۔ روایت ابن مسعودؓ کی درباب تعلیم:

[علمنی رسول الله صلی الله علیه وسلم]التشهّد، وكفّی بين كفّيه.(۱)

[رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے تشہد مجھے سکھائی، اس حال میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔]

آپ کے دونوں ہاتھ ابن مسعود کا ایک ہاتھ ثابت ہوتا ہے، وہ طریقہ تعلیمیہ بھی ثابت ہوتا ہے۔

والله أعلم بالصواب وعنده أم الكتاب. حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين.

درہم کی وضاحت (۲)

سوال: چہ می فرمانید علمائے دین اندریں معنیٰ کہ ہر دس درم شرعی خواہ پانصد درم

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة، رقم: ۴۰۲، صحيح البخاري، كتاب الاستئذان، باب المصافحة، رقم الباب: ۲۷، باب الأخذ باليدين، رقم: ۶۲۶۵، وقال ابن مسعود: علّمني النبي صلّى الله عليه وسلّم التشهّد، وكفّي بين كفّيه.

(۲) درہم کی تحقیق اور اس کی وضاحت میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے، علمائے ہند وپاک کی تحقیقات بھی اس سلسلے میں الگ الگ ہیں، علامۃ الہند مولانا ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی لکھنویؒ، مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندیؒ (بانی دارالعلوم کراچی) مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ حضرات کے یہاں بھی اختلاف ہے، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی نے درہم کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک درہم چودہ قیراط کا، اور ایک قیراط پانچ جو کا، تو ایک شرعی درہم ستر جو تین ماشہ ایک رتی، اور ایک رتی کے پانچوں حصہ کا، جیسا کہ گزرا کہ ایک ماشہ ۹۷۲ ملی گرام کا ہوتا ہے۔ ایک درہم، ۳٫۰۶۱۸ تین گرام اکسٹھ ملی گرام، اور آٹھ میکرو ملی گرام کا ہوتا ہے۔ جبکہ مولانا رشید احمد لدھیانویؒ کی تحقیق ایک درہم کے بارے میں یہ ہے کہ...........

بقیہ اگلے صفحہ پر..........

شرعی در مذہب حنفی علیہ الرحمہ چہ قدر روپیہ بحساب یہاں کے ہوتا ہے؟ صاف صاف حکم دس درم کا علاحدہ (اور) پانصد درم کا علاحدہ [تحریر] فرمایا جاوے، تکرار یہ ہے کہ درہم و درم یہ بھی فرمودۂ شرع ہے کہ یہ دونوں الگ ہے یا فرق؟ بینوا بالکتاب [والسنة] توجروا بیوم الحساب، فقط.

هو المصوب

جواب: درم و درہم یک ہست، وده درم شرعی قریب سہ روپیہ رائج الوقت یعنی کلدار می شود۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز [محدث دہلوی] قدس سرہ العزیز در تفسیر عزیزی آوردہ اند ''وزن دہ درم شرعی سہ روپیہ رائج یعنی دیار است'' و درم از سکۂ دہلی کلدار نیم ماشہ بوزن زائد است، و پانصد درم بحساب روپیہ لکھنؤ و دہلی مبلغ یکصد روپیہ و سہ و چہل روپیہ و سہ آنہ و پاؤ آنہ یعنی ما ۱۴۳ ، ۳/ رو بحساب کلدار قریب مبلغ یکصد و سی ہفت روپیہ می شود، بکمی نیم ماشہ لفظ قریب افزودہ کردہ شد، چناں بذریعہ کتب فقہیہ تحقیق گردید۔

والله أعلم بالصواب. حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين.

سودی بیع

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے کوئی شی مقبوضہ کو، عمرو کے ہاتھ اس شرط پر بمیعاد معینہ یا غیر معینہ بیع کیا کہ جب ہمارے پاس اس قدر روپیہ ہوگا، یا اتنی مدت کے بعد جس قدر جمع پر بیع کیا ہے اسی قدر پر ہم دونوں صورتوں میں تم سے شی معینہ مسترد کرلیں گے، اور مشتری اس پر راضی ہوا، اور اس کو بیع خیار کہتے ہیں۔

.... بقیہ حاشیہ .... ایک درہم کا وزن ۳/ گرام، ۰۲ ۴ ملی گرام ہے۔ لمبی بحث و تحقیق کے لیے رسالہ ''اوزان شرعیہ'' اور ''بسط الباع لتحقیق الصاع'' کا مطالعہ کیا جائے، اول الذکر ''جواهر الفقه'' جلد اول میں اور ثانی الذکر ''احسن الفتاویٰ'' میں شامل ہے۔ اوزان کی تحقیقات کے لیے الاوزان المحمودہ اور امداد الاوزان سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اس صورت میں تا ایام، مسترد کرنے بائع کے، منافع شی معینہ، مشتری کو لینا اور اس طرح کی شرط کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ سود ہے یا خارج یا داخل؟ بینوا بالکتاب [والسنة] توجروا بیوم الحساب.

هو المصوب

جواب: اس طرح کی بیع شرعاً درست ہے، اور منافع اس کا مشتری کو لینا درست ہے، سود نہیں۔

هكذا في الدر المختار ذكر بيع الوفاء، عبارته هذا:

[صورته] أن يبيعه العين بألفٍ على أنه اذا ردّ عليه الثمنَ ردّ عليه العينَ. فقط.

وقال: [وقيل بيع يفيد الانتفاع به، وفي اقالة شرح المجمع عن النهاية] وعليه الفتوىٰ. (۱)

[اسی طرح درمختار میں بیع الوفاء کا ذکر ہے، اس کی عبارت یہ ہے کہ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کو مبیع ایک ہزار پر اس بات پر فروخت کرے کہ جب وہ اس کو قیمت واپس کرے گا تو مشتری اس کو وہ مبیع لوٹا دے گا۔

اور کہا: کہا گیا کہ یہ ایک ایسی بیع ہے جس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ اور النہایہ سے منقول ہو کر شرح المجمع میں باب الاقالہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔]

والله أعلم بالصواب حرره هادى حسن النصير آبادي عفي عنه.

و المصوب والمبين والموفق للصواب

---

(۱) الدر المختار مع كشف الأستار للشيخ نظام الدين الكيرانوي، كتاب الصرف، تذنيب في بيع العينة وبيع التلجئة: ۲/۵۷، [سن طباعت ۱۳۳۴ھ-۱۹۱۲ء] مطبع مجتبائی دہلی۔ الدر مع الرد: ۷/۵۴۶، الطبعة الثانية، [۲۰۰۳ء-۱۴۲۴ھ] دار الكتب العلمية بيروت

درست نہیں، بلکہ فی الحقیقت صورت رہن ہے، (اور) دراصل ربوا وسود ہے، کیونکہ جو شئی مبیع ہوئی، پس اختیار ساقط ہوا۔ کما فی الهداية:

واذا حصل الايجاب والقبول لزم البيع. انتهىٰ. ولا خيار بواحد الا من عيب وعدم رؤيته.(۱)

[ہدایہ میں ہے: اور جب ایجاب وقبول ہو جائے تو بیع لازم ہو جاتی ہے۔ اور کسی ایک کو خیار حاصل نہیں ہے سوائے اس کے کہ عیب ہو، یا عدم رویت یعنی مبیع کو نہ دیکھا ہو۔]

بلکہ مبیع میں اختیار انتقال ملک وہبہ وصدقہ وغیرہ کا بالسر ہا وتمامہا درست ہے، اور صورت مسئولہ میں کبھی اختیار نہیں، مزید برآں زرثمن کا بائع سے دعویٰ مشتری کو نفع لینا مبیعہ مرہونہ سے مخالف قرآن وحدیث وفقہ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿أحلّ الله البيع وحرم الربوا﴾(۲)

حتی کہ صورت مسئولہ میں عموم قولہ تعالیٰ:

﴿لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾(۳)

وارد ہے۔ پھر بھی لوگوں کی ایسی جرأت ہے! العياذ بالله من ذلك.

ورد في الحديث: "كل قرض جر نفعاً فهو ربوا"(٤)

یعنی جو قرض کہ کھینچے فائدہ کو پس [وہ] سود ہے۔ وفي الكنز وشرحه:

لا، يعني لا ينتفع المرتهن بالرهن......الى آخره.(٥)

---

(۱) بداية المبتدي بالهداية، مع حواشي الامام اللكناوي: ۲/ ۲۵، مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ، [سن طباعت ۱۳۳۲ھ] باہتمام ابوالفیض محمد یوسف انصاریؒ

(۲) البقرة: ۲۷۵ [اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال یعنی جائز کیا اور سود کو حرام قرار دیا]۔

(۳) البقرة: ۱۸۸ [تم اپنے مابین اپنے مال کو باطل طریقہ پر نہ کھاؤ]

(٤) نصب الراية تخريج أحاديث الهداية، كتاب الحوالة: ٤/ ١٣٠، تحقيق: أحمد شمس الدين، الطبعة الأولى [١٤٢٧ھ-٢٠٠٦م] مكتبة دار الايمان، سهارن فور، ديوبند، الهند

(۵) کنز الدقائق مع حواشی مولانا اعزاز علی امروہیؒ، کتاب الرھن: ۳۸۰، مطبع قاسمی ۱۳۳۵ھ باہتمام مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ

هكذا وليس للمرتهن أن ينتفع بالرهن.(۱)

وفی جامع لمجد الأئمة عبد الله ابن محمد ابن أسلم: أنه لا يحل أن ينتفع بشئ منه، وان أذن له الراهن لأنّه أذن فی الربوا، لأنه يستوفی دينه فيكون المنفعة ربواً.(۲)

یعنی [نفع اٹھانا] نہیں حلال ہے مرتہن کو رہن سے، اگر چہ اجازت دیوے راہن، اس لیے کہ اجازت سود میں ہے۔

قال صاحب تنوير الأبصار فی شرح منهج الغفار: لا الانتفاع به أين بالراهن مطلقاً.(۳)انتہیٰ۔

---

(۱)ملتقی الابحر مع مجمع لانهر وعليه سكب الانهر ٤/٢٧٣، الطبعة الأولىٰ ١٤١٩ھ- ١٩٩٨ء، دار الكتب العلمية بيروت

(۲)نقل عبارت میں ناقل سے سہو ہو گیا ہے، شیخ زادہ داماد آفندیؒ نے "ملتقی الانہر" کی اپنی شرح "مجمع الانہر" میں نقل کیا ہے، اصل عبارت یوں ہے جو کہ حاشیہ ابن عابدین میں منقول ہے: وقال في المنح وعن عبد الله بن محمد بن أسلم السمرقندي وكان من كبار علماء سمرقند، أنه لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وان أذن له الراهن لأنه أذن له في الربا، لأنه يستوفي دينه كاملاً فتبقى له المنفعة فضلاً فيكون رباً. هذا أمر عظيم، كذا رأيت منقولاً بهذا اللفظ وعزاه الى الجامع لمجد الأئمة السرخسي. حاشية ابن عابدين، باب المرابحة والتولية، مطلب كل قرض جر نفعاً حرام ٧/٣٩٥، ١٠/٨٣، الطبعة الثانية ١٤٢٤ھ-٢٠٠٣ء، دار الكتب العلمية بيروت، مجمع الأنهر: ٤/٢٧٤، الطبعة الأولىٰ ١٤١٩ھ-٢٠٠٩ء، دار الكتب العلمية بيروت

(۳)علامہ تمرتاشیؒ کی کوئی کتاب منح الغفار کے نام سے نہیں، البتہ منح الغفار کے نام سے موسوم کر کے خود علامہ نے تنویر الابصار کی شرح لکھی، اور یہاں اسی کے حوالہ سے منقول ہے، اس لیے "فی شرحہ منح الغفار" ہونا چاہیے۔ تنویر کی عبارت یہ ہے: لا انتفاع به مطلقاً الا باذن۔ اور در مختار میں عبارت اس طرح ہے: لا انتفاع به مطلقاً لاستخدام ولا سكنىٰ ولا لبس ولا اجارة ولا اعارة سواء كان من مرتهن أو راهن الاّ باذن، راجع: كتاب الرهن: ١٠/٨٣، الطبعة الثانية، دار الكتب العلمة بيروت

ولا يخفى من له الممارسة في العلوم في هذا الباب (١)
[و]الذي نقله(٢)الناقل في فتواه: فتوبىٰ للراغبين له، وطوبىٰ
للنافرين له منه. وهذه عبارته ببيع الوفاء وذكرته هنا تبعاً
للدرر، صورته: أن يبيعه العينَ بألفٍ على أنّه اذا ردّ عليه
الثمنَ ردّ عليه العينَ، وسماه الشافعية بالرهن المعاد،
ويسمّى بمصر بيع الأمانة وبلاشام بيع الاطاعة، قيل: هو
رهن فتضمن زوائده، وقيل: بيع يفيد الانتفاع به، وفي اقالة
شرح المجمع عن النهاية، وعليه الفتوىٰ. وقيل: ان بلفظ
البيع لم يكن رهناً، ثم ان ذكرا الفسخ فيه أوقبله أوزعماه
غير لازم كان بيعاً فاسداً.(٣)انتهىٰ. فانظر هذا فاحفظ.

والله أعلم بالصواب، وعنده أم الكتاب، حرره الراجي عفو ربه المتين محمد أمين حسني الحسيني النصير آبادي تجاوز الله عن ذنبه الخفي والجلي.

---

(١)وقيل في الدر المختار، هكذا في الدر المختار عبارته في آخر باب الصرف في صفحة:٣٦٣، في سطر أحد عشر منه

(٢)وفي النقل ايهام وافتراء لأن ما نقله الناقل من الدر المختار فهو بين تنبيه، وصورة بيع الوفاء هكذا يكون والحكم بعد هذا من الأحكام من الأقوال، فقيل: قيل فتركه وأخذ صورته على حسب ارتكابه وسند اعلى فعله، نعوذ بالله من هؤلاء الناس يتبعون أهوائهم، ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت أيدى الناس، يفعلون مالايؤمرون فلا يغرنكم الحياة الدنيا ولا يغرنكم بالله الغرور. هما قول الزور ولا صورة لبيع الموقت والّا ينبغى أن يجوز بيع الأمة بهذه الصورة وانتفاء عليه بها بالوطى وكذا النكاح الموقّت، وما قاله أحد. لكاتبه عفى عنه

(٣)الدر المختار مع كشف الأستار للشيخ نظام الدين الكيرانوي، كتاب الصرف تذنيب في بيع العينة وبيع التلجئة ٢/٥٧، [سن طباعت ١٣٣٢ھ-١٩١٢ء] مطبع مجتبائی دہلی، باہتمام مولوی عبدالاحد مرحوم،الدر مع الرد:٧/٥٤٥ - ٥٤٧، الطبعة الثانية ٢٠٠٣ء-١٤٢٤ھ دار الكتب العلمية بيروت

هو المصوب

نہیں جائز [ہے]، اور سود میں داخل ہے۔ هذا ما اشتهر من علماء الأنام، كرمهم الله تعالىٰ.

واللہ اعلم بالصواب، علی حسن جائسی

مضاربت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شریعت ومفتیان طریقت وحقیقت بیچ اس مسئلے کے کہ ایک شخص نے بہ نیت تجارت حلال کسی اپنے رفیق معتمد کو کسی قدر روپیہ نقد دے کر یہ شرط کر لیا کہ تم اس روپیہ کا بیوپار کرو، جو کچھ اس میں منافع دستیاب ہو، اس میں نصف یا ثلث تمہارا باقی ہمارا، اور جو کچھ گھاٹا یا ٹوٹا پیش آوے تو تاوان بھی منافع حصہ مذکور بالا، ذمہ دونوں آدمیوں کے ہوگا۔

پس ایسی تجارت میں نفع کشی شرعاً درست یا نادرست؟ اور یہ بھی واضح رہے کہ صاحب مال کسی کام (خرید وفروخت اور آمد ورفت اطراف وجوانب) میں شریک نہ ہوگا۔ بینوا توجروا۔

هو المصوب

جواب: درست ہے۔ اس کو شریعت میں مضاربت کہتے ہیں مال ایک کا اور عمل دوسرے کا۔ کما فی الهداية:

> المضاربة عقد يقع على الشركة بمال من أحد الجانبين، ومراده الشركة في الربح وهو يُستحق بالمال من أحد الجانبين والعمل من الجانب الآخر. (۱) انتهیٰ.

[مضاربت ایک ایسا عقد ہے جو جانبین میں سے ایک کی طرف سے

---

(۱) الهداية، كتاب المضاربة: ۱۶۸/۶ ـ مكتبة البشرىٰ، كراتشي باكستان، الطبعة الأولىٰ، ۱٤۲۸ھ ـ ۲۰۰۷م

شرکت کی بنیاد پر مبنی ہے، اور اس سے مراد ربح اور نفع میں شرکت
ہے، اور یہ استحقاق جانبین میں ایک کا بذریعہ مال ہوتا ہے اور
دوسرے کی طرف سے بذریعہ عمل ہوتا ہے]۔

واللہ أعلم وعلمه أتم، حرره الراجی عفو ربه المتين محمد أمين حسني والحسيني، تجاوز الله عنه ذنبه الخفي والمبين.

نماز میں عمامہ اور اس کا حکم و درجہ؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ نماز عمامہ کے ساتھ بغیر عمامہ کے نماز سے یعنی ساتھ ٹوپی کے نماز سے مزیت وفضیلت رکھتی ہے پچیس نماز وستر نماز درجہ کرکے؟ آیا از روئے حدیث صحیح ثابت ہے یا نہیں؟ اور حدیث "صلوٰة تطوع أو فريضة بعمامة تعدل خمساً وعشرين صلوٰة بلا عمامة، وجمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة بلا عمامة" یہ روایت ضعیفہ یا صحیحہ یا موضوعہ؟ اور جامع رموز میں ہے:

"ينبغي أن يصلي مع العمامة، فى الحديث؛ الصلوٰة مع العمامة خير من سبعين صلوٰة من غير عمامة"

یہ حدیث صحیح کہ ضعیف یا موضوع ویا باعتبار حدیث صحیح ثواب نفس نماز ساتھ عمامہ وبے عمامہ متساوی وبرابر؟ پس عمامہ سے نفس نماز میں ازدیاد ثواب وانتقاص ہوتا ہے یا نہیں یعنی کمی بیشی نفس ثواب میں عمامہ کو مداخلت ہے یا نہیں؟ (اور) جو شخص اصرار کرے فضیلت نماز عمامہ کو بلا عمامہ سے ستر رکعت وستر درجہ وستر نماز کرکے، وعظ اور غیر وعظ میں (اور) رسالہ تصنیف کرکے اشاعت دیوے، حدیث موضوع کو وہ صحیح سمجھے (اور) سمجھائے لوگوں کو وہٹ کرے اس پر باوجود اطلاع دینے وپانے موضوعیت کے مزیت فضیلت پچیس وستر میں کتب معتبرہ ومستندہ محدثین سے حوالہ نہ تسلیم کرے، وسخن پروری کرے، وروایت رسالہ غیر معتبرہ وروایت فقہیہ غیر مستندہ سند

گردانے، و حجت میں سند پیش کرے از روئے شرع شریف ایسا شخص آثم ہوگا یا نہیں؟ وقابل الزام شرعی ہوگا یا نہیں؟ بینوا بالسنة توجروا يوم الساعة يوم يقوم الناس لرب العالمين.

هو المصوب والملهم بالحق والصواب

جواب: حدیث صحیح کی رو سے عمامہ والی نماز کو بے عمامہ والی سے کچھ فضیلت ومزیت پچیس وستر نماز وستر درجہ نہیں ثابت ہے، (اور) حدیث "صلوٰة تطوع أو فريضة بعمامة تعدل خمساً وعشرين صلوٰة بلا عمامة، وجمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة بلا عمامة" یہ حدیث موضوع ہے اور باطل۔ چنانچہ ملا علی قاری حنفی ہروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رسالہ اپنے "المصنوع في الحديث الموضوع" میں فرماتے ہیں:

"حديث صلوٰة بخاتم تعدل سبعين بغير خاتم موضوع كما قال العسقلاني، وكذا صلوٰةٌ بعمامةٍ تعدل خمساً وعشرين صلوٰة بلا عمامة وجمعةٌ بعمامةٍ تعدل سبعين جمعةً بلا عمامة، والصلوٰة في العمامة بعشرة آلاف حسنة، قال المنوفي فذلك كله باطل، انتهىٰ."

(ترجمہ: حدیث نماز انگوٹھی کے ساتھ برابر ہوتی ہے ستر نماز بغیر انگوٹھی کے موضوع ہے یعنی بنی وگڑھی ہوئی بات جیسا کہ کہا (علامہ ابن حجر) عسقلانی نے اس کو ایسا ہی موضوع ہے، نماز عمامہ کے ساتھ برابر پچیس نماز بے عمامہ کے و ایک جمعہ عمامہ کے ساتھ برابر ستر جمعہ بے عمامہ کے اور نماز عمامہ میں ساتھ دس ہزار نیکی کے برابر، منوفی نے کہا پس سب کا سب یہ باطل ہے)

اور قاضی شوکانی نے فوائد المجموعة في بيان أحاديث الموضوعة میں کہا:

"حدیث صلوٰۃ بعمامة تعدل بخمس وعشرين حجة، وجمعة بعمامة تعدل سبعين حجة، ذكره فى المقاصد وقال: موضوع، حدیث العمائم تیجان العرب والاحتباء حیطائی وجلوس المؤمنين فى المسجد رباطاً، قال فى المقاصد: ضعيف، وأخرج البيهقي معناهٌ من قول الزهري حدیث علیکن بالعمائم، فانما سيما الملائكة فارخوها خلف ظهورکم أخرجه ابن عدي والبيهقي فى الخلاصة موضوع، وقال فى اللآلی لا یصح، وقال له طريق آخر عن ابن عباس أخرجه الحاكم فى المستدرك.

وقد أخرج أبو داؤد من حديث ركانة فرق ما بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس، وأخرج البيهقي من مرسل خالد بن معدان أن النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال: اعتصموا خالفوا الأمم قبلكم، قول ابن عمر يا بنيّ أحب العمامة يا بنيّ اعتم تجل وتكرم وتوقر ولا يراك الشيطان الاّ ولیّ هارباً سمعت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول: انّ الصلوٰۃ بعمامة وجمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة بغير عمامة، انّ الملائكة تشهدون الجمعة متعممين ولا يزالون يصلون على أصحاب العمائم حتى تغرب الشمس، قال ابن حجر: موضوع حديث صلوٰۃ على كور العمامة يعدل ثوابها عند الله غزوة فى سبيل الله وهو موضوع الصلوٰۃ فى العمامة عشرة آلاف، فى اسناده مبهم، وقال في المقاصد: موضوع، انتهیٰ عبارة."

اور جامع رموز کتب غیر معتبرہ سے ہے، پس کیا اعتبار اس کی روایت میں سند کا جیسا کہ صاحب کشف الظنون نے لکھا:

"والمولیٰ شمس الدين محمد الخراساني القهستاني نزال بخارر ومرجع الفتویٰ بها وجميع ما وراء النهر المتوفى سنة اثنين وستين وتسع مائة وهو أعظم الشروح نفعاً وأدقها اشارة ورمزاً كثير النفع عظيم الوقع، سماه جامع الرموز فرغ من تأليفه سنة احدى وأربعين وتسع مائة وقيل انه مات فى حدود سنة خمسين وتسع مائة ببخاراء وقال المولیٰ عصام الدين فى حق القهستاني: انّه لم يكن من تلامذة شيخ الاسلام الهروي ولا من أعاليهم ولا أدانيهم وانّما كان دلال الكتب فى زمانه ولا كان يعرف الفقه ولا غيره بين أقرانه، ويؤيده أنه يجمع فى شرحه هذا بين الغث والسمين والصحيح والضعيف من غير تصحيح ولا تدقيق فهو كحاطب الليل جامع بين الرطب واليابس فى الليل وهو العوارض فى ذم الروافض، انتهیٰ."

(اور) حضرت استاذنا مولوی ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی غفر اللہ لہ ونور مرقدہٗ اپنی کتاب "النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير" میں فرماتے ہیں:

"ومنها عدم الاطلاع على حال مؤلفه، هل كان فقيهاً معتمداً، أم كان جامعاً بين الغث والسمين وان عرف اسمه واشتهر رسمه كجامع الرموز للقهستاني فانه وان تداوله الناس لكنه لما لم يعرف حاله أنزله من درجة الكتب المعتمدة الى حيز الكتب الغير المعتمدة انتهیٰ. قال ابن

عـابـدين فى رد المحتار فى شرح الاشباه لشيخنا المحقق هبة الله البـعـلـي قـال شيـخنا العلامة صالح الجيني: انه لا يـجـوز الافتـاء مـن الكتب المختصرة كالنهر وشرح الكنز للعيني والدر المختار شرح تنوير الأبصار ولعدم الاطلاع على حال مؤلفيها كشرح الكنز لملا مسكين وشرح النقاية للقهستاني، انتهىٰ."

(اور) عمامہ وکلاہ ہردو مسنون سنت زوائد سے جو من قبیل عادت نبی علیہ السلام سے، نہ من قسم عبادت جو سنت ہدیٰ سے۔

"كـمـا فـى شـرح الوقاية: فانما كانت المواظبة المذكورة عـلـى سبيـل الـعـادة فسـنـن الهدىٰ وان كانت على سبيل الـعـادة، فسنن الزوائد كلبس الثياب......الخ، انتهىٰ. وفى الـمـنـار وشـرحـه نـور الأنوار لملا جيون: وهي نوعان أى مـطـلـق السـنة سـنة الهدىٰ كـالـجمـاعة والأذان والاقـامة، والثاني: الزوائد كسير النبي عليه السلام فى لباسه الىٰ آخره وربـمـا يـلبـس عـمامة سوداء وحمراءً انتهىٰ ملخصاً. وفى التـوضيـح مـن كتـب أصـول الـفقهية: والسنة نوعان، سنة الهـدىٰ وتركها يوجب اساءةً وكراهةً كالجماعة والاقامة ونـحـوهـا، وسنة الـزوائـد وتركها لا يوجب ذالك كسنن النبي عليه السلام فى لباسه وقيامه وقعوده، انتهىٰ."

پس مسنونیت دونوں امر کے باب میں صاحب قاموس وسفر السعادت یعنی مجد الدین فیروزآبادی اپنی کتاب سفر السعادت میں فرماتے ہیں: گاہ عمامہ بے کلاہ می پوشیدہ گاہ با کلاہ وگاہ کلاہ بے عمامہ انتہیٰ۔

(اور) نفس ثواب نماز میں کوئی مداخلت عمامہ وکلاہ کو از دیاد وانتقاص ثواب نماز میں از روئے حدیث صحیحہ ثابت نہیں بلکہ ایک کپڑے میں نبی علیہ السلام نے نماز پڑھی جیسا کہ روایت جامع ترمذی میں منقول ہے:

"عن عمر بن أبی سلمة أنه رأی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یصلی فی بیت أم سلمة مشتملاً فی ثوب واحد، انتهیٰ. قال أبو عیسیٰ: حدیث عمر بن أبی سلمة حدیث حسن صحیح، والعمل علی هذا عند أکثر أهل العلم من أصحاب النبي صلی اللّٰه علیه وسلم من بعدهم من التابعین وغیرهم، قالوا: لا بأس بالصلوٰة فی الثوب الواحد، وقال بعض أهل العلم: یصلی الرجل فی ثوبین، انتهیٰ.

وفی صحیح المسلم عن أبی هریرة ان سائلاً سأل رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن الصلوٰة فی الثوب الواحد، فقال: أولکلکم ثوبان، انتهیٰ.

وفی المسلم أن أبا الزبیر المکي حدثه أنه رأی جابر بن عبد اللّٰه یصلی فی ثوب متوحشاً به، وعندہٗ ثیابه، وقال جابر: انه رأی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یصنع ذلك، انتهیٰ.

وفی النووي شرح صحیح المسلم: وأجمعوا أن الصلوٰة فی ثوبین أفضل ومعنی الحدیث أن لثوبین لا یقدر علیهما کل واحد، فلو وجبا لعجز من لا یقدر علیهما من الصلوٰة، وفی ذلك حرج، وقد قال اللّٰه تعالیٰ ﴿ما جعل علیکم فی الدین من حرج﴾ وأما صلوٰة النبي صلی اللّٰه علیه وسلم والصحابة رضي اللّٰه عنهم فی ثوب واحد ففی وقت کان لعدم ثوب

آخر وفي وقت كان مع وجوده بيان الجواز كما قال جابر رضي الله عنه ليراني الجهال والا فالثوبان أفضل كما سبق، انتهىٰ۔"

جب کہ جواز وفضیلت نماز ثوب واحد ودوثوب کے بروئے حدیث صحیح ثابت وتحقق، پس ایسی روایت جس کو محدثین ن موضوعات ومصنوعات سے شمار کیا، اس کر کے افتاء دینا اور مجلس وعظ میں (اور) رسالہ میں اشاعت دینا بڑی جرأت ومرتکب کبیرہ وحرام ہونا ہے، نعوذ باللہ منہا۔

چنانچہ امام نووی شرح صحیح مسلم جلد اول صفحہ/ ۸، مطبوعہ نول کشور میں تحریر فرماتے ہیں:

"تحرم رواية الموضوع على من عرف كونه موضوعاً أو غلب على ظنه وضعهٗ فمن روىٰ حديثاً علم أو ظن وضعهٗ ولم يبين حال رواية وضعه فهو داخل في هذا الوعيد مندرج في جملة الكاذبين على رسول الله صلى الله عليه وسلم، انتهىٰ۔"

اور صحیح بخاری میں صفحہ/ ۲۱، میں سلمہ بن الاکوع سے روایت ہے، انھوں نے کہا:

"سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من يقل عليّ ما لم أقل فليتبوأ مقعدهٗ من النار، انتهىٰ۔"

اور روات اس حدیث کے بکثرت ہیں بلکہ عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں اور شرح نخبۃ الفکر میں ہے کہ:

"واتفقوا على تحريم رواية الموضوع مع العلم بحاله بسند أو غيره في أيّ معنىٰ كان من الأحكام والقصص والترغيب والترهيب وغيرها الا مقروناً ببيانه أي بيان أنه موضوع......الخ، انتهىٰ۔

وفی النووي شرح صحيح المسلم : وقال الشيخ أبو محمد الجويني والد امام الحرمين أبی المعالی من أئمة أصحابنا يكفر بتعمد الكذب عليه صلى الله عليه وسلم، حكى امام الحرمين عن والده هذا المذهب وانه كان يقول فی دروسه كثيراً: من كذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم عمداً كفر وأريق دمهٔ، انتهیٰ.“

اور مجمع البحار جلد سوم میں (ہے) کہ:

”قال زيد بن أسلم: من عمل بخبر صح أنه موضوع فهو من خدم الشيطان، انتهیٰ.“

اور ”فتح المغيث شرح الفية الحديث“ میں ہے:

”وكيف كان الموضوع أی فی أی معنیٰ كان من الأحكام أو القصص أو الفضائل أو الترغيب والترهيب أو غيرها لم يخبروا......الخ، وفيه أيضاً وكذا قال الخطيب:يجب على المحدث أن لا يروی شيئاً من الأخبار المصنوعة والأحاديث الباطلة الموضوعة فمن فعل ذلك باء بالاثم المبين ودخل فی جملة الكاذبين وكتب البخاري على حديث الموضوع: من حدث بهذا استوجب الضرب الشديد والحبس الطويل، انتهیٰ.“

(اور) علامت وضع سے حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ رسالہ ”عجالہ نافعہ“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”که منجمله شناخت وضعيت حديث علامت هشتم آنست که افراط در وعيد شديد بر گناه صغير يا افراط

وعد عظیم بر فعل قلیل، چنانچہ "من صلی رکعتین فلهٗ سبعون ألف دار، فی کل دار سبعون الف بیت، وفی کل بیت سبعون ألف سریر، وعلی کل سریر ألف جاریة" بلکه احادیث این نسق را خواه در ثواب باشند خواه در عذاب، موضوع باید شناخت، انتہیٰ۔"

پس ہزار نیکی نماز عمامہ والے کو (اور) پچیس نماز دستر جمعہ کا ثواب عمامہ پر (اور) انگوٹھی پہن کر نماز ستر نماز کے برابر ہونا سراسر ثبوتِ علامتِ وضعیت ہے۔ علاوہ اس کے تصریح کیا ملا علی قاری حنفی ہروی نے اپنی کتاب "موضوعات کبیر" میں، فرماتے ہیں:

"حدیث صلوٰة بخاتم تعدل سبعین بغیر خاتم موضوع كما قاله العسقلاني وكذا صلوٰة بعمامة تعدل بخمس وعشرين صلوٰة وجمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة والصلوٰة بعمامة بعشرة آلاف حسنة، قال المنوفي: فذلك كله باطل، وقال السخاوي: حديث صلوٰة بخاتم تعدل بسبعين بغير خاتم هو موضوع كما قال شيخنا عن شيخه. وكذا ما أوردهٗ الديلمي من حديث ابن عمر مرفوعاً صلوٰة بعمامة تعدل بخمس وعشرين وجمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة، ومن حديث أنس مرفوعاً الصلوٰة فی العمامة بعشرة آلاف حسنة، قلت: روی ابن عمر، نقله السيوطي عن ابن عساكر فی جامعه الصغير مع التزامه بأنه لم يذكر فيه الموضوع."

(ترجمہ: ایک نماز انگوٹھی سے ستر نمازوں کے برابر ہے جو بغیر انگوٹھی

کے پڑھی گئیں ہوں موضوع ہے یعنی بنائی ہوئی بات ہے جیسا کہ عسقلانی نے کہا ہے، اور ایسا ہی ہے ایک نماز پگڑی سے پچیس نمازوں کے برابر ہے، اور ایک جمعہ پگڑی سے ستر جمعوں کے برابر ہے، اور ایک نماز پگڑی میں ہزار نیکی کے برابر ہے، کہا متوفی نے: یہ سب باطل ہیں، کہا سخاوی نے: یہ حدیث ایک نماز انگوٹھی سے ستر نمازوں کے برابر ہے جو بغیر انگوٹھی کے ہوں موضوع ہے جیسا کہ ہمارے شیخ نے اپنے شیخ سے نقل کیا ہے، اور ایسا ہی ہے جس کو دیلمی ابن عمر سے مرفوع روایت لایا ہے ایک پگڑی سے پچیس نماز کے برابر ہے، اور ایک جمعہ پگڑی سے ستر جمعوں کے برابر ہے۔ اور انس سے مرفوع روایت لایا ہے (کہ) ایک نماز پگڑی سے دس ہزار نیکی کے برابر ہے، میں کہتا ہوں اس کو سیوطی نے جامع صغیر میں ابن عساکر سے، اس نے ابن عمر سے نقل کیا ہے، باوجودیکہ اس نے التزام کیا ہے کہ میں اس میں کوئی موضوع ذکر نہیں کروں گا۔ انتہیٰ)

اور شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی اپنی کتاب "المقاصد الحسنة فی بیان کثیر من الاحادیث المشتهرة علی الألسنة" میں فرماتے ہیں:

"حديث العمائم تيجان العرب، الديلمي من جهة أبى نعيم ثم من جهة ابن عباس به مرفوعاً بزيادة الاحتباء حيطانها وجلوس المؤمن في المسجد رباطه.

وهو كذلك عند القضاعي من حديث علي مرفوعاً أيضاً لكن قد أخرجه البيهقي عن الزهري من قوله ولفظ العمائم تيجان العرب ولاحيوة حيطان العرب والاضطجاع في المسجد رباط المؤمنين، وللديلمي لفظ الترجمة من

حـديـث ابن عباس أيضاً بزيادة فاذا وضعوها وضعوا عنهم وفى لفظ عنده العائم وقار المؤمن وعز العرب فاذا وضعت العرب عـمـائـمهـا وقد خلعت عزها، وكذ للبيهقي بلفظ الترجمة بزيادة اعتموا تزادوا حلماً.

وفـى البـاب مـمـا يشبه بلفظ تعمموا تزادوا حلماً والعمائم تيجان العرب سوى ما ذكر فكله ضعيف.

ومـنـه لـلبيهـقـي فـى الشعب عن ابن عباس مرفوعاً عليكن بـالـعـمائم فانها سيماء الملائكة فارخوها خلف ظهوركم وقـد استـطـرد بعض الحفاظ ممن جمع فى العذبة وسدل العمائم بخصوصها لما استحضره من هذا المعنىٰ.

وأيـضـاً هـو عـنـد الطبراني ثم الديلمي عن ابن عمر ومما لا يثبـت فيـمـا أورده الـديـلـمـي فى مسنده عن ابن عمر رفعه صلوٰة بعمامة تعدل بخمس وعشرين صلوٰة وجمعة بعمامة تـعـدل سبـعيـن جمعة، وفيه أن الملائكة يشهدون الجمعة متعممين ويصلون على أهل العمائم حتى تغيب الشمس.

وفـى لـفـظ عـنـه أيـضاً جمعة بعمامة أفضل من سبعين بلا عمامة.

وعـنـه وعـن أبـى هريرة معاً ان للّٰه عز وجل ملائكة وقوف بـبـاب الـمسـجـد يستغفرون لأصحاب العمائم البيض يوم الجمعة.

وعن جابر ركعتان بعمامة أفضل من سبعين بغيرها.

وعـن أبـى الـدرداء أن اللّٰه وملائكته يصلون على أصحاب

العمائم يوم الجمعة.

وعن علي العمامة حاجز بين المسلمين والمشركين.

وعن ركانة فرق بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس وبعضه أو هى من بعض، انتهىٰ كلامهٗ.

(اور) ایسا آدمی قابل الزام شرعی ہوگا (اور) مرتکب کبیرہ۔

كما عن النبي صلى الله عليه وآله وأصحابه وسلم: من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين، رواه مسلم فى صحيحه عن سمرة بن جندب وعن المغيرة بن شعبة قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ذلك، انتهىٰ. وفى مختصر الجرجاني ولا يحل رواية الموضوع للعالم بحاله فى أي معنىٰ كان الا مقروناً ببيان الوضع، انتهىٰ.

والله أعلم، وعنده أم الكتاب واليه المرجع والمآب، اللهم أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه، حرره الراجى عفو ربه المتين محمد أمين حسنى الحسينى تجاوز الله عن ذنبه الخفي والمبين والدقيق والسمين، فقط [مہر، محمد امین حسنی الحسینی]

الجواب صحيح والرأى نجيح وخلافه قبيح [مہر، سید محمد نذیر حسین]

الجواب صحيح [مہر، سید محمد عبد السلام غفرلہ] الجواب صحيح [مہر، سید محمد ابو الحسن]

ما حبر ونضد فى هذا القرطاس حفي وحري بأن يقبل بالعين والرأس، والله أعلم وعمله أحكم، محمد شبلى فاروقى جونفورى [مہر، محمد شبلی عمری جونپوری]

ما حرر فیہ، لا ریب فیہ فهو حق حقیق، المجیب نجیح لئیق، کتبه فقیر ابو الخیر محمد مکی مولداً فاروقی نسباً محمدی دیناً حنفی مذهباً نقشبندی مشرباً جونپوری وطناً عفی عنه [مہر،محمد ابوالخیر مکی]

ما قال المجیب اللبیب فهو حقیق بأن یقبل بالعین والرأس لأنه مصیب، والله أعلم وعنده علم الأتم والأحکم، فقیر ابو الحسنات محمد عبد الغفور الدانا فوری العظیم آبادی عفی الله عنه [مہر، ابوالحسنات محمد عبد الغفور]

اس میں کچھ شک نہیں کہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھانے کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، لیکن عمامہ باندھنا نماز میں ہو یا غیر نماز میں، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ کما ورد فی بعض الأحایث اعتموا تزادوا حلماً، قد نقله المحقق جلال الدین السیوطي فی اللآلی بأسانید مختلفة بعضها صحیحة وبعضها ضعاف، من شاء فلیرجع الیه، والله أعلم بالصواب وعلمه أتم، أنا العاجز الراجی الی رحمة الله المجید، محمد سعید عفا الله عنه البنارسي [مہر، بفضل خدا محمد سعید شد]

الجواب صحیح والمجیب نجیح، محمد بن سعید عفي عنه [مہر، محمد]

الجواب صحیح، فقیر محمد معروف فاروقی ابن مولانا محمد جنید مرحوم ابن مولانا سخاوت علی صاحب قدس سره [مہر، محمد معروف بن محمد جنید]

التعمم بالعمائم لا سیّما حین الصلوات سنة متوارثة والتعامل بالسنة أمثل والمستدلون بالأحادیث الموضوعة کالأنعام بل هم أضل، ابوالبشر وتی الشر، ۳۰/محرم ۱۳۱۸ھ۔

لا شك أن التعمم سنة النبي صلى الله عليه وسلم لكن سنة من سنن الزوائد، لا من الهدیٰ، لا دخل له فی ازدیاد ثواب الصلوٰة والانتقاص، احقر محمد ابو بکر محمد شیث فاروقی جونفوری [مہر، ابوبکر محمد شیث فاروقی]

الجواب صحيح وصواب والمجيب مصيب وثياب، كتبه أحقر المخلوق أبو الفضل محمد فاروق عفي عنه [مہر، ابوالفضل محمد فاروق]

أصاب من أجاب، عمله الأتم عند الله الوهاب، حرره محمد رياست علی اعظم گڑھی جھانوی عفي عنه [مہر، محمد ریاست علی]

ملاحظہ برائے فتویٰ

نماز میں عمامہ اوراس کا شرعی حکم ودرجہ سے متعلق منبع علوم ظاہری وباطنی، قامع شرک وبدعت، سالک مسالک طریقت وشریعت، قدوۃ الفقہاء خاتم المحدثین ہادی دین متین سید السادات حضرت مولانا سید ابوالمحاسن محمد امین حسنی الحسینی نصیر آبادی کا ایک فتویٰ خوش قسمتی سے دستیاب ہوگیا جو "الأسوة الحسنة فيما ثبت بالسنة" میں شامل اوردس گیارہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، مجموعۃ الفتاویٰ پریس کے حوالہ کرنے سے پہلے مذکورہ کتاب ہاتھ لگ گئی، اسی سے اس فتویٰ کو لے کرافادہ کی غرض سے شامل کرلیا گیا ہے۔ (مرتب)